لہجے میں پوچھا۔

''میں ایسی فضول باتوں کو اپنی زبان سے دہرانا بھی پسند نہیں کرتا۔''

''حالانکہ تم نے ابھی چند ثانیوں پہلے میری کہی ہوئی بات دہرائی ہے'' ویرا بحث پر اتر آئی۔ ''کبھی کبھی تم میرے ساتھ گہری منافقت کا کھیل شروع کر دیتے ہو۔''

وہ غیر ضروری لیکن طبیعت کو چونچال کر دینے والی بحث زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکی۔ سلطان شاہ کو ڈائریکٹری میں مطلوب نمبر مل گیا تھا۔ وہ مسرت آمیز انداز میں ڈائریکٹری اٹھائے ہماری طرف دوڑتا چلا آیا تھا۔

''مل گیا، یہ دیکھو..... یہ رہا وہ نمبر'' اس نے ڈائریکٹری میز پر رکھ کر ایک نمبر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ''شروع سے آدھے صفحے دیکھ کر میں تھک گیا تو میں نے آخر سے الٹے صفحات دیکھنے شروع کر دیے۔ یہ نمبر تیسرے یا چوتھے صفحے پر مل گیا۔''

''پاپولیشن ویلفیئر یعنی خاندانی منصوبہ بندی!'' ویرا اس نمبر سے اوپر جلی حروف میں چھپی ہوئی تحریر پڑھتے ہوئے بولی ''یعنی خاندانی منصوبہ بندی کے محکمے کا کوئی افسر شیر دل کے بچوں کی پرورش کی ذمے داری پوری کر رہا ہے۔''

میں نے ویرا کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ میں ڈائریکٹری کے مندرجات دیکھ رہا تھا۔ وہ سندھ کی صوبائی حکومت کا ایک محکمہ تھا۔ نمبر سے پہلے نرمل کمار کا نام لکھا ہوا تھا۔

میں نے ڈائریکٹری کا سرورق دیکھا تو پتا چلا کہ وہ ڈائریکٹری کم و بیش ڈیڑھ سال پرانی تھی۔ ملک کی آزادی کے بعد ٹیلی فون کا محکمہ اس قدر آزاد ہوا تھا کہ سالانہ ڈائریکٹری کی بروقت اشاعت اور ترسیل کو ایک عیب سمجھ کر ترک کر دیا گیا تھا۔

سرکاری محکموں میں آئے دن تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ فون نمبر ان دنوں بھی نرمل کمار نامی افسر کے استعمال میں رہا ہو۔

ڈائریکٹری سے محکمے کا نام اور پتا مل گیا تھا۔ نرمل کمار سمیت اس محکمے کے چند اور افسروں کے نام سامنے آ گئے تھے۔ ضروری نہیں تھا کہ ڈیڑھ دو سال کی مدت میں سب تبادلوں کی زد میں آئے ہوں۔ ان میں سے کئی کو اسی دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

''ساری تفصیلات ایک الگ کاغذ پر نوٹ کر لو'' میں نے ڈائریکٹری ویرا کی طرف سرکا دی۔

''یہ بھی عجیب محکمہ ہے۔ ہر دس پانچ سال بعد ان کے

کاریات

''آپ کی بیگم کی ڈرائیونگ کیسی ہے؟''

''وہ جس طرح گاڑی موڑتی ہے، کبھی کبھی اتفاقاً سڑک بھی اسی طرف مڑ رہی ہوتی ہے۔''

''آپ کی گاڑی ایک گیلن میں کتنا چل جاتی ہے؟''

''اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ گیلن کس چیز کا ہے؟''

☆☆☆

یہ خاتون سامنے سے اپنی گاڑی میں آ رہی تھیں۔ اگر آپ انہیں گزرنے کے لیے راستہ دے دیتے تو یہ حادثہ نہ ہوتا۔''

''میں ضرور راستہ دے دیتا جناب! بشرطیکہ مجھے اندازہ ہو جاتا انہیں کس طرف کا راستہ چاہیے۔''

☆☆☆

''اچھا..... تو تمہیں تیز رفتاری کے جرم میں میرے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے تم کتنی مرتبہ میرے سامنے پیش ہو چکے ہو؟''

''ایک مرتبہ بھی نہیں مجسٹریٹ صاحب! البتہ سڑکوں پر کئی مرتبہ میں نے آپ کو اوورٹیک کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میری گاڑی اسّی میل فی گھنٹا کی رفتار سے زیادہ چلتی ہی نہیں.....''

☆☆☆

''یہ صاحب اس وقت کس رفتار سے جا رہے تھے جب ان کا چالان کیا گیا؟''

''رفتار کا مسئلہ تو بعد کا ہے سر..... اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ صاحب بادلوں کے قریب رانگ سائڈ جا رہے تھے۔''

☆☆☆

''میں نے دیکھا ہے کہ آپ اپنی کار اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو بھی چلانے کے لیے دینے لگے ہیں۔''

''ہاں..... اس کی عمر اور تجربہ اتنا نہیں ہے کہ میں اسے کراچی کی سڑکوں پر پیدل بھیجنے کا خطرہ مول لے سکوں۔''

Downloaded from https://paksociety.com

نعرے بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے کہتے تھے، کم بچے خوش حال گھرانا۔ پھر رت بدل گئی۔ کہا جانے لگا کہ بچے دو ہی اچھے۔ یہ ہدایت لوگوں کو پسند نہیں آئی کیونکہ وہ ہر کھیل کی گھریلو ٹیم پر یقین رکھتے تھے جس میں کم از کم گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں'' تفصیل لکھتے ہوئے ویرا کی زبان چل پڑی تھی ''ریفری بے ایمانی پر اتر آئیں تو کھلاڑیوں کی تعداد تیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ادھر چین میں فی خاندان ایک بچے کی مہم زور وشور سے چل رہی تھی۔ انہیں اعتراض ہوسکتا تھا کہ چینیوں نے دو ہی اچھے پر عمل شروع کردیا تو ان کی مہم پورے سو فیصد فرق سے ناکام ہوگی لہٰذا تعداد کو ترک کرکے وقفے پر زور دیا جانے لگا۔ دیکھنا.....''

''کیا تم یہ سب ڈائریکٹری سے پڑھ کر سنا رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کی قطع کلامی کرکے ترشی سے پوچھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری زبان میں بچہ لگا ہوا ہے۔''

''کہتے ہیں جس کا کھاؤ اسی کا گاؤ۔ اس اصول کے مطابق جس کا لکھواؤ اسی کا بتاؤ'' ویرا نے سب کچھ نوٹ کرنے کے بعد نظریں اٹھا کر کہا ''میں تمہیں فیملی پلاننگ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ یہ نام بدلیں یا نعرے، ہماری زرخیزی میں فرق پڑے گا نہ پیداوار کم ہوگی۔''

''تم بہک رہی ہو'' میں نے سنجیدگی سے اسے گھورتے ہوئے کہا ''شام ہوگئی ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ اور نارمل ہوکر واپس آؤ۔ ہمیں اس سراغ پر کام شروع کرنا ہے۔''

میں نے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ میری ہدایت سن کر وہ خوش ہوگئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

غزالہ، ویرا کا لکھا ہوا کاغذ اٹھا کر پڑھنے کے بعد بولی ''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ڈیڑھ دو سال گزر جانے کے باوجود نرمل کمار اس دفتر میں اس جگہ موجود ہو؟''

''یہ مثبت امکان بھی ہے'' میں نے سر ہلا کر اعتراف کیا ''فی الحال میں منفی پہلوؤں کو سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ کل بہت کچھ ہمارے سامنے آجائے گا۔''

''آپ اس بارے میں ویرا سے کیا کام لینا چاہ رہے ہیں؟'' غزالہ نے نیچی آواز میں پوچھا۔

''ابھی میرے ذہن میں اس کے لیے کوئی کام نہیں ہے'' میں نے کہا۔

''ابھی آپ نے اس سے کہا تھا کہ ہمیں اس سراغ پر کام شروع کرنا ہے۔''

میں ہنس دیا ''حیرت ہے کہ تم اتنی آسان باتیں بھی بعض اوقات نہیں سمجھ پاتیں۔ میں اسے تاکید نہ کرتا تو وہ اندر سے اپنا پیٹ بھر کر آتی، اب وہ ایک دو گلاس لے کر نکل آئے گی۔''

''یہ رموز وہی سمجھ سکتا ہے جو پیتا ہو یا پیتا رہا ہو'' سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی ''ہم دونوں اس معاملے میں اناڑی اور بے قصور ہیں۔''

ویرا کے ذہن پر اپنی کامیابی کا خمار طاری تھا۔ اس کی فطری خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اپنے لائے ہوئے فون نمبر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرلے۔ اس خواہش کے زیر اثر وہ زیادہ دیر تک اپنے کمرے میں نہیں ٹک سکی اور میری توقع سے پہلے لوٹ آئی۔

''ہاں، تو تم نے کیا سوچا ہے، نرمل کمار کے بارے میں؟'' اس نے آتے ہی سوال کیا۔

''اس کے بارے میں بھی سوچ لیں گے۔ فی الحال میں تمہاری تجویز پر عمل کرنے کے امکانات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا'' میں نے سنجیدگی سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''کس تجویز کی بات کر رہے ہو؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں گیری ہارٹ کے حوالے کردیا جائے۔ یہ بہت خطرناک تجویز ہے۔ اس کامیابی کا سارا دارومدار تمہاری ہمت اور حوصلے پر ہوگا۔ اس نے تمہیں زیر کرلیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ان لوگوں کے شکنجے سے نہیں نکال سکے گی۔''

''کیا آپ واقعی سنجیدہ ہیں'' غزالہ نے بے یقینی سے پوچھا ''جب آپ دونوں اس بارے میں جلال سے بات کر رہے تھے تو میں کچن میں سب سن رہی تھی۔ وہ بہت خطرناک تجویز ہے جو ناکام ہوگئی تو وہ ویرا کے ساتھ من مانا سلوک کریں گے اور اسے امریکا لے جاکر عدالتی انصاف کے نام پر برقی کرسی پر بٹھا دیں گے۔''

''اس بہانے ویرا کو کرسی تو مل جائے گی'' سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا۔

اس بار میں نے اسے قہر بار نظروں سے گھورا اور وہ سہم گیا۔ میں نے غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا ''یہ میری یا جلال کی نہیں، ویرا کی تجویز تھی۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ ویرا ناکام ہوئی تو اس کو بدترین انجام کا سامنا کرنا پڑے گا مگر میں پھر بھی سنجیدہ ہوں۔''

''تم دونوں بولے جارہے ہو'' ویرا نے احتجاج کیا ''میرے بارے میں بات ہو رہی ہے تو سب سے پہلے مجھے بولنے کا حق ہے۔ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر میں اب بھی اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

پیشکش پر قائم ہوں مگر یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے نرمل کمار کے بارے میں کچھ طے کرو۔''

''تمہارے ذہن میں اس بارے میں کیا موجود ہے؟''

''ہمیں اپنے کام کی ابتدا دفتر سے کرنی پڑے گی'' ویرا نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''یہ ابتدا کون کرے گا؟'' میں نے براہِ راست اسی سے سوال کیا۔

''پتا سیکریٹریٹ کا ہے۔ وہ حساس علاقہ ہے۔ وہاں سخت حفاظتی انتظامات ہوں گے۔ میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں مگر میری کامیابی کے امکانات کم نظر آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس دفتر تک پہنچنے سے پہلے کسی شبہے میں دھر لی جاؤں اور پھر جلال کو میری رہائی کے لیے کام کرنا پڑے۔ یہ رسک منظور ہے تو میں صبح نکل جاؤں گی۔''

''میں یہ ہار تمہارے گلے میں ڈالنے کی کوشش نہیں کررہا'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''میں نے تم سے مشورہ طلب کیا تھا۔''

''سلطان شاہ بھی یہ کام کرسکتا ہے لیکن اس میں تیزی سے بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت کی کمی ہے۔ اس کے مقابلے میں تمہارا جانا بہتر رہے گا۔''

''مجھے کوئی عذر نہیں لیکن غزالہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''اگر تمہیں اعتراض نہ ہو اور غزالہ رضامند ہو تو اسی کا جانا سب سے زیادہ سودمند رہے گا۔'' ویرا خوش ہوکر بولی ''بہبود آبادی والوں کو ہر وقت پڑھی لکھی لڑکیوں کی ضرورت رہتی ہے جو گھر گھر جاکر عورتوں کو اپنی مہم کی افادیت سمجھا سکیں۔ غزالہ ملازمت کی ایک امیدوار بن کر سیدھی نرمل کمار کے پاس جاسکتی ہے۔''

''یہ طریقہ شان دار رہے گا'' سلطان شاہ نے اس کی تائید کی ''مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ میرے بارے میں ویرا کی رائے اچھی نہیں ہے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ اس نے میرا مقابلہ کسی للو پنجو کے بجائے تم سے کیا ہے'' آخری فقرہ اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور شکایت کروگے لیکن کام کے مسئلے میں، میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتی۔ بے خوف ہوکر اپنی بے لاگ رائے دیتی ہوں۔''

میں نے ویرا کی بات کاٹ دی ''اب اس بحث کو طول نہ دو۔ غزالہ کے بارے میں میری بھی یہی رائے تھی کہ یہ ملازمت کی تلاش میں وہاں پہنچے۔''

''اپنی ڈگری اور دوسرے کاغذات وغیرہ بھی ساتھ لیتی جانا تاکہ کسی کو تمہارے اوپر کوئی شبہ نہ ہو'' ویرا نے اسے مشورہ دیا۔

''مجھے خوشی ہورہی ہے کہ گریجویشن کے بعد میں آج پہلی بار اپنی ڈگری کا ذکر سن رہی ہوں'' غزالہ بولی ''گھر داری اور دوسرے مسائل میں پڑ کر میں بھول چکی تھی کہ میں نے کوئی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔''

''ڈگری پر تمہارے نام کے ساتھ ڈینی کا نام تو نہیں ہے؟'' ویرا نے چونک کر پوچھا۔

''ڈگری غزالہ زیدی کے نام پر ہے'' میں نے اسے بتایا ''غزالہ کے والد کا نام زوار زیدی تھا اور وہ ریٹائرڈ کرنل تھے۔ مرحوم بہت نفیس اور وضع دار انسان تھے۔''

''کبھی تم کرنل دادر بنے ہوئے ہو'' ویرا یوں بولی جیسے اس نے کوئی بڑا راز پالیا ہو۔ دونوں ناموں میں حیرت انگیز مماثلت ہے اور عہدہ تو بالکل وہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سسر کا نام تمہارے لاشعور سے چپکا ہوا ہے۔ اس رشتے میں ایسی اپنائیت خال خال ہی ملتی ہے۔''

''ان کے ہمارے گھرانے پر بہت احسانات ہیں۔ ڈیڈی انہیں بہت پسند کرتے تھے۔'' بھولے بچھڑے باپ کا ذکر کرتے ہوئے یکا یک اس کی آواز کچھ کمزور پڑ گئی۔

ضروری گزارش

ای میل اور فیکس کی سہولیات مختصر پیغامات اور تبصروں کے لئے جملہ قارئین کے لئے حاضر ہیں۔ بعض قارئین طویل خطوط، کو پن والے اشعار و سوالات ڈاک سے بھیجنے کے بجائے ان ہی ذرائع سے بھیج دیتے ہیں۔ ٹرانس مشن اور اسکے تنگ (SCANNING) کی بعض فنی وجوہ کی بنا پر بسا اوقات یہ متن پوری جزئیات کے ساتھ موصول نہیں ہوتا اور ضائع ہوجاتا ہے۔ ازراہِ کرم اپنی تخلیقات اور اشعار و سوالات اصل کو پن کے ساتھ صرف ڈاک سے ارسال کریں تاکہ یہ ضائع نہ ہوں۔ ای میل پر تبصروں وغیرہ کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ ازراہِ کرم اپنے شہر اور ملک کا نام ضرور لکھیں۔

نوٹ: غیر ملکی قارئین کے خطوط ہم تک بروقت نہیں پہنچ پاتے، لہٰذا غیر ممالک میں بسنے والے تمام قارئین کے لئے ای میل اور فیکس کی سہولت بدستور برقرار ہے..... (ادارہ)

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی جھکی ہوئی آنکھوں کی نمی میں نہیں دیکھ سکا لیکن اس کے سینے کا زیر و بم بتا رہا تھا کہ اسے یکا یک جذباتی ابال نے آلیا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک ہمارے ساتھ نہیں بیٹھ سکی۔ ان دونوں نے بھی غزالہ کی بدلی ہوئی کیفیت بھانپ لی تھی۔ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا اور کمرے کی فضا پر اداسی چھا گئی تھی۔ اچانک غزالہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ہمارے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''بے چاری!'' ویرا نے سر جھٹک کر ہمدردانہ لہجے میں کہا ''لڑکیوں کے لیے شریف النفس باپ واقعی ایک نعمت ہوتا ہے۔ بدنصیب ہوتی ہیں وہ لڑکیاں جو اپنی ماؤں سے پیار کرتی ہیں لیکن باپ کو ایک آنکھ پسند نہیں کرتیں۔''

''حیرت ہے کہ ایک بنتِ مغرب ایسی خالص مشرقی بات کہہ رہی ہے'' سلطان شاہ بولا۔

''ایک غزالہ ہے جو اپنے باپ کے ذکر پر آزردہ ہوگئی اور مجھے دیکھو، میں کبھی اپنے باپ کی یادوں کو بوجتی ہوں اور کبھی اس کی بے نیازی پر میرا خون کھولنے لگتا ہے۔'' وہ سلطان شاہ کی بات کو نظر انداز کر کے اپنی رو میں بولنے لگی ''میں زندگی بھر تڑپتی رہی، اس سے التجائیں کرلیں۔ وہ مرتے مرگیا لیکن اس نے ایک بار بھی بیٹی کہہ کر میرے سر پر شفقت کا ہاتھ نہیں رکھا۔ میری ماں کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے شادی کیے بغیر خود کو میرے باپ کے حوالے کردیا تھا۔ ماں کی اس غلطی کی قیمت میں نے باپ کی محبت سے محرومی کی صورت میں ادا کی ہے۔ اسے میں کبھی نہیں بھول سکتی۔''

''اب جمی لائیڈ اس دنیا میں نہیں ہے'' میں نے نرمی سے ویرا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''وہ کسی دوسرے جہان میں اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہوگا۔ وہ میرا بدترین دشمن لیکن تمہارا باپ تھا۔ اب تمہیں اس کو معاف کردینا چاہئے۔''

ویرا تلخ انداز میں ہنس پڑی ''وہ میری پہنچ سے بہت دور چلا گیا۔ اب میں اس کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔ میں نے اسے معاف کردیا ہے اور کبھی کبھی اس کی مغفرت کے لیے دعا بھی کرتی رہتی ہوں۔ میرے سینے میں ایک محروم بیٹی کا دل ہے۔ کبھی کبھی وہ تڑپتا ہے تو میری زبان کھل جاتی ہے، ورنہ بند رہتی ہے۔''

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب ویرا سے کیا بات کروں؟ کچھ یہی کیفیت سلطان شاہ کی تھی۔ وہ بھی اپنی زبان بند کیے بیٹھا تھا۔

ویرا نے میز پر سے پیکٹ اٹھا کر سگریٹ سلگائی اور اس کا ایک گہرا کش لے کر ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں سکیڑا اور دھوئیں کے گول گول مرغولے میرے چہرے پر چھوڑ دیے۔

''دغاباز!'' اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی استہزائیہ آواز نکلی جو میں نے سن لی لیکن دور ہونے کے سبب وہ دو ذومعنی الفاظ سلطان شاہ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکے۔

میں یکا یک خود کو بے آرام محسوس کرنے لگا۔ میری دلی خواہش تھی، ویرا جلد از جلد اٹھے اور وہاں سے دوبارہ اپنے کمرے میں چلی جائے۔

''تمہاری بیوی بہت خوبصورت اور باوقار ہے'' اس نے میری طرف متوجہ ہوکر بولنا شروع کیا تو میرے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ ہمیشہ غزالہ کا نام لیتی تھی مگر اس وقت اس نے غزالہ کا ذکر میری بیوی کی حیثیت سے کیا تھا جو اچھا شگون نہیں تھا۔ وہ کہہ رہی تھی ''کسی مرد کے مقابلے میں اسے آسانی سے سندھ سیکریٹریٹ میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ آج ماضی کی یادوں نے مجھے اور تمہاری بیوی کو کبیدہ خاطر کردیا۔ امید ہے کہ آنے والا دن ہم دونوں کے لیے خوشی کا پیغام لائے گا۔ یہ.....''

ویرا کی بات نامکمل رہ گئی۔ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی۔

میں نے اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں نظر آنے والا نمبر میرے لیے اجنبی تھا۔ اسی لمحے سات کے ابتدائی ہندسے سے مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے سرعت سے کال لے لی۔

''مہیش! جلدی آؤ، وہ گھر آیا ہوا ہے'' فون پر شیبا کی دھیمی اور خوف زدہ آواز سنائی دی ''وہ کچن میں کاغذ جلا رہا ہے۔ میں نے اپنی جان پر کھیل کر تمہیں فون کیا ہے۔ اسی وقت اڑ کر یہاں آجاؤ!'' اس نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔

دوپہر کو ویرا نے شیبا کے نام سے فون پر دھوکا دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس بار یقیناً وہی تھی، میں نے اس کی آواز پہچان لی تھی اور اس کا پیغام سن کر سکتے میں آگیا تھا۔

وہ پیغام واضح نہیں تھا۔ شیبا کے پاس دونوں میں سے کوئی بھی آسکتا تھا۔ ایک اس کا شوہر تھا اور دوسرا اس کا عاشق۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس وقت شیبا کے کچن میں سوبھراج اور سنیل میں سے کون کاغذ جلا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور ندیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں خیاشات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے مھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہمہ وقت کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین مصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیچے جال بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی دیرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ بس ڈون کو انگ نواحی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارزنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس شعبے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اہم شخصیات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مطعون ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنڈ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالآخر وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میراژ نکال کر ہم سب کو چونکا دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے بک ہارو سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیلی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ بک ہارو نے قصد تبدیل کر دی کہ ڈیلی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن نور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن نور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکتی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے۔ تاہم یہاں ان کا رابطہ کوبرا سے تھا۔ اسی دوران میں مجھے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر بھی مل گیا۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کوبرا کے پردے میں ایک معزز اقلیتی سیاست دان چھپا ہوا تھا۔ میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ بچا کر بچا گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو ہر وا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ورا نے سوہمراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا لگژری سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ورا نے کافی تیاریوں کے ساتھ سوہمراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوہمراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ورا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ورا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ورا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ورا ہماری مدد کے باعث سوہمراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوہمراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں بک ہارو سے بات کر کے اپنی قیمت سوہمراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر بک ہارو کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیلی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوہمراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوہمراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر نچینگ کے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوہمراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوہمراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوہمراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت بک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ ایوٹ بیس پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خیرسگالی فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک بک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی مگر اس وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ بک کے بقول اس کا افسر ڈیلی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد ہیں ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چیپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن بک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیلی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوہمراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈو نکلے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ دکھا اور سر دھڑا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوہمراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوہمراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوہمراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے مکمل خاتمے کے بارے میں مطمئن اندھیرے میں تھے پھر ورا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ بک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے بک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو دوٹوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ بک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران بک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیلی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوہمراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیلی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوہمراج پر حملہ

Downloaded from https://paksociety.com

کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چھاپہ مار چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اغوا نہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے بے چینی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سنیل اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈیڑھ ہی گھنٹے گزرے تھے کہ اس کے ساتھی شام کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈیڑھ ہی گھنٹے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو ٹکے ہاہم برسر پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے نور اخیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہو گا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق بال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی نشانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی کا فون موصول ہوا اس کے گھر میں سوبھراج یا سنیل موجود تھا اور کچھ کاغذات کو نذر آتش کر رہا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 233 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''تم سکتے میں کیوں آ گئے؟ یہ کس کا فون تھا؟'' ویرا نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''تمہاری کالی زبان سے جو کچھ نکلا تھا وہ ہو کر ہی رہا'' میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا ''دوپہر کو تم نے شیبا کے نام سے دھوکا دے کر مجھے میرے کمرے سے باہر نکالنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت اسی کا فون آیا تھا۔''

''کیا کہہ رہی تھی وہ؟'' غزالہ نے بے ساختہ پوچھا۔

''کیا وہ واقعی کسی خطرے سے دوچار ہے؟'' غزالہ کی بات پوری ہوتے ہی ویرا نے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''اس کے بارے میں یہ فرضی بات تم نے کہی تھی؟'' میں نے تلخی سے اسے جتایا ''اس وقت وہ کوئی اور خبر سنا رہی تھی۔''

ویرا نہس دی اور قدرے بے بسی سے بولی ''کیا کہہ رہی تھی وہ؟''

''وہ آیا ہوا ہے اور بچن میں کاغذ جلا رہا ہے'' میں نے اسے بتایا۔

''کون..... وہاں کون آیا ہوا ہے؟'' اس ادھوری اطلاع کے نتیجے میں ویرا کے ذہن میں بھی وہی سوال ابھرا تھا جو میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

''اس نے جو کچھ بتایا' وہ میں نے دہرا دیا۔ یہ معمّا حل کرنا تمہارا کام ہے۔''

''سوبھراج یا سنیل..... ان دونوں میں سے کون وہاں ہو سکتا ہے؟'' سلطان شاہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

''ایک اس کا شوہر ہے اور دوسرا عاشق، ہو سکتا ہے کہ تخلیے سے فائدہ اٹھانے کے لیے سوبھراج چپکے سے وہاں پہنچ گیا ہو۔ آوارہ مردوں کے لیے کسی پسندیدہ عورت کی طلب بہت منہ زور ہوتی ہے۔ اپنی من پسند عورت کی رفاقت میں چند خوشگوار لمحے گزارنے کی لیے وہ سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔''

''سوبھراج ہوتا تو شیبا اس کی آغوش میں ہوتی' اسے فون کرنے کا موقع نہ ملتا'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''وہاں آنے والے کو ایک دل کش اور جوان عورت سے زیادہ کاغذوں کی تلفی سے دلچسپی ہے.....''

''کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ عاشق ہر لمحے اپنی معشوقہ پر فدا ہونے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ شوہر اپنی قابلِ رشک بیویوں کی طرف سے بھی اکثر بے رغبتی کا شکار ہونے لگتے ہیں'' ویرا نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

''ویرا!'' غزالہ نے تادیبی لہجے میں اسے مخاطب کیا ''تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ایک عورت کی زبان سے ایسی کھلی کھلی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔''

غزالہ کے اعتراض پر ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''کسی کے کچھ کہنے یا نہ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' حقائق اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں پھر کیوں نہ زندگی کی حقیقتوں کے

Downloaded from https://paksociety.com

بارے میں کھل کر بات کی جائے۔ اگر سوبھراج کے لیے عاشق کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے تو پھر اس کی معشوقہ کی بات کیوں نہ کی جائے؟''

''ضرور کرو!'' اس بار سلطان شاہ بول پڑا ''عشق کے لیے عاشق کی ایک طرح دار معشوقہ کا ہونا ضروری ہے۔ جب وہ دونوں ملتے ہیں تو بات بہت آگے تک چلی جاتی ہے۔ ڈینی نے سوبھراج کی آغوش کا ذکر کرکے بات کو ٹال دیا۔ تم اس بارے میں دل کھول کر تفصیل بیان کرسکتی ہو۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا ''ہم چاروں قانونی اصطلاح میں عاقل و بالغ ہیں۔ ایک نکتے سے ہر رمز کو سمجھ سکتے ہیں۔ دو چاہنے والوں کے وصل کے لمحوں کی لفظی تصویر کشی فحاشی کے زمرے میں آتی ہے۔ میں یہ الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ چاہو تو یہ کام تم کرسکتے ہو۔''

''میں بے تول بات نہیں کرتا'' سلطان شاہ نے چڑ کر جواب دیا ''میں پہلے تولتا ہوں پھر بولتا ہوں۔ یہ سبق میں نے ڈینی سے سیکھا ہے۔ ایسا نہ کیا جائے تو انسان کو اکثر اپنا تھوکا ہوا چاٹنا پڑ جاتا ہے۔''

''تم لوگ کس بحث میں الجھ گئے؟'' میں نے ترش لہجے میں انہیں ڈانٹا۔ ''میں شیبا کی فون کال کے بارے میں تم تینوں کی رائے جاننا چاہ رہا تھا۔''

''میں تمہارے اندازے سے متفق ہوں'' ویرا نے بلاتوقف جواب دیا ''وہاں آنے والا سوبھراج ہوتا تو وہ شیبا کے ساتھ بستر پر رنگ رلیوں میں مصروف ہوتا۔ شیبا کو تمہیں فون کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ شیبا کا فون آنے کا مطلب ہے کہ وہاں پہنچنے والا اس کا شوہر ہے جو گھر کی مرغی کو دال برابر تصور کرتا ہے' اس کی نظروں میں شیبا کے سنہرے وجود کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ جب چاہے اس سے کھیل سکتا ہے۔ اس کے لیے ان کاغذوں کی تلفی زیادہ اہم ہے جو اس کی گردن کٹوانے کا سبب بن سکتے ہیں.....''

''یہ بقراطی جھاڑ کر تم وقت برباد کررہی ہو'' سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر ترش لہجے میں کہا ''ہمارے لیے وہ دونوں اہم ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہاں آنے والا کون ہے۔ جو بھی ہے' اس پر ہاتھ ڈال دینا چاہئے۔ شیبا نے فون کرکے اپنا فرض پورا کردیا۔ ہم یہاں بیٹھے وقت ضائع کررہے ہیں۔''

سلطان شاہ کی وہ ناراضی بالکل بجا تھی۔ میں نے مزید کچھ کہے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''چاہو تو میرا تمہارا بدلہ بھی لے سکتی ہوں'' ویرا نے کہا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر جواب دیا ''تمہارا جانا مناسب نہیں ہوگا'' یہ کہہ کر میں نے سلطان شاہ پر اپنی نظریں مرکوز کردیں ''تم تیار ہوجاؤ۔ میں دو منٹ میں اپنے کمرے سے ہوکر آتا ہوں۔''

سنیل کے گھر آنے والا کوئی بھی رہا ہو' میں اس سے اکیلا نمٹ سکتا تھا لیکن بہتر یہی تھا کہ اس مہم پر کوئی اور بھی میرے ساتھ ہو۔ سنیل کے گھر میں اپنے حریف کا سامنا کرتے ہوئے یہ بات ہر حال میں طمانیت کا باعث ہوتی کہ باہر سلطان شاہ موجود تھا اور میری تیز تر واپسی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی تھی۔

چند منٹ بعد ہم دونوں سنیل کے گھر کی طرف روانہ ہوچکے تھے۔

''سولجر بازار کا نام تمہیں کچھ عجیب سا نہیں لگتا؟'' راستے میں سلطان شاہ نے قدرے پرخیال انداز میں مجھ سے کہا۔

میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے چونک کر لمحہ بھر کے لیے اس کے الفاظ پر غور کیا پھر علاوت سے پوچھا ''اس نام میں تمہیں کیا خرابی نظر آتی ہے۔''

''ہماری قومی زبان اردو ہے۔ سولجر انگریزی لفظ ہے۔ کیا ہمارے شہری قائد اس کا نام فوجی بازار نہیں رکھ سکتے تھے؟''

''وہ علاقہ آزادی کے بعد قائم ہوا ہوتا تو شاید اس کا نام یہی یا اس جیسا ہوتا'' میں نے ہنس کر کہا ''تم کمسن ہو اس لیے نادان بھی ہو۔ تمہاری عمر پاکستان کی عمر سے بہت کم ہے اس لیے تم ان باتوں سے ناواقف ہو۔''

اس وقت سلطان شاہ کا ذہن اس گرہ میں الجھ گیا تھا۔ ویسے بھی خاموشی سے سفر کرنے کے بجائے باتیں کرنا زیادہ بہتر تھا۔ میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق اسے شہر کے ماضی کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

پاکستان کے قیام کے وقت کراچی کوئی بڑا اور مشہور شہر نہیں تھا، نہ اس کی آبادی کروڑ سے متجاوز تھی۔ مختصر سی آبادی کے روزگار کا انحصار ماہی گیری اور تجارت پر تھا۔ آبی اور فضائی گزرگاہ پر واقع ہونے کی وجہ سے شہر کی اہمیت تھی اور اسی وجہ سے یہاں برطانوی افواج کی چھاؤنی قائم تھی۔

اپنے شہری اور فوجی عملے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے شہر میں بہت سے ترقیاتی کام کیے تھے جن میں بازاروں' مارکیٹوں اور تفریح گاہوں کا قیام شامل تھا۔ سولجر بازار' ایمپریس مارکیٹ' بولٹن مارکیٹ' فریئر ہال' میری ویدر ٹاور' نیو مارکیٹ اور سر جہانگیر کوٹھاری پریڈ وغیرہ اسی

Downloaded from https://paksociety.com

دور کی یادگاریں تھیں اور شہر کی سڑکوں پر بچھی ہوئی ٹرام وے لائن کی پٹریاں ان میں سے بیشتر مقامات کو ایک دوسرے سے ملاتی تھیں۔ صرف کلفٹن کی ساحلی تفریح گاہ ٹرام کی سہولت سے محروم تھی۔

''تم نے میری الجھن دور کردی'' سلطان شاہ وہ سب سن کر بولا ''شہر بلکہ ملک کی تھوڑی بہت تاریخ تو میں نے اسکول میں بھی پڑھی تھی لیکن یہ سولجر بازار میرے ذہن مین چبھ رہا تھا۔ اب بات بالکل صاف ہوگئی۔''

''سولجر بازار اور گرومندر اس زمانے میں شہر کی آخری حد ہوا کرتا تھا.....''

سلطان شاہ نے شوخ انداز میں میری بات اڑادی ''تم اتنے اعتماد سے یہ بات بتارہے ہو جیسے تم اس وقت موجود رہے ہو حالانکہ تمہاری عمر بھی پاکستان سے بہت کم ہے۔''

''یہ سنی اور پڑھی ہوئی باتیں ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد مہاجروں کی آمد کے نتیجے میں یہ شہر تینوں سمتوں میں بہت تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔ اور آج بھی روزگار کی تلاش میں ملک کے دوسرے حصوں سے آنے والوں کے لیے اس غریب پرور شہر کا دامن کشادہ ہے۔ تم اپنے شہر سے یہاں آئے ہو۔ میں لاہور میں ٹھوکریں کھانے کے بعد یہاں آیا تھا۔ آج یہ شہر ہم دونوں کی بہترین پناہ گاہ ہے۔''

''تم ویرا کو بھول گئے؟'' سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ امریکا سے ہجرت کرکے یہاں آئی ہے اور کراچی نے اسے اپنی گود میں لے لیا۔''

''کراچی کی مہمان نوازی کی تاریخ بہت قدیم اور وسیع ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں یورپ سے آنے والے ہزاروں مصیبت زدہ لوگوں کے قافلوں نے یہاں پناہ لی تھی جن میں سے بہتیرے ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ وہ امتدادِ زمانہ سے مرکھپ گئے لیکن ان کی اولادیں آج بھی اسی شہر میں کہیں رہ رہی ہوں گی۔''

''سنیل کے گھر میں داخل ہونے کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟'' جیل والے چوراہے سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔

''شیبا میرا انتظار کررہی ہوگی۔ وہاں داخل ہونے میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آنا چاہئے۔''

''اس نے سنیل کا دوست سمجھ کر تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔ تمہارے اندر پہنچنے کے بعد وہ تمہارے جارحانہ تیور دیکھے گی تو بوکھلا جائے گی.....''

''ایک بار گھر میں داخل ہوجانے کے بعد میرے لیے ان دونوں کو سنبھالنا مشکل نہیں ہوگا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''وہاں پہنچنے سے پہلے ہمیں اپنے لائحہ عمل کا کوئی نہ کوئی خاکہ بنالینا چاہئے'' اس نے دبے لفظوں میں مشورہ دیا۔

''سب کچھ سامنے کی بات ہے'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''میں اندر جاؤں گا۔ تم گاڑی کے ساتھ باہر رکے رہوگے۔ مجھے قوی امید ہے کہ میں اندر کے حالات پر قابو پالوں گا۔ احتیاط کے طور پر تمہیں یہ دھیان رکھنا ہوگا کہ وہاں سے کوئی نکل کر فرار نہ ہونے پائے۔''

''میری دلی دعا ہے کہ تم اندر والے کو زیر کرلو لیکن وہاں سے کوئی نکلتا ہوا نظر آ گیا تو مجھے کس حد تک جاکر اسے روکنا ہوگا۔''

''ہاتھ پیروں سے کام نہ چلے تو تم بے دریغ ہتھیار استعمال کرسکتے ہو۔ اس کے زندہ ہاتھ آنے میں ذرا بھی شبہ ہو تو بے فکر ہوکر اسے وہیں ڈھیر کردینا۔ اب سوبھراج اور سنیل کی جوڑی کو ٹوٹنا چاہئے۔ ان کی رسی بہت دراز ہوچکی ہے۔''

''میں یہی جاننا چاہ رہا تھا'' سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''بات بڑھ جانے کی صورت میں اب میں کھلے دل کے ساتھ معاملات سنبھال سکوں گا۔''

باتیں کرتے ہوئے ہم سولجر بازار میں مارکیٹ کے عقبی علاقے میں پہنچے تو ہر طرف اندھیرا پھیل چکا تھا اور اسٹریٹ لائٹس جل اٹھی تھیں۔

میں نے گاڑی سنیل کے گھر کے قریب روک دی اور الوداعی انداز میں سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر گاڑی سے اتر گیا۔

گھنٹی بجانے کے بجائے نیچے کا چوبی دروازہ کھول کر میں بیچوں کے بل مختصر سے زینے طے کرتا چلا گیا۔ دروازے پر دستک دینے کا ارادہ میں نے آخری لمحے پر ملتوی کردیا اور دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ دروازے کی خفیف سی جنبش محسوس کرتے ہی میں نے ہاتھ ہٹالیا۔ میرا دل خوش ہوگیا۔ واقعات سے ثابت ہورہا تھا کہ شیبا نے سنیل سے میری گہری دوستی کی کہانی کو پوری طرح قبول کرلیا تھا اور وہ میری مدد سے اپنے ناکارہ شوہر کو سوبھراج کے چنگل سے نکالنے کی خواہش مند تھی۔

اگر سنیل گھر آیا ہوا تھا تو شیبا کی دانست میں مجھے اس کو سمجھانا چاہئے تھا۔ سوبھراج وہاں تھا تو اس سے میرا تصادم ضروری تھا۔

وہ شیبا کی سوچ تھی۔ اس نے مجھے فون پر باخبر کرکے اپنا

Downloaded from https://paksociety.com

فرض پورا کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ مہیش اگروال اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کرے گا اور وقت ضائع کیے بغیر اس کے گھر آئے گا اسی لیے اس نے دروازہ اندر سے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

میں اس گھر میں شیبا کے ساتھ کچھ وقت گزار چکا تھا۔ میں نے اس گھر کا نقشہ اپنے ذہن میں تازہ کیا۔ اگر میرا حریف کچن میں ہی مصروف تھا تو اسے بیرونی دروازہ کھلتا ہوا نظر نہیں آ سکتا تھا۔

میں نے دروازے سے کان لگا کر اندر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن وہاں گہرے سناٹے کا راج معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں دعا مانگی کہ اس دروازے کے قبضے سخت اور زنگ آلود نہ ہوں۔ قبضوں سے پیدا ہونے والی کوئی بھی آواز اس وقت میرا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ مزید چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے پٹ پر دباؤ ڈالا اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر روانی سے اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

اس دوران میں' میں اپنی جیب سے پستول نکال چکا تھا۔ اپنے حریف کو دور سے خوف زدہ کرنے کے لیے کسی آتشیں ہتھیار کی نمائش ضروری تھی۔

میں نے دروازے کو صرف اتنا دھکیلا کہ میں گزر کر اندر داخل ہو سکوں۔ اگلے لمحے میں گھر میں داخل ہو چکا تھا جہاں جلے ہوئے کاغذوں کی تیز بو سے فضا بوجھل ہو رہی تھی۔

وہ قدیم طرز کی مضبوط پتھریلی عمارت کا اوپری حصہ تھا۔ فلیٹ نما گھر کی تعمیر بھی پرانے انداز میں کی گئی تھی۔ بیرونی دروازہ کسی راہ داری کے بجائے براہِ راست ایک کمرے میں کھلتا تھا۔ وہ کمرا روشن اور خالی تھا۔

میں احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ اندرونی دروازے تک پہنچتے ہی میرے کانوں میں سنیل کی دھیمی آواز آئی۔ وہ اپنی بیوی سے کوئی الوداعی بات کہہ رہا تھا۔

وہ آواز اندرونی کمرے کی طرف سے آئی تھی اور یہ واضح ہو گیا تھا کہ وہاں آنے والا سوبھراج نہیں تھا۔ وہ سنیل کا گھر تھا۔ یقینی طور پر وہاں کچھ اہم کاغذات موجود رہے تھے جنہیں تلف کرنے کے لیے وہ وہاں آیا تھا۔

راج محل ان لوگوں کی مجرمانہ سرگرمیوں اور سازشوں کا گڑھ رہا تھا۔ وہ نہ جانے کب سے ان سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ راج محل میں ان لوگوں کے کرتوتوں کے ثبوت چپے چپے پر پائے جا سکتے تھے۔ سوبھراج کو اپنے سیاسی مرتبے اور راز داری کی بنا پر یہ گھمنڈ تھا کہ قانون کے پاسبان کبھی بھول کر بھی اس کی حویلی پر بری نظر نہیں ڈال سکیں گے۔ اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے اس نے راج محل میں کبھی اپنی خفیہ چیزوں اور ریکارڈ کو یک جا رکھنے کی زحمت نہیں کی ہوگی۔ جب اچانک اس کی حویلی کا گھیراؤ ہوا تو سوبھراج کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان نازک لمحات میں ہر ثبوت کو یکجا کر کے تلف کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے خلاف کھلی شہادتوں کو ضائع کرنے کے لیے پورے راج محل کو آگ لگا دی اور خود وہاں سے فرار ہو گیا۔

راج محل میں موجود شہادتیں آگ کے بھیانک شعلوں کی نذر ہو چکی تھیں لیکن سنیل کے گھر میں کچھ نہ کچھ باقی رہ گیا تھا۔ چند روز کے انتظار کے بعد آخر کار سنیل بھی اس اہم ریکارڈ کے اتلاف کے لیے اپنے گھر آ پہنچا تھا۔

سب لوگوں سے ایک بڑی غلطی ہوئی تھی کہ بڑے مجرم' سوبھراج کے چکر میں سنیل کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اگر اس کے گھر کی نگرانی ہوتی رہتی تو قانون کا نفاذ کرنے والے ادارے آسانی سے اسے پکڑ سکتے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ شیبا نے اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اس بڑی غلطی کا ازالہ کر دیا تھا اور میں کامیابی کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

سنیل کے جواب میں گھر کی فضا میں شیبا کی منمناتی ہوئی' غیر واضح آواز گھر کی فضا میں گونجی اور میرے قدموں کی رفتار یکا یک تیز ہو گئی۔

چند لمحوں میں' میں ان کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ وہ دونوں بستر کے قریب کھڑے' ایک دوسرے سے ہم آغوش تھے۔

سنیل کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ اسے میری آمد کی ہوا بھی نہیں لگ سکی لیکن اس کے سینے سے لگی ہوئی شیبا کا چہرہ میری طرف تھا۔ جوں ہی اس نے مجھے دیکھا' اس کی آنکھیں تحیر زدہ انداز میں پھیلیں اور میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر نظر پڑتے ہی اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ آزاد ہو گئی۔

یوں محسوس ہوا جیسے شیبا کی چیخ سے سنیل کو برقی جھٹکا لگا ہو۔ اس نے شیبا کو زور سے جھٹک کر اپنے بدن سے الگ کیا اور پھرتی سے میری طرف گھوم گیا۔

وہ کمرے میں تھے۔ میں وہاں سے نکلنے کے اکلوتے راستے پر موجود تھا۔ وہ دونوں نہتے تھے' میں ہتھیار بند تھا۔ میں ان دونوں کے ڈرامائی ردِعمل سے بے نیاز' اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

''تت.....تم.....تم اندر کیسے آ گئے؟'' میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی سنیل کے منہ سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی ''اب یہاں سے تمہاری لاش ہی جائے گی۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''مہیش! یہ کیا ہو رہا ہے..... تت..... تم تو سنیل کے دوست ہو' تمہارے ہاتھ میں یہ پستول کیوں ہے..... بھگوان کے لیے اسے رکھ لو'' شیبا کے ہونٹوں سے ٹوٹے ہوئے الفاظ برآمد ہوئے۔ وہ دہشت زدہ ہوگئی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

میں کچھ نہ بولا۔ خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔

''مہیش!'' اپنی آوارہ بیوی کی زبان سے میرا اجنبی نام سن کر سنیل حیرت اور غصے سے غرایا ''کیا تیرا دماغ چل گیا ہے..... یہ..... یہ کرنل دلاور ہے۔''

''نہیں!'' اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی شیبا اضطراری انداز میں بول پڑی ''اس نے تو مجھے اپنا نام مہیش اگروال بتایا تھا..... کیا یہ تمہارا گہرا دوست نہیں ہے؟'' شیبا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

سنیل تیز وطرار ہونے کے ساتھ ذہین بھی تھا۔ شیبا کے کہے ہوئے آخری فقروں سے فوری طور پر صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ شیبا اس کی دسترس میں تھی۔ اچانک سنیل کا داہنا ہاتھ گردش میں آیا' پُرشور آواز کے ساتھ اس کا بھرپور تھپڑ شیبا کے بائیں رخسار پر پڑا اور وہ اپنا توازن کھو کر' لڑکھڑاتی ہوئی مسہری کے کنارے پر جا گری۔ اس کے حلق سے بے ساختہ ایک ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی تھی۔

''حرام زادی..... اُلّو کی پٹھی!'' سنیل اپنی بیوی پر برس رہا تھا ''تو میری آستین میں پلی ہوئی ناگن ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تو نے میرے دشمن کو اپنا یار بنایا ہوا ہے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا' فنا کردوں گا۔''

اس نے بڑھ کر شیبا کے کولہوں پر ٹھوکر رسید کی اور وہ بلبلاتی ہوئی مسہری پر چڑھ کر اپنے مشتعل شوہر سے دور سرکتی چلی گئی۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

میرے لیے زن وشوہر کی بے اعتمادی کا وہ تماشا خاصا دلچسپ تھا مگر میں اس تماشے میں اپنا زیادہ وقت برباد کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

''خبردار! اب حرکت کی تو میں گولی ماردوں گا'' میں نے نیچی مگر درشت آواز میں سنیل کو دھمکی دی۔

اس نے پلٹ کر خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ پستول کے سامنے وہ بالکل بے بس تھا۔

''تم بازی ہار چکے ہو'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''مجرم کتنا ہی چالاک اور بااثر کیوں نہ ہو' ایک نہ ایک دن اپنے انجام کو ضرور پہنچتا ہے۔''

''اسے ہار نہیں' دھوکا کہتے ہیں'' وہ غصے اور بے بسی سے بولا ''میری عورت کو چارہ بنا کر تم نے مجھے گھیرا ہے۔ دلیر دشمن اس طرح پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپتے' سامنے سے کھلا وار کرتے ہیں۔ مارتے ہیں یا پھر خود مر جاتے ہیں۔''

''جو شخص اپنی عزت اور ترقی کے لیے اپنی بیوی کو چارہ بناتا رہا ہو' اسے یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ شیبا کو تم نے سوبھراج کی گود میں ڈال کر گناہ کا جو بیج بویا تھا' آج اس کا پھل تمہارے سامنے ہے'' میں نے دھیرے دھیرے اس کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔

شیبا سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق سنیل کو سوبھراج کے ساتھ ائرپورٹ سے آتے ہوئے ہونے والے پہلے حملے میں تین گولیوں کے زخم آئے تھے۔ اس وقت میں نے غور سے اس کے بدن کا جائزہ لیا لیکن مجھے اس کے جسم کے کسی کھلے ہوئے حصے پر زخم یا جراحت کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ اس کے وہ زخم حیرت ناک سرعت سے مندمل ہو چکے تھے یا پھر اس کے کپڑوں نے جسم کے مجروح حصوں کی پردہ پوشی کی ہوئی تھی۔

''ہر بیوی اپنے دھرم پتی کی ملکیت ہوتی ہے'' اس نے نادم ہونے کے بجائے ڈھٹائی سے جواب دیا ''میری مرضی کہ میں اپنی بیوی کو جیسے چاہوں' استعمال کروں۔ اس سے اپنا بستر سجاؤں یا کبھی کبھی اسے اپنے کسی محسن کو دان کردوں' تم ہمارے بیچ میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو۔''

''تمہارا مذہب تمہیں یہ سکھاتا ہے یا یہ تمہارا خود ساختہ فلسفہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں تم سے تمہارے اور سوبھراج کے گٹھ جوڑ کا حساب ضرور لوں گا۔ اپنے گھر کا رخ کر کے آج تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔''

میں غیر محسوس انداز میں اس سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ میرے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی مہیب آہنی نال سنیل کی کھوپڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور میں انگوٹھے کی مدد سے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود انگوٹھی کے نگینے کو اپنی ہتھیلی کے رخ پر گھما چکا تھا۔

میں اس وقت سنیل کے سامنے پوری طرح بے خوف تھا۔ وہ قانون سے بھاگا ہوا ایک مستند مجرم تھا۔ اسے زیر کرتے ہوئے وہاں کوئی شور وغوغا ہوتا تب بھی کوئی نقصان نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ پولیس وہاں آجاتی اور دخل انداز ہو کر اسے اپنے ساتھ تھانے لے جاتی مگر میری کوشش یہ تھی کہ میں خاموشی سے اسے زیر کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں۔

Downloaded from https://paksociety.com

اپنا مدعا حاصل کرنے کے لیے اس سے وہاں مارکٹائی موزوں نہیں تھی۔ انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سیال کے سہارے اسے بے ہوش کرکے میں سہولت سے اپنا مقصد حاصل کرسکتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ سنیل باتوں کے جال میں الجھ کر میری غیر محسوس پیش قدمی سے بالکل بے خبر نظر آرہا تھا۔

''میں گیا گزرا نہیں ہوں'' وہ کہہ رہا تھا ''تم مجھے مار سکتے ہو لیکن زندہ نہیں پکڑ سکتے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہمیشہ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ جس کے لیے مجھے تنخواہ ملتی تھی۔ اگر مجھ سے کوئی غلط کام ہوا بھی ہے تو تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس کو راج صاحب سے اس کا حساب لینا چاہئے۔ میں بے قصور ہوں۔''

اس دوران میں شیبا مسہری کے آخری گوشے پر سکڑی سمٹی' خوف زدہ نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اعصابی طور پر مفلوج ہوچکی تھی اور ہمارے مقابلے میں کوئی موثر کردار ادا نہیں کرسکتی تھی۔

''تمہیں شہر میں ہونے والی دہشت گردی کے ساتھ را اور بلیک کیٹس سے رابطوں کا حساب بھی دینا ہوگا۔ ان جرائم میں تم سوبھراج کے برابر کے شریک تھے'' میں نے کہا۔

میں اپنے ہدف کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھولا مگر میں نے اسی لمحے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کے داہنے گال پر ایک نیا تلا' ہلکا سا تھپڑ رسید کردیا۔ تھپڑ کے دباؤ کے نتیجے میں کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے ذریعے سیال کا اخراج ہوا اور وہ سنیل کے رخسار سے اس کے دوران خون میں داخل ہوگیا۔

سنیل کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ کھڑے کھڑے اس کے بدن کو ایک تیز جھٹکا لگا اور وہ کسی کٹے ہوئے بے جان شہتیر کی طرح فرشی قالین پر ڈھیر ہوگیا۔

''کیا ہوا..... کیا تم نے اسے مار ڈالا؟'' شیبا دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام کر مسہری پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ اس کی سرسراتی ہوئی آواز میں خوف و دہشت کے سائے لرزاں تھے۔

''ہوش میں رہو!'' میں شیبا پر آنکھیں نکال کر غرایا ''یہ مرا نہیں' صرف بے ہوش ہوا ہے۔ نیچے آؤ اور اسے اٹھانے میں میری مدد کرو'' میں نے ٹریگر لاک کرکے پستول اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکا دیا ہے'' وہ مسہری سے اتر کر رو دینے والی آواز میں منمنانے لگی ''تم جیش اگروال ہو اور نہ سنیل کے دوست ہو۔ میں تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں نہ آتی تو آج مجھے یہ برا وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ پتا نہیں اب تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟''

میرے لیے وہ بے سود باتیں تھیں۔ شیبا کو اس واقعے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا پورا حق حاصل تھا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت میری نگاہ آخری نتیجے پر تھی۔ میرا خیال تھا کہ سنیل کو آسانی سے زیر کرکے میں نے سوبھراج کی کمر توڑ دی تھی۔

''اب تم اسے کہاں لے جاؤ گے؟'' شیبا نے میرے قریب پہنچ کر خوف زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''میں اسے اپنے مہمان خانے میں لے جاؤں گا'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر درشت لہجے میں کہا اور یکا یک اپنے بائیں ہاتھ سے اس کی برہنہ گردن دبوچ لی۔

میرا ہاتھ بڑھتا ہوا دیکھ کر شیبا ڈر گئی کہ شاید میں اس کا گلا گھونٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کا خوف لمحہ بھر سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکا۔ انگوٹھی کے نگینے میں موجود زہر اپنے جسم میں پہنچتے ہی وہ ہر فکر سے آزاد ہوکر قالین پر اپنے شوہر کے قریب ڈھیر ہوگئی۔

ان دونوں پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈال کر میں اس کمرے سے نکل آیا۔ سب سے پہلے میں نے کچن کا رخ کیا۔ وہاں ہر طرف جلے ہوئے کاغذوں کی راکھ پھیلی ہوئی تھی۔ کاغذوں کے اتلاف کے لیے سنیل نے کسی دھاتی بالٹی وغیرہ کے بجائے براہِ راست چولھے کا انتخاب کیا تھا۔ جس پر جلے ہوئے کاغذوں کی آخری پرت دار راکھ جوں کی توں موجود تھی۔

وہ چار کمروں پر مشتمل مکان تھا۔ اس کے ایک کمرے کی الماری اور درازیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان میں رکھا ہوا بیشتر سامان فرش پر بکھرا ہوا تھا جس میں بہت سی رنگین تصاویر بھی شامل تھیں۔ صاف نظر آرہا تھا کہ سنیل نے اپنے گھر آتے ہی اس الماری اور درازوں میں چھپائے ہوئے سارے کاغذات کی تلاش شروع کی تھی اور پھر انہیں یک جا کرکے کچن کے چولھے پر گیس کے شعلوں پر خاکستر کردیا تھا۔

راکھ کی کثرت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ جلائے جانے والے کاغذوں کی تعداد کم نہیں ہوگی۔ انہیں کسی بالٹی وغیرہ میں جلانے کی صورت میں یہ اندیشہ باقی رہتا کہ دھوئیں کی گھٹن کی وجہ سے آگ بعض کاغذوں تک نہ پہنچ پاتی اور وہ جلنے سے محفوظ رہ جاتے۔

نذرِ آتش کیے جانے والے کاغذوں کی اہمیت اپنی جگہ

Downloaded from https://paksociety.com

پر مسلّمہ تھی۔ سنیل نے وہ کام جس اطمینان سے سرانجام دیا تھا' اس کے بعد یہ توقع عبث تھی کہ گھر کی تلاشی لے کر کوئی کارآمد کاغذ تلاش کرنے میں کامیابی ہو سکے گی۔

پورے گھر کا سرسری جائزہ لینے کے بعد میں دوبارہ اس خواب گاہ میں پہنچا جہاں میرا شکار اپنی بیوی کے ساتھ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

سنیل صحت مند آدمی تھا۔ میں نے جھک کر اس کے بدن کا وزن اپنے ہاتھوں پر تولا' اس کی گردن اور کمر کے نیچے ہاتھ ڈالے اور پھر ایک ہی جھٹکے میں اس کے بے حس و حرکت وجود کو اپنے کندھے پر لاد لیا۔

شیبا' سوبھراج جیسے عیاش طبع اور رنگین مزاج آدمی کے لیے بیش بہا مالِ غنیمت ہو سکتی تھی' میرے لیے بالکل ناکارہ بوجھ تھی۔ اسے وہیں چھوڑ کر میں کمرے سے نکل گیا۔

بیرونی دروازے سے نکل کر میں لمحہ بھر کے لیے رکا۔ شاید سلطان شاہ نچلے دروازے سے اندر گھس کر چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی کمین گاہ سے میری ٹانگیں دیکھ لیں' ہو سکتا ہے کہ اسے میرے کندھے پر لدے ہوئے انسانی وجود کا کوئی حصہ بھی نظر آ گیا ہو۔ وہ بچوں کے بل' بہت تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آ گیا۔

سلطان شاہ کی وہ مستعدی اور فرض شناسی میرے لیے ہمیشہ قابلِ رشک رہی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا۔

وہ میرا بہت لحاظ کرتا تھا۔ اس نے میرا بوجھ اپنے شانے پر منتقل کرنا چاہا لیکن ایسی کسی کوشش کے نتیجے میں سنیل کے نیچے لڑھک جانے کا خطرہ تھا۔ میں نے سرگوشیانہ آواز میں سختی سے انکار کر دیا اور اسے نیچے جا کر گاڑی دروازے کے ساتھ لگانے کی ہدایت کی۔

وہ چلا گیا۔ میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سنبھل کر نیچے اترنا شروع کر دیا۔ میں نیچے پہنچا تو گاڑی دروازے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کا جان دار انجن بہت دھیمی آواز سے چل رہا تھا اور سلطان شاہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولے میرا انتظار کر رہا تھا۔

میں نے وہاں پہنچتے ہی سنیل کے بے ہوش وجود کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

شہر کی مہنگی اور متمول بستیوں کی گلیوں میں اور سڑکوں پر پائے جانے والے سناٹے کو ان علاقوں کے مکین سکون کا نام دیتے ہیں لیکن مجھے ہمیشہ سے وہ ویرانی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ کسی کا پتا معلوم کرنا ہو تو دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آتا۔ گھر برابر میں ہو تو پڑوسی فلسفیانہ غور و فکر کے بعد کہیں بہت دور بھٹکا دیتے ہیں' کسی کو کچھ علم نہیں ہوتا کہ اڑوس پڑوس میں کون رہ رہا ہے' برابر والے گھر کا کیا نمبر ہے۔ باہر نظر آنے والے اِکّا دُکّا چوکیدار اور گھریلو ملازم اس بارے میں معصوم اور بے خبر ہوتے ہیں۔ کم علم ہوتے ہیں اور مالکوں کے بے جا عتاب کا نشانہ بن کر آئے دن ملازمتیں بدلتے رہتے ہیں۔ اپنی دلی خواہش کے باوجود کسی بھٹکے ہوئے اجنبی کی رہ نمائی کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

سولجر بازار کا وہ رہائشی علاقہ بھی اسی طرح پرسکون یا ویران تھا۔ دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ آوارہ کتوں اور بلیوں کو قریبی مارکیٹ سے اپنی خوراک وافر مقدار میں مل جاتی تھی۔ وہ شاید مستقل طور پر اپنے اسی ٹھکانے کی چار دیواری میں پڑاؤ ڈالے رہتے تھے۔

اس سناٹے کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم نے اپنی کارروائی اطمینان سے مکمل کی اور گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چل سکا' اس علاقے میں انہوا کی ایک واردات رونما ہو چکی تھی۔

گھر سے وہاں آتے ہوئے گاڑی میں نے چلائی تھی' واپسی میں وہ ذمے داری سلطان شاہ نے رضاکارانہ طور پر اپنے سر لے لی تھی۔

''تم اسے اٹھا تو لائے ہو لیکن اب اسے کہاں لے جانا ہے؟'' سنیل کے گھر سے کچھ دور' کھلی سڑک پر نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

''اسے اسٹیشن فورہی راس آ سکے گا۔ یہ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''وہاں پوری آزادی کے ساتھ اس کی خاطر تواضع کی جا سکے گی۔''

''لمبا چکر لگانے کے بجائے گھر کی طرف سے ہو کر نکلنا بہتر رہے گا۔ یونیورسٹی روڈ کے راستے سے اسٹیشن فور قریب پڑے گا۔''

''جدھر سے چاہو' چلے چلو۔ پتا نہیں اول خان کل سے کہاں غائب ہے۔ پہلے میں اس کی خیر خبر لے لوں۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اس کے لیے ایک مہمان لے کر آ رہے ہیں۔''

سلطان شاہ کو جواب دے کر میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔

رابطہ ہوتے ہی فون پر ریکارڈنگ چل پڑی۔ ایک نسوانی آواز بتا رہی تھی کہ اس وقت میرا مطلوبہ موبائل بند تھا۔

وہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ اول خان اپنے فرائض منصبی کی اہم نوعیت کی وجہ سے دن رات اپنا موبائل فون کھلا رکھتا تھا

Downloaded from https://paksociety.com

تاکہ اپنے آدمیوں سے ہر وقت رابطے میں رہ سکے۔ میں نے یکے بعد دیگرے تین مرتبہ کوشش کی اور ہر بار وہی ریکارڈنگ سنائی دی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

میں نے موبائل فون پر تیزی سے اول خان کے دفتر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ایک نامانوس آواز میں ہیلو کا لفظ سنائی دیا۔

مجھے مان تھا کہ اول خان کے دفتر سے وابستہ بیشتر اہل کار فون پر میری آواز پہچاننے لگے تھے اور کسی رسمی شناخت کے بغیر کھل کر مجھ سے بات کرتے تھے لیکن ہیلو کہنے والے کی آواز میں کچھ عجیب سی اجنبیت تھی' جس نے مجھے بے آرام کر دیا۔

''میں ڈینی بول رہا ہوں۔ اول خان کہاں ہے؟'' میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنا پیشگی تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''وہ موجود نہیں ہے سر!'' بولنے والے کے لہجے کی اجنبیت میں سرمو فرق نہیں آیا۔

''اس کا موبائل فون بند ہے' مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔ وہ اس وقت کہاں مل سکے گا؟'' میں نے قدرے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا'' آواز بالکل سپاٹ تھی۔

ایس ٹی ایف کے کسی رکن کی طرف سے ایسا سرد مہرانہ رویہ میرے لیے صدمے کا باعث تھا۔ وہ میرا نام جان لینے کے باوجود اپنے خول سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا جبکہ پچھلی شام تک اسپیشل ٹاسک فورس کا ہر ملازم میرے ایک اشارے پر اپنا سر بھی کٹوانے کے لیے تیار رہتا تھا۔

وہ ایک غیر معمولی بلکہ انہونی سی بات تھی۔ میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ اسی لمحے مجھے اندیشہ ہوا کہیں سوبھراج کا کوئی داؤ کامیاب نہ ہو گیا ہو۔ اخباری سرخیوں کا عنوان بننے تک وہ بہت اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس کی ذات سے سیاسی فائدے حاصل کرنے والے شاید اس کا کریہہ کردار سامنے آجانے کے باوجود اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی رکھتے تھے اور پس پردہ رہ کر سوبھراج کی مدد کے لیے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔

غالب امکان یہ تھا کہ سوبھراج کی شکایت پر اول خان کو فوری طور پر معزول یا معطل کر دیا گیا ہو۔ کافی دنوں پہلے امریکی دباؤ پر اسے کراچی سے بھیجا جا چکا تھا۔ اس کے دفتری فون پر موجود شخص کے سرد انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ڈینی اور اول خان سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے ناواقف ہو۔'' میں نے آخری کوشش کے طور پر مجروح لہجے میں اس سے شکوہ کیا ''میرا نام.....''

''سر! آپ کا نام میرے لیے نیا نہیں ہے میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔'' اس بار اس کا لہجہ احترام آمیز ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں میرا اندرونی ابال کسی حد تک ٹھنڈا ہو گیا۔

''مگر میں مجبور ہوں۔ آپ کے نام سے کوئی بھی فون کر سکتا ہے شناختی کوڈ کے بغیر میں آپ کو کچھ بتانے کا مجاز نہیں ہوں۔'' اس نے اپنی بات پوری کر لی۔

''ڈیلٹا تھری ڈی زیرو سیون!'' میں نے لمحے بھر کے توقف کے بعد وہ کوڈ دہرایا جو اول خان نے ایسے کسی آڑے وقت کے لیے مجھے بتایا ہوا تھا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا' لائن پر سکوت چھایا رہا۔ کسی بھی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک وقت میں بہت سے پاس ورڈ زیاد رکھ سکے۔ وہ یقینی طور پر اپنی کوڈ بک میں میرا نام تلاش کر رہا تھا۔

چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میرے کانوں میں اس کی معذرت خواہانہ آواز آئی۔ ''کل شام سے باس کراچی آئے ہوئے ہیں۔ اول خان ان ہی کے ساتھ مصروف ہیں اسی وجہ سے ان کا موبائل فون بند ہے۔''

اسپیشل ٹاسک فورس کے سربراہ کی کراچی آمد کی خبر سن کر میں چونک پڑا اور بے اختیار میرے ذہن میں گیری کی وہ دھمکیاں ابھر آئیں جو اس نے ایس ٹی ایف کے خاتمے کے بارے میں دی تھیں۔

''باس کراچی کیوں آئے ہیں؟'' میں اپنے اس بے ساختہ سوال کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

''مجھے نہیں معلوم'' اس بار اس کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا' نچلے درجے کا آدمی تھا۔ اسے یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کی فورس کا سربراہ کراچی میں کس مشن پر آیا تھا۔

''اس وقت ایک بہت اہم قیدی میری تحویل میں ہے'' میں نے اسے بتایا ''میں اسے لے کر سیدھا اسٹیشن فور پہنچ رہا ہوں۔ وہ وہیں زیر تفتیش رہے گا۔''

اس نے میری قطع کلامی نہیں کی' تحمل سے میری پوری بات سنی پھر کہا ''سوری سر! اس وقت کسی قیدی کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''مگر یہ بہت اہم اور ضروری ہے۔ وہ سوبھراج کا دست راست ہے'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اصرار کیا۔

''اسٹیشن فور پر باہر کے آدمیوں کی آمد و رفت کل شام سے معطل ہے' سارے آپریشن روک دیے گئے ہیں۔ فیلڈز سے سارا اسٹاف واپس بلالیا گیا ہے۔ اگلی ہدایت ملنے تک یہ صورت حال اسی طرح برقرار رہے گی۔ میں کچھ نہیں کرسکتا۔''

وہ بہت بری اور خطرناک خبر تھی۔ اسپیشل ٹاسک فورس کا یوں اچانک مفلوج ہوجانا میرے لیے بہت زیادہ تشویش ناک تھا۔ اس اطلاع سے یہ پتا چل گیا تھا کہ اول خان پچھلی شام سے بلاوجہ غائب نہیں تھا۔ وہ اپنے سنگین مسائل میں الجھا ہوا تھا۔

''مجھے تمہاری پوزیشن کا اندازہ ہے۔'' میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''اول خان سے تمہارا کوئی رابطہ ہو تو اسے میرا یہ پیغام دے دینا کہ وہ چند لمحوں کے لیے مجھ سے بات کرلے۔ تمہاری سنائی ہوئی خبروں نے میرا دماغ ماؤف کردیا ہے۔''

اس نے مستعدی سے یس سر کہہ کر فون بند کردیا۔

''اب یہ ہمارے گلے پڑ گیا ہے۔ اسے گھر ہی لے جانا ہوگا۔'' میں نے فون بند کر کے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ''ایس ٹی ایف کے دروازے بند ہوچکے ہیں۔''

وہ میری باتیں سن کر پریشان ہوگیا تھا لیکن اسے معاملات کی سنگینی کا پورا ادراک نہیں ہوسکا تھا۔

''اسٹیشن فور جانے میں کیا رکاوٹ درپیش ہے؟'' اس نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ایس ٹی ایف کا باس کل شام سے کراچی میں ہے' پوری فورس کو فیلڈ سے واپس بلا کر اسٹیشن فور میں گراؤنڈ کردیا گیا ہے۔ آپریشنز معطل کردیے گئے ہیں۔ ادھر کا رخ کیا تو ہمیں اندر داخلے کی اجازت نہیں ملے گی۔''

''یہ تو اسپیشل ٹاسک فورس کا بستر بوریا گول ہونے کی علامات ہیں!'' وہ پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا ''ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔''

''مایوسی کفر ہے'' میں نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی ''میں قبل از وقت نتائج اخذ کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ قدم ملک کے اقتدار اعلیٰ کے حکم پر اٹھایا گیا ہے یا ایس ٹی ایف کے باس نے اپنے طور پر کوئی فوری فیصلہ کیا ہے۔''

''سبب کوئی بھی ہو' آثار اچھے نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گیری کی ایک ہی دھمکی نے ان کو بری طرح اکھاڑ کر رکھ دیا ہے۔''

''چرچل کے الفاظ میں مصلحت آمیز پسپائی بھی فتح سے کم نہیں ہوتی۔ میری دلی آرزو ہے کہ یہ تعطل عارضی ثابت ہو۔''

''تم اسے اٹھا تو لائے ہو لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ کون ہے۔'' سلطان شاہ نے شکایت کی۔

''سوبھراج کی تصویریں ملک بھر کے اخباروں میں چھپی ہیں کیا یہ تمہیں اس سے مختلف نظر نہیں آیا؟'' میں نے رکھائی سے پوچھا۔

''اس کا چہرہ تمہاری پشت پر تھا۔ اندھیرے میں مجھے کیا نظر آتا!''

''یہ سنیل ہے۔ کاغذات تلف کرنے کے لیے اپنے گھر آیا تھا اور دھر لیا گیا ہے۔ پورے کچن میں' جلے ہوئے کاغذوں کی راکھ بکھری ہوئی ہے۔''

''اور اس کی بیوی کہاں ہے؟'' سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔

''وہ اپنی خواب گاہ میں بے ہوش پڑی ہوئی ہے اس پر طبع آزمائی کا ارادہ ہو تو ابھی واپس چل کر اسے اٹھا لاتے ہیں۔ خاصی خوبصورت اور گداز عورت ہے۔''

''لعنت ہے اس کی صورت پر۔ اس نازک وقت میں بھی تمہیں واہیات باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' وہ میری بات کا برا مناکر بولا ''میں نے تو روانی میں ویسے ہی اس کے بارے میں پوچھ لیا تھا ورنہ مجھے اس سے کیا لینا ہے۔''

''حالات کو فوری طور پر تبدیل کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے پھر کیوں نہ اپنا وقت ہنس بول کر گزاریں۔ دیکھنا ہوگا کہ یہ ہوش میں آکر کتنی سخت جانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

''تم نے اسے پکڑ کر بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے لیکن اس کے ستارے اچھے ہیں کہ آج اسٹیشن فور کے دروازے بند ہیں۔ اپنے گھر لے جاکر ہم اس کی اچھی طرح مزاج پرسی نہیں کرسکیں گے۔ اس کی وحشیانہ چیخ پکار پورے محلے کو ہلا کر رکھ دے گی۔''

''محلے والے ویسے بھی ہم لوگوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں'' میں ہنس کر رہ گیا۔

ہم نے مزید کچھ فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ اس دوران میں میرے ذہن میں مسلسل ایک کھچڑی سی پکتی رہی۔ پھر اچانک مجھے صدف مینشن کا نام یاد آگیا۔ وہ ہمارے قیدی کے لیے ایک بہترین متبادل ٹھکانا ہوسکتا تھا۔

سنیل کو ہم اسٹیشن فور پر غیر معینہ مدت تک اپنا قیدی رکھ

Downloaded from https://paksociety.com

سکتے تھے اور اس سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں اپنی مرضی سے کام آگے بڑھا سکتے تھے جب کہ صدف مینشن جانے کے بعد ہم ان آزادیوں سے محروم ہو جاتے۔

صدف مینشن میں وہ زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کے لیے میری تحویل میں رہ سکتا تھا۔ جوں ہی یہ خبر پھلتی کہ سوبھراج کا دستِ راست اس آسیبی عمارت کا قیدی بن چکا تھا' آئی بی کے اعلیٰ حکام فوری طور پر صدف مینشن پہنچ کر معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔

جلال پچھلی رات کراچی سے اسلام آباد جا چکا تھا۔ وہاں بیٹھ کر وہ میری زیادہ مدد نہیں کر سکتا تھا۔ سہیل کے ساتھ وہی کچھ ہوتا جو ضابطوں کی رو سے روا ہوتا۔

مجھے معلوم تھا کہ آئی بی میں ہر مرحلے پر ضابطوں کی مکمل پاس داری کی جاتی تھی۔ صرف کہنے اور ڈھیٹ مجرموں سے باز پرس بلکہ قانونی اصطلاح میں تفتیش کے لیے ان ضابطوں کو کسی حد تک نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔

سہیل کو ہم ویسے بھی زیادہ مدت تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ اچھی طرح نچوڑ لینے کے بعد آخر کار اسے پولیس یا ٹیلی جنس بیورو والوں کے ہی حوالے کیا جانا تھا کیونکہ وہ آئینی ادارے اسے عدالت کے کٹہرے میں لے جانے کے مجاز تھے۔

اس نشیب و فراز پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو فوری طور پر گاڑی موڑنے کی ہدایت کی تو وہ حیران رہ گیا۔

''برخوردار! یہ ضروری ہے!'' میں نے اس کے استفسار پر کہا ''اسٹیشن فور اور صدف مینشن کی سمتیں مختلف ہیں.....''

''دیری گڈ!'' اس نے اپنی بھرپور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔'' میں نے وہ سرکاری قید خانہ نہیں دیکھا لیکن تم سے اس کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ سہیل کے حواس ٹھکانے پر لانے کے لیے کافی ہوگا۔''

سڑک کی وسطی پٹی میں پہلا راستہ نظر آتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی واپس گھمالی۔

''صدف مینشن میں مجھے اپنے ہاتھ سینکنے کا موقع مل جائے گا۔'' اس نے گاڑی سیدھی کرنے کے بعد چند ثانیوں کے لیے اسٹیئرنگ چھوڑا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے مسرت سے کہا۔

''اس بھول میں نہ رہنا'' میں نے فوری طور پر اس کی تصحیح کی ''وہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری سفارش کے باوجود تمہیں اندر جانے کی اجازت نہ ملے۔ میرے بارے میں جلال نے وہاں کے محافظوں کو... خصوصی ہدایات دی ہوئی ہیں۔''

''یہ بھی غنیمت ہے۔ میری طرف سے تم ہی دو چار ہاتھ جھاڑ دینا۔''

ہم دوبارہ سولجر بازار کی مرکزی سڑک سے گزرتے ہوئے' چڑیا گھر کے مین گیٹ کے سامنے نشتر روڈ پر جا نکلے۔ وہاں سے شوماکیٹ زیادہ دور نہیں تھی۔ مجھے منزل کے بارے میں سلطان شاہ کو کچھ نہیں بتانا پڑا۔ قدیم طرز کی بلند و بالا اور مہیب عمارت کو نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ اس نے گاڑی صدف مینشن کے سامنے روک دی۔

صدف مینشن کے قرب و جوار میں اسٹریٹ لائٹس غائب تھیں۔ عمارت کی اونچی دیواروں پر کم طاقت کے دو بلب ٹمٹما رہے تھے۔ قمقموں پر جمنے والے گرد و غبار کی وجہ سے ان کی روشنی قابلِ رحم حد تک ناکافی تھی جو نیچے تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

میں نے دیو ہیکل چوبی دروازے کی ذیلی کھڑکی کا کنڈا مخصوص انداز میں بجایا اور وہ کھڑکی فوراً کھل گئی۔

میں مختلف اوقات میں کئی بار وہاں آ چکا تھا۔ اس لیے شفٹوں میں اپنے فرائض انجام دینے والے کم و بیش سب محافظ مجھے پہچانتے تھے۔ کھڑکی کھولنے والے نے ادب سے مجھے سلام کیا۔

''گاڑی میں ایک بے ہوش قیدی اور دوسرا میرا ساتھی ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''قیدی کو ہم ابھی اندر لے آتے ہیں' ساتھی کے لیے میں معافی چاہتا ہوں آپ کے سوا کوئی اندر نہیں آ سکتا۔ جلال صاحب اجازت دے دیں تو اور بات ہے۔''

''تم قیدی کو اندر لانے کا بندوبست کرو۔'' میں یہ کہہ کر گاڑی کی طرف لوٹ گیا۔

سلطان شاہ کو میں نے راستے میں ہی ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔ اپنی واپسی کے بارے میں جان کر اسے کوئی صدمہ نہیں ہوا۔

صدف مینشن اس علاقے میں ایک پر اسرار آسیبی عمارت کی شہرت رکھتی تھی۔ پیدل چلنے والے اس کے سایے تک سے بچ کر گزرتے تھے۔ اس وقت بھی دوسری طرف کی فٹ پاتھ پر لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی لیکن ہماری طرف کوئی نہیں تھا۔

بعد میں مجھے پتا چلا کہ آئی بی کے دو مخبر اس فٹ پاتھ کے دونوں سروں پر دن رات براجمان رہتے تھے اور آنے جانے

Downloaded from https://paksociety.com

والوں کو بڑے بڑے پتھروں سے دھمکاتے رہتے تھے۔ کچھ عرصے کے اس معمول کے بعد وہ فٹ پاتھ عملی طور پر بالکل ویران ہوگئی۔ آسیبی عمارت کے خوف اور دونوں مجذوبوں کی دہشت کے سبب لوگوں نے ادھر سے گزرنا چھوڑ دیا۔ مجذوب پرسکون ہوگئے لیکن انہوں نے اپنے ٹھکانے نہیں چھوڑے تھے لوگ بدستور ان سے ڈرتے تھے۔

میں سلطان شاہ کو اس کی واپسی کے بارے میں بریف کررہی رہا تھا کہ اندر سے پیرامیڈیکل اسٹاف جیسے سفید براق کپڑوں میں ملبوس دو تنومند آدمی ایک اسٹریچر لیے نمودار ہوئے انہوں نے آتے ہی سنیل کو ایک سفید چادر میں لپیٹ کر یوں تیزی سے اسٹریچر پر منتقل کیا جیسے اس عمل میں ذرا سی تاخیر بھی ان کے مریض کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہو۔

''تم جاؤ۔ میں فارغ ہوکر ٹیکسی سے گھر لوٹ آؤں گا''

میں نے عجلت میں سلطان شاہ سے کہا اور سنیل کو لے جانے والوں کے تعاقب میں تقریباً دوڑتا ہوا صدف مینشن کی نیم تاریک اور وحشت ناک عمارت میں داخل ہوگیا جہاں تاریک ترکونوں کھدروں میں الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑیں ٹرچ ٹرچ کی منحوس آوازیں نکال کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھیں۔

بڑے چوبی دروازے کی ذیلی کھڑکی بند کردی گئی تھی۔ اسٹریچر لانے والے میری نئی ہدایت کے منتظر تھے۔

صدف مینشن کی اوپری منزل پر بنی ہوئی کوٹھڑیاں زیادہ خوف آور تھیں لیکن میں نے سنیل کے لیے نچلی منزل کو ترجیح دی۔ میں نے دونوں آدمیوں کو اسے ہوش میں لانے کی ہدایت کی اور گوشے میں بنے ہوئے دفتر کی طرف چلا گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ صدف مینشن میں کبھی بھی عملے کی کثرت نہیں ہوتی۔ وہاں گنے چنے آدمی ہوتے تھے جو ضرورت پر ہر کام کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔

مجھے اس کمرے میں بیٹھے ہوئے چند منٹ گزرے تھے کہ ایک سفید پوش میرے لیے چائے کی پیالی لیے نمودار ہوا۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ یخ بستہ پانی کے چھڑکاؤ اور چند اعصابی جھٹکوں کے نتیجے میں سنیل نے ہلنا جلنا شروع کردیا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر چائے نوشی شروع کردی۔

لائبریری نما دفتر میں بیٹھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کمرا بھی صدف مینشن کا ہی ایک حصہ ہے۔ صرف باہر سے آنے والی آوازیں دفتر کی پرسکون فضا کو مکدر کرسکتی تھیں اور اس وقت وہ مفقود تھیں۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد سنیل کے ہوش میں آنے کی اطلاع ملی اور میں اٹھ کر نچلی منزل کے اس تنگ کمرے کی طرف ہولیا جہاں اسے رکھا گیا تھا۔

تنگ اور ناکافی روشنی والے اس سیل میں سنیل گندے اور گیلے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ فوری طور پر اس کے ہاتھ پیر باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔

''تم مجھے کہاں لے آئے ہو..... یہ کون سی جگہ ہے؟''

میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی سنیل نے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز میں سوال کیا۔

''سوال مت کرو!'' میں نے اس کے ایک ٹخنے پر زور دار ٹھوکر رسید کرکے بے رحمانہ غراہٹ کے ساتھ کہا ''جو پوچھا جائے، اس کا سیدھا اور سچا جواب دو!''

ضرب نازک مقام پہ آئی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی بے ساختہ چیخ نہ روک سکا۔

''تم اچھا نہیں کررہے۔ اپنی حرکتوں کے لیے تم کو جواب دہ ہونا پڑے گا'' صدف مینشن کے اندرونی ماحول سے خوف زدہ ہونے کے باوجود اس کا حوصلہ باقی تھا۔

''تمہارے دماغ میں ابھی تک سوبھراج کی برتری کا خناس گھسا ہوا ہے۔'' میں نے نفرت سے کہا ''آج وہ کسی خارش زدہ چوہے کی طرح کسی بل میں گھسا ہوا ہے۔ اس کا بھرم ٹوٹ چکا ہے۔ ایک مجرم تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔''

''تم قانون کے رکھوالے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجرموں کے ساتھ بھی تم ایسا غیر قانونی سلوک نہیں کرسکتے۔ میں ملزم ہوں، جب تک میرے خلاف عدالت اپنا فیصلہ نہ سنا دے، مجھے مجرم نہیں کہا جاسکتا۔'' اس نے کہنیوں کے بل فرش سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے قانون پڑھانے کی کوشش مت کرو، یہ بتاؤ کہ سوبھراج کہاں چھپا ہوا ہے۔'' میں نے اسے دوبارہ گرانے کی کوشش کیے بغیر پوچھا۔

میری چشم پوشی سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا ''مجھے نہیں معلوم، راج محل میں آگ لگنے کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔''

''تم جھوٹے ہو۔ تم دونوں وہاں سے ایک ساتھ نکلے تھے۔''

''ہمت ہے تو خود اسے تلاش کرلو، میں کچھ نہیں جانتا۔''

میں نے محسوس کیا کہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کا حوصلہ بڑھتا جارہا تھا۔

فرش بہت بری طرح گیلا تھا، سنیل بھی سر سے پیر تک پانی میں شرابور تھا۔ اسے سبق سکھانے کے چکر میں میرا لباس

Downloaded from https://paksociety.com

اتنا گندا ہوسکتا تھا کہ میرے لیے اس حالت میں گھر لوٹنا محال ہوجاتا۔ میں نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے ایک سفید پوش کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ کسی پیشہ ور باکسر کی طرح اپنے دونوں مکے تان کر اچانک سنیل پر ٹوٹ پڑا۔

سنیل ایسے کسی ردِعمل کے لیے تیار تھا لیکن بے ہوشی سے ہوش میں آنے کی وجہ سے اس کے اعصاب شکستہ تھے۔ ابتدائی دو تین مکے اپنی کلائیوں پر روکنے کے بعد وہ سفید پوش کے تابڑ توڑ مکوں کی زد میں آ گیا۔

ذرا سی دیر میں اس کے چہرے کا حلیہ بگڑ گیا۔ سفید پوش کے لگائے ہوئے زخموں سے بہنے والے خون کی لکیروں نے سنیل کا پورا چہرہ چھپا لیا تھا۔

پھر سفید پوش کا ایک اچٹتا ہوا مکا سنیل کے پیٹ سے لگا۔ یکا یک سنیل کی پیلی قمیص پر خون کا رنگ پھیلنا شروع ہوگیا۔ ہلکے یا زور دار مکے سے پیٹ پر خون ریز زخم آنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سنیل کے جسم پر لگی ہوئی تین گولیوں میں سے کسی کا کچا زخم تھا جو مکے کی ہلکی سی رگڑ سے دوبارہ کھل گیا تھا۔

''اب یہ مرجائے گا، اس کا پیٹ پھٹ گیا ہے۔'' میں نے سنیل کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جان بوجھ کر وہ الفاظ کہے۔

سنیل کی نگاہیں بے اختیار اپنے پیٹ کی طرف گئیں، سفید پوش نے اس موقع کا فائدہ اٹھا کر سنیل کے بائیں جبڑے پر ایک بھرپور ضرب لگائی۔ وہ چکراتا ہوا اس تنگ کوٹھڑی کی عقبی دیوار سے ٹکرایا اور پھر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

''یہ سخت جان بننے کی کوشش کررہا ہے۔ اسے چیرا لگانے کی تیاری کرو۔'' میں نے درشت لہجے میں سفید پوش کو حکم دیا۔

''نہیں..... تم ایسا نہیں کرسکتے!'' سنیل فرش پر مکا مار کر پوری قوت سے چلایا ''تم لوگ خونی درندے ہو، انسانیت تمہیں چھو کر بھی نہیں گزری۔''

''تم ہمیں نہیں روک سکتے۔ تمہیں صحیح چیرا لگ گیا تو عمر بھر تم شیبا کے قریب نہیں جاسکو گے۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

''ٹھہرو..... ذرا سی دیر کے لیے ٹھہر جاؤ۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولا ''تم مجھے مارے جارہے ہو۔ یہ نہیں بتاتے کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو!''

مار کھا کر شاید اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔ میں نے سرد آواز میں کہا ''ہمیں ہر قیمت پر سوبھراج کا پتا چاہیے۔ تم نے اپنی زبان نہیں کھولی تو ہم مار مار کر تمہیں پیوند زمین کردیں گے۔ سوبھراج اب ایک پٹا ہوا مہرہ ہے، جو وقت کی بساط پر دیوانہ وار بھاگ رہا ہے۔ یاد رکھو کہ اس سنگین عمارت میں تم اس کے نام کی مالا جپتے رہے تو اس کے ساتھ تم بھی دردناک انجام سے دوچار ہوجاؤ گے۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس گیدڑ تک پہنچ جائیں گے۔''

''یہ کوٹھڑی..... یہ چمگادڑوں کی بھوکی آوازیں..... یہ تمہارے خون آشام چہرے..... مجھے ان سب سے خوف آرہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے تمہارے ہر سوال کا جواب دے دیا تب بھی تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے، مجھے میرے خون میں نہلا دو گے!''

''یہ خوف اپنے ذہن سے نکال دو۔ تم راہِ راست پر آگئے تو اس لمحے کے بعد تمہیں انگلی تک نہیں لگائی جائے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''نہیں کرنل!'' وہ جھرجھری لے کر کراہنے والے انداز میں بولا ''مجھے یہ فریب مت دو۔ تم بہت بھیانک آدمی ہو۔ نہ جانے کس کس کا خون پی چکے ہو۔ تمہیں قانون کا ڈر ہے نہ انصاف کا خوف۔ تم جو چاہتے ہو وہ کرتے پھرتے ہو اور کوئی تم سے کچھ نہیں پوچھ سکتا۔ راج محل پھونک دینے کے بعد راج صاحب نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس والے خونی درندے ہیں۔ وہ ایک بار جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، وہ یکا یک ہمیشہ کے لیے غائب ہوجاتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے مستقبل سے خوف زدہ تھا۔ اگر اسے مطمئن کردیا جاتا تو شاید وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہوجاتا۔ سوبھراج نے اپنے تحفظ کے لیے اس کے ذہن میں بہت زیادہ زہر انڈیلا ہوا تھا، اس زہر کا تریاق کرنا ضروری تھا۔

''یہ بے سبب، بے کار اور بے بنیاد باتیں ہیں جو سوبھراج نے اپنا الّو سیدھا کرنے کے لیے تمہیں سنائی ہیں۔'' اس بار میں نے قدرے نرمی سے کہا ''تم ہوش مندی سے کام لو تو تم اس کے خلاف سلطانی گواہ بن سکتے ہو۔''

وہ کراہتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ چکا تھا۔ میری بات پر اس نے چونک کر اپنا خون آلود چہرہ اوپر اٹھایا اور تحیر زدہ آواز میں بولا ''کیا میں تمہاری اس بات پر یقین کرلوں کہ ایس ٹی ایف والے راج صاحب پر مقدمہ چلائیں گے۔ آج تک ایسا ہوا اور نہ سننے میں آیا۔ تم لوگ اپنے دشمنوں کو اٹھاتے ہو اور خاموشی سے غائب کردیتے ہو۔ تمہارا اپنا قانون ہے۔ تم کو کسی عدالت اور مقدمے کی کیا ضرورت ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو'' میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا ''باہر سے آنے والے دشمن کے ایجنٹوں کے ساتھ ایس ٹی ایف یہی سلوک کرتی ہے مگر سوبھراج کا معاملہ ان سب سے الگ ہے۔ وہ یہاں کا شہری ہے۔ سماج اور سیاست میں اسے بہت اونچا مقام تھا۔ اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلے گا تو ساری دنیا کو اس کے کرتوتوں کا پتا چلے گا۔ یہاں کے بگڑے ہوئے سیاست دانوں کے لیے وہ عبرت کا نمونہ ثابت ہوگا۔''

''اخباروں نے راج صاحب کے خلاف دل کھول کر گند اچھالا ہے، انہیں سارے ملک میں بدنام کردیا ہے۔ اب مقدمے سے ان کی اور کیا رسوائی ہوگی۔''

''اخبار جھوٹ سچ سب کچھ چھاپتے ہیں۔ بہت سے لوگ خبروں پر آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کرتے، خبریں پڑھ کر اپنے نتیجے اخذ کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اخباری خبریں لوگ جلدی بھول جاتے ہیں، عدالت کا ریکارڈ تاریخ کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ یہ بات شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ اس پر مقدمہ چلنا بہت ضروری ہے۔''

''اس کے خلاف اخباروں نے سب کچھ لکھ دیا ہے، سارے ثبوت موجود ہیں پھر تم میرے اوپر کیوں مہربان ہو رہے ہو؟''

''نک کے قتل کا اس نے اخباروں میں اعتراف کیا ہے۔ ہوٹل کے لوگ اسے حشمت کے روپ میں پہچانتے تھے۔ یہ باتیں اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔ تم اس کے گھر کے بھیدی ہو۔ اس نے اپنا سارا ریکارڈ راج محل کے ساتھ جلا کر خاک کردیا ہے۔ رہے سہے کاغذ آج تم نے اپنے گھر میں پھونک دیے۔ اب جو کچھ ہے وہ تمہارے اور سوبھراج کے سینوں میں ہے۔ تم ہمارے کہنے پر چلو گے تو سکھی ہوگے، تمہاری جان بچ جائے گی۔ آزادی برقرار رہے گی۔ دوسری صورت میں تم عدالت کا منہ دیکھے بغیر کہیں گاڑ دیے جاؤ گے۔ کسی کو کانوں کان تمہاری بھنک نہیں مل سکے گی۔''

اس نے خون آلود حلقوں میں گھری ہوئی وحشت زدہ نظریں میرے چہرے پر جما کر دھیمی آواز میں کہا ''تمہاری باتوں سے سچائی کی کچھ کچھ بو آرہی ہے۔ تم اپنی طاقت کا مظاہرہ کرچکے ہو۔ مجھے کچھ مہلت دے دو۔ میں کل تک اپنا فیصلہ کرلوں گا۔''

مجھے طرارہ آگیا۔ میں تیزی سے آگے لپکا اور اس کے گیلے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر عقبی دیوار پر دے مارا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر دردناک آواز میں چلا اٹھا۔

''تم یہاں چیخ چیخ کر مرجاؤ گے لیکن تمہاری آواز ان بے رحم دیواروں کے پار نہیں جاسکے گی۔ ہم ذہنی اور جسمانی مار کے ذریعے تمہارے وجود کو ایک زندہ لاش میں بدل کر رکھ دیں گے۔ موت تمہیں دیکھے گی تو کانپ اٹھے گی۔''

''مجھے ذرا سی مہلت دے دو۔ کل میں تمہاری ہر بات مان لوں گا یا پھر مرنے کے لیے تیار ہوجاؤں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

''یہاں موت اتنی آسانی سے ملتی۔'' میں نے اس کی مکاری پر دانت پیستے ہوئے کہا۔

وہ شہر کے کسی حصے میں سوبھراج کے ساتھ روپوش تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ سوبھراج کے ایما پر ورنہ کم از کم اس کی رضامندی سے، ضروری کاغذات تلف کرنے کے لیے اپنے گھر آیا تھا۔

اسے اپنا کام مکمل کر کے رات گہری ہونے سے پہلے سوبھراج کے پاس لوٹ جانا چاہیے تھا۔ واپسی میں ایک دو گھنٹے کی تاخیر کو سوبھراج بے چینی کے ساتھ برداشت کرسکتا تھا۔ اس سے زیادہ دیر ہوتی تو سوبھراج کا ماتھا ٹھنک جاتا کہ سنیل کسی مصیبت میں نہ گھر گیا ہو۔ وہ امریکی ایف بی آئی کے ایجنٹوں اور مقامی قانون سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ وہ فوری طور پر سمجھ لیتا کہ سنیل تشدد سے مجبور ہوکر اس کے ٹھکانے کی نشاندہی کر بیٹھے گا۔ وہ اسی لمحے اپنا ٹھکانا بدل لیتا۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ سنیل کی واپسی میں تاخیر ہونے پر وہ اس کے گھر فون کرتا اور شیبا اسے ساری رام کہانی سنا دیتی۔

دونوں صورتوں میں ساری اہمیت وقت کی تھی۔

جیسے جیسے زیادہ وقت گزرتا جاتا، سوبھراج کے وسوسے قوی تر ہوتے جاتے۔ اس وقت سنیل اگلے روز تک کی مہلت مانگ کر اپنے نفس پرور آقا کو ہوشیار ہونے اور ٹھکانا بدل لینے کا موقع دینا چاہ رہا تھا۔

آگے بہت لمبی رات پڑی تھی۔ سوبھراج اس کی واپسی کے انتظار میں صبح تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ آدھی رات تک انتظار کرتا اور پھر اپنی کمین گاہ سے نکل کر کسی نئے ٹھکانے کی طرف دوڑ لگا دیتا۔

اگلی صبح ہم سنیل سے رجوع کرتے تو وہ ہتھیار ڈال دیتا۔ وہ جو کچھ کہتا، شاید سچ ہوتا لیکن وقت گزر جانے کی وجہ سے وہ بالکل بے فیض سچ ہوتا۔ ہم اس کی نشاندہی کے مطابق شہر کے

Downloaded from https://paksociety.com

کسی مکان پر دھاوا بولتے تو وہاں چڑیاں پہلے ہی کھیت چگ گئی ہوتیں۔ سوبھراج ہمارے پہنچنے سے پہلے وہاں سے نکل چکا ہوتا۔ ہم بے نیل و مرام واپس لوٹ آتے۔

''تم کو کوئی فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹے کی مہلت دی جاسکتی ہے'' میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اتنا وقت نہیں دیا جاسکتا کہ سوبھراج تمہاری واپسی سے مایوس ہوکر کہیں اور جا چھپے۔''

''میرے بغیر وہ کہیں نہیں جائے گا'' سنیل نے کمزور لہجے میں اصرار کیا۔

''عام حالات میں شاید یہی ہوتا۔ وہ کاہل اور عیاش ہو چکا ہے۔ خود کوئی کام نہیں کرتا۔ اس نے تم کو اپنی بیساکھی بنایا ہوا ہے۔ تمہارے ذریعے وہ اپنے نوکروں کی فوج سے کام لیتا ہے۔ تم اس کی ناگزیر ضرورت اور عادت بن چکے ہو لیکن آج کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ وہ سایوں سے ڈر رہا ہے' اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔ اسے موت کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگے گی۔ وہ زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹوں بعد اپنا موجودہ مسکن چھوڑ کر کہیں اور نکل جائے گا۔''

سنیل کا پورا چہرہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں رہا تھا کہ میری باتوں کا اس پر کیا ردِعمل ہو رہا تھا۔

''وقت بہت کم ہے۔ میرا ذہن ماؤف ہو چکا ہے' ایسی حالت میں' میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرسکتا۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنادیا۔

''ذہن ماؤف ہے تو پھر تمہیں کچھ توانائی کی ضرورت ہے'' میں نے اسے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا پھر میں اچانک اپنے قریب کھڑے ہوئے سفید پوش سے مخاطب ہوگیا'' اس کے لیے توانائی کا بندوبست کرو۔ پہلے سوواٹ کا بلب سیریز میں جوڑ کر اسے کنپٹیوں اور ایڑیوں سے بجلی فراہم کرو' ہوسکتا ہے کہ اس کی عقل ٹھکانے پر آجائے۔''

''تم مجھے بجلی کے جھٹکے دو گے' مارو گے مجھے.....؟'' وہ اٹھ کر یکا یک اچھلنے اور ہذیانی انداز میں چیخنے لگا مگر میں بے پروائی سے کوٹھری سے باہر نکل گیا۔

اس نے میرے پیچھے لپک کر باہر آنے کی کوشش کی تھی لیکن سفید پوش نے اندر ہی اسے دوبارہ اپنے مکوں پر رکھ لیا تھا۔

''سر! جلال صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں'' باہر موجود دوسرے سفید پوش نے مودب لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

''جلال کو کیسے پتا چلا کہ اس وقت میں یہاں موجود ہوں!'' میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

''آپ ان کے مہمان ہیں۔ کچھ اندازہ ہونے کے بعد میں نے فون کرکے انہیں خبر دی تھی کہ آپ سوبھراج کے سلسلے میں ایک قیدی کو یہاں لائے ہیں'' اس نے کسی ندامت کے بغیر سچی آواز میں وہ جواب دے کر میری حیرت دور کردی۔

اسی وقت پہلا سفید پوش سنیل کو کوٹھری میں بند کرکے ہماری طرف آ گیا۔ سنیل کے ساتھ مار دھاڑ کے نتیجے میں اس کا بے داغ لباس جگہ جگہ سے گندا اور خون آلود ہو چکا تھا۔ خون کے دھبے اس کے ہاتھوں اور چہرے پر بھی نمایاں تھے۔

''میں نے قیدی کے سامنے اپنی زبان بند رکھی۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم اسے برقی جھٹکے نہیں دے سکیں گے۔ کسی ذمے دار افسر کی ہدایت پر اور اس کی نگرانی میں یہ طریقہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے ایسا انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتے۔''

مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ میں ہر معاملے میں پوری نیک نیتی سے کام کرنے کا عادی تھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ میری ہدایت کو نرم الفاظ میں مسترد کیا جارہا تھا۔

مجھے اس کیفیت سے سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں ایس ٹی ایف کے ساتھ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد رہ کر کام کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ آئی بی والوں کے ساتھ براہِ راست رابطے کا وہ پہلا موقع تھا۔ مجھے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ وہ لوگ قدم قدم پر اپنے آئینی ادارے کے کڑے ڈسپلن اور ضابطوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

وہ فرض شناس اہل کار یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز کرنے کی صورت میں وہ سنیل سے پہلے کسی عدالت میں کھینچے جاسکتے تھے۔

وہ خیال ذہن میں آتے ہی میری کلفت دور ہوگئی۔ میں نے اپنی بات نبھانے کے لیے ہنستے ہوئے کہا'' مجھے تمہاری مجبوریوں کا احساس ہے۔ میں نے وہ بات اسے دھمکانے کے لیے کہی تھی' ضرورت ہوئی تو زیادہ سے زیادہ برقی جھٹکے کے لوازم ہم اس کے سامنے لے آئیں گے۔ مجھے امید ہے کہ وہ ان کے استعمال کے بغیر اپنی زبان کھول دے گا۔''

''ان آلات کا خیال ذہن سے نکال دو'' اس نے نہایت ملتجیانہ لہجے میں کہا'' کسی افسر کو ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو اسے یہ یقین دلانا مشکل ہوجائے گا کہ ہم ان آلات کو استعمال کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''جلال سے بات کر کے کچھ سوچا جائے گا'' میں نے لفت آمیز لہجے میں'' وہ بات وہیں ختم کر دی اور تیزی سے لنز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

جلال اپنے گھر پر موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی اس نے ہتپاک لہجے میں کہا ''مبارک ہو سنا ہے کہ آج تم کوئی بڑا شکار پکڑ کر صدف مینشن میں لائے ہو؟''

''وہ سنیل ہے اور آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے'' میں نے کسی گرم جوشی کے بغیر سرسری لہجے میں کہا'' مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے اسے صدف مینشن لا کر غلطی کی ہے۔ تمہارے آدمی اس سے باز پرس میں ایک حد سے آگے جانے پر آمادہ نہیں ہیں۔''

''بعض مقامات پر میں خود بے بس ہو جاتا ہوں۔ یہ باتیں تمہارے لیے نئی نہیں ہیں' میں تمہیں ہر بات بتاتا رہا ہوں۔ وہ میرے ماتحت ہیں' ان کی مجبوریاں مجھ سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ کیسے ہاتھ آ گیا اور اس کا گروگھنٹال کہاں ہے؟''

''وہ سوبھراج کی کمین گاہ سے واقف ہے مگر زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''اسے تم صدف مینشن میں چھوڑ دو۔ صبح تک میرے آدمی راہِ راست پر لے آئیں گے'' جلال کی پُراعتماد آواز ابھری۔

''اس وقت تک سوبھراج خطرہ بھانپ کر اپنا ٹھکانا بدل چکا ہوگا۔''

جلال کے لیے بھی وہ واقعہ بہت اہم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سنیل کے پکڑے جانے کے بعد سوبھراج کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ اس واقعے کی تفصیل جاننے کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔

اس کے اصرار پر میں نے اختصار کے ساتھ اسے سارے واقعات سنا دیے اور واضح الفاظ میں یہ بھی بتا دیا کہ سنیل کے معاملے میں ٹال مٹول کے نتیجے میں ہم سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے کے ایک سنہرے موقع سے محروم ہو جائیں گے۔

''کاش! میں آج کے لیے کراچی میں رک گیا ہوتا تو یہ صورت حال پیش نہ آتی۔ یہاں سے کراچی کے لیے آخری پرواز بھی نکل چکی ہے۔ میں لاکھ کوشش کروں پھر بھی نائٹ کوچ کے ذریعے فجر سے پہلے کراچی نہیں پہنچ سکتا۔ اس وقت تک سوبھراج' سنیل کی طرف سے مایوس ہو کر اپنا ٹھکانا بدل چکا ہوگا..... بدقسمتی یہ ہے کہ ماضی میں ہمیں کئی تلخ تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔ اس کے بعد سے ہم لوگ بہت محتاط ہو گئے ہیں۔''

''ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں اچانک موقوف نہ ہو گئی ہوتیں تو مجھے یہ مشکل درپیش نہ ہوتی'' میں نے نرم لہجے میں شکایت کی۔

''یہاں ہر طرف اس واقعے کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک کیا ہوا ہے۔ اڑتی اڑتی خبر ملی ہے کہ ان کا باس بھی کراچی میں ہے۔''

مجھے اس بارے میں خاصی اطلاعات مل چکی تھیں لیکن میں نے جلال کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور پوچھا ''پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اس وقت سنیل کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔''

''صدف مینشن میں آنے کے بعد وہ ہمارا قیدی ہے لیکن تم چاہو تو اسے اپنے ساتھ کہیں بھی واپس لے جا سکتے ہو'' وہ رک رک کر پُرخیال آواز میں کہہ رہا تھا'' پھر بھی میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے یہیں چھوڑ دو۔ میں اپنے کسی آدمی سے بات کرتا ہوں۔ تم چلے جاؤ' ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیں۔''

''میری موجودگی کیا ان کے لیے رکاوٹ ثابت ہوگی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ نازک باتیں ہیں۔ فی الحال انہیں بھول جاؤ اور کسی کو فون پر بلا دو۔''

میں نے ریسیور میز پر رکھا اور باہر جا کر صاف ستھرے سفید پوش کو اندر بھیج دیا کیونکہ اس نے جلال کو فون کر کے قیدی کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

اسے بھیج کر میں اندر نہیں گیا تاکہ وہ کھسر پھسر کے بغیر جلال سے دوٹوک باتیں کر سکے۔ میں نے باہر رک کر سگریٹ سلگایا' گندے لباس والا مجھ سے اجازت لے کر اپنے داغ دار کپڑے تبدیل کرنے کے لیے چلا گیا تھا۔

میں سگریٹ کے کش لگا کر اسی راہ داری میں ٹہلتا رہا۔ اس دوران میں مجھے صدف مینشن کی اوپری منزل سے ایک سے زیادہ افراد کی کراہیں اور بڑبڑاہٹیں سنائی دیں جن سے اندازہ ہوا کہ اس وقت سنیل وہاں کا اکلوتا قیدی نہیں تھا۔

اپنے آدمی سے جلال کی گفتگو زیادہ طویل نہیں رہی۔ سفید پوش نے اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد باہر آ کر مجھے اطلاع دی کہ جلال مجھ سے دوبارہ بات کرنے کا خواہاں تھا۔

اس وقت تک میری طبیعت مضمحل ہو چکی تھی۔ میں اس تلخ حقیقت سے آگاہ ہو چکا تھا کہ میرے لیے آئی بی والوں کے ساتھ رہ کر مکمل آزادی سے کام کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان

Downloaded from https://pksociety.com

لوگوں کے اپنے لگے بندھے طریقے اور ضابطے تھے۔ میری خوشنودی کے لیے وہ کسی قیمت پر بھی ان سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔

اس مرتبہ جلال کا لہجہ امید افزا تھا جیسے اس نے اپنے آدمی سے بات کر کے کامیابی کی کوئی کنجی پالی ہو۔ مجھے حوصلہ دلاتے ہوئے اس نے اپنی بات کا اعادہ کیا کہ مجھے سنیل کو وہاں چھوڑ کر گھر لوٹ جانا چاہئے۔ اس وقت ہمیں سنیل سے صرف سوبھراج کی کمین گاہ کا پتا درکار تھا۔ وہ کوئی پیچیدہ سوال نہیں تھا۔ اپنے روا-ستی طور طریقوں سے کام لیتے ہوئے اس کے آدمی سنیل سے وہ تفصیل معلوم کر سکتے تھے۔

جلال سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اپنی جن مجبوریوں کا اسیر تھا وہ بار بار میرے سامنے آتی رہی تھیں۔ میری خاطر وہ انہیں نظر انداز کر کے اپنی نوکری داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ میں نے بلا حیل وحجت اس کی بات مان لی۔

''کامیاب ہوتے ہی میرے آدمی سب سے پہلے تمہیں فون پر اطلاع دیں گے'' اس نے میری دل جوئی کے لیے زور دے کر کہا۔

''اب کامیابی اور ناکامی کا دارومدار تمہارے آدمیوں کی کارکردگی پر ہے'' سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی میں اپنے لہجے میں در آنے والی ہلکی سی تلخی پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

''مجھے تمہاری ذہنی کیفیت کا اندازہ ہے۔ تم نیک توقعات رکھو اور گھر جا کر آرام کرو۔ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ تمہیں جلد ہی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔ ابھی تک اس کی گرفتاری ظاہر کی گئی ہے نہ اس کا ریمانڈ لیا گیا ہے۔ میں تمہیں صرف اتنا اشارہ دے سکتا ہوں کہ اس وقت ہمارے ہاتھ بڑی حد تک کھلے ہوئے ہیں۔ اسے پکڑنے کی کوششوں میں اسے کوئی بھی شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

وہ ایک قانونی بار یکی تھی جو میری سمجھ میں آ گئی لیکن میں نے اس پر کوئی بات نہیں کی اور رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد فون بند کر دیا۔

اس مختصر سے وقفے میں دونوں سفید پوش اپنے کپڑے تبدیل کر چکے تھے۔ وہ مجھے رخصت کرنے کے لیے عمارت کے صدر دروازے تک آئے۔ اس دوران میں ہمارے درمیان قیدی کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے میرا فون نمبر دریافت کیا۔ میں نے اس کی جیبی ڈائری پر گھر کے نمبر کے ساتھ موبائل فون کا نمبر بھی لکھوا دیا۔

دروازے پر ان دونوں کو الوداع کہہ کر میں وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ٹیکسی لینے سے پہلے مجھے اچانک خیال آیا کہ میں واقعات کی روانی میں بہہ کر سنیل سے ایک اہم سوال پوچھنا بھول گیا تھا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دوبارہ صدف مینشن کے دروازے پر پہنچ گیا۔

وہ لوگ چند منٹ بعد مجھے اپنے روبہ رو پا کر حیران رہ گئے۔

''قیدی سے ایک اہم سوال پوچھنا باقی رہ گیا ہے'' میں نے اندر پہنچ کر ان کے کسی سوال سے پہلے اپنی آمد کا مدعا بیان کر دیا۔

وہ میرا بہت زیادہ ادب کر رہے تھے۔ ایک نے پھرتی سے سیل کا جالی دار دروازہ کھول دیا۔ سنیل اس وقت فرش پر پاؤں پھیلائے بیٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اپنے سیل کے سامنے آہٹیں سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور بھڑک کر جارحانہ انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''اب تم لوگ دوبارہ کیوں آئے ہو؟'' اس نے درشت آواز میں سوال کیا ''میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے آج کی رات یکسو ہو کر سوچنے دو صبح میں تم سے بات کروں گا۔''

''میں تم سے تمہاری ولدیت کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''میرے باپ سے تمہیں کیا لینا ہے'' وہ چیخ کر بولا ''تمہارا جھگڑا مجھ سے ہے۔ مجھ سے میری بات کرو۔ باپ دادا تک کیوں پہنچ رہے ہو؟''

''یہ ضروری ہے'' میں نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھی ''یہاں ایک نام کے دو قیدی بھی آ جاتے ہیں۔ ان کی شناخت ولدیت سے ہوتی ہے۔''

اس ہار اسے کسی قسم کے تشدد کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ اس کے لیے ایک غیر معمولی بات تھی۔ اس نے بحث کو طول نہیں دیا۔ لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد بولا ''بھولا رام!''

''اگر بھولا رام تمہارا باپ تھا تو پھر نرمل کمار کون ہے؟'' میں نے اچانک تیز اور تلخ لہجے میں سوال کیا۔ وہ نام سلطان شاہ نے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں تلاش کیا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے یوں لہرایا جیسے میری زبان سے نرمل کمار کا نام سن کر اسے چکر آ گیا ہو مگر فوری طور پر اس نے سنبھالا لے لیا۔

''تم اس کے بیٹے کا نام جانتے ہو تو پھر میرے اوپر ظلم کیوں کر رہے ہو۔ جا کر اس کا گریبان پکڑو اور اس سے پوچھو کہ وہ کیا جانتا ہے؟'' سنبھلتے ہی اس نے شکست خوردہ لہجے

Downloaded from https://paksociety.com

میں اعتراض کیا۔ میرے لیے اس کے وہ الفاظ بہت اہم تھے۔

سنیل کے وہ فقرے میری اس کوشش کا ماحصل تھے۔ ان سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ ہو رہا تھا کہ نرمل کمار کا باپ اس چکر میں کوئی اہم حیثیت رکھتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ سنیل اور سوبھراج نے اسی کے گھر پناہ لی ہوئی ہو۔

وہ چالاک لوگ تھے۔ ہر محاذ پر اپنا دامن بچا کر لڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ شیر دل کی بیوہ کو نرمل کمار کے گھر کے بجائے دفتر کا نمبر دیا گیا تھا۔ سوبھراج اپنے وفاداروں میں بھی اپنی ساکھ قائم رکھنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے شیر دل کی بیوی کو ہر قسم کی مدد کی یقین دہانی کرائی تھی۔

اس مدد کے حصول کے لیے کسی نہ کسی رابطے کا ہونا ضروری تھا۔ سوبھراج کے بھیجے ہوئے آدمی نے اس عورت کو نرمل کمار کے دفتر کا فون نمبر دے دیا۔

ان لوگوں کو یہ گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ نمبر ہمارے ہاتھ لگ جائے گا۔ یہ ویرا کی چالاکی اور حاضر دماغی تھی کہ اس نے شیر دل کے گھر کے دروازے پر پہنچتے ہی بات کا رخ دیکھ کر عورت فاؤنڈیشن کی فرضی کہانی گھڑلی اور گھر کے اندر پہنچنے کے بعد اس عورت کے دل میں اترنے میں کامیاب ہو گئی۔

نرمل کمار کے دفتر کا فون نمبر ہمیں شیر دل کی بیوی یا بیوہ سے ملا تھا۔ اس نمبر پر میری بات ہو چکی تھی۔ بات کرنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا تھا لیکن میری زبان سے حال ہی میں بیوہ ہونے والی عورت کا ذکر سن کر وہ ہمہ تن گوش ہو گیا تھا۔

یہ دیگر بات تھی کہ جب میں نے اس سے عورت فاؤنڈیشن کے رفاہی کاموں کے لیے امداد کی بات چھیڑی تو اس نے برہم ہو کر فون بند کر دیا تھا مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ شخص سوبھراج کے کیمپ سے تعلق رکھتا تھا۔

اس نمبر کی مدد سے سلطان شاہ نے ٹیلی فون ڈائریکٹری پر عرق ریزی سے کام کیا تھا اور اس نمبر کے حوالے سے پاپولیشن ویلفیئر کے نرمل کمار نامی افسر کا نام دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سنیل کافی مار کھانے کے باوجود اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا لیکن میری زبان سے نرمل کمار کا نام سنتے ہی اس کا سارا کس بل نکل گیا تھا۔ اس کی زبان سے نکلنے والے بے ساختہ جواب نے میری مشکل یکا یک آسان کر دی تھی۔

وہاں سے ناکام و نامراد لوٹنے' کامیابی نے اچانک میرے قدم چوم لیے تھے۔ سنیل پر اپنا وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں اس سے یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مجھے نرمل کمار کے گھر کا پورا پتا بھی بتا دے گا۔

وہ کام مجھے اپنے طور پر اور بہت تیزی سے کرنا تھا۔

میرے اداس اور اترے ہوئے چہرے پر نمودار ہونے والی مسرت آئی بی والوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔

انہیں پس پردہ واقعات کے سر پیر کا علم نہیں تھا۔ وہ بات کی گہرائی تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ انہیں صرف یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان چکروں میں نرمل کمار کے نام کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔

چلتے چلتے میرے دل میں آئی کہ شیر دل کی بیوی کو رقم پہنچانے والے شخص کے بارے میں بھی اس سے چند سوال کر ڈالوں لیکن میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ واقعات کی کڑیاں بتا رہی تھیں کہ وہ جو کوئی بھی تھا' سوبھراج کا آدمی تھا۔ اس کے نام سے مجھے کچھ نہیں لینا تھا۔ میں خاموشی سے سنیل کی کوٹھری سے نکل آیا۔

آئی بی والوں کے چہرے متجسس تھے۔ وہ باز پرس کے مختصر سے نئے دور کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہے تھے لیکن ان میں مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ان کے محتاط اور مدافعانہ رویے کی وجہ سے میری رگ بھی ذرا بھڑکی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے طور پر انہیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا اور خوش خلقی کے ساتھ ان سے مصافحہ کر کے صدف مینشن سے واپس روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

گھر پر ویرا منہ پھلائے میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ مجھ سے کسی محاذ آرائی کے لیے تلی بیٹھی تھی۔

''قدرت کے عطا کیے ہوئے خوبصورت چہرے کو تم نے کیوں بگاڑا ہوا ہے؟'' جمود توڑنے کے لیے میں نے اسے چھیڑنے میں پہل کر ڈالی۔

''اسٹیشن فور کے دروازے بند کر دیے گئے تھے تو تم اسے گھر کیوں نہیں لائے؟'' اس نے مجھے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''مار کھانے کے بعد وہ پوری آواز میں چلا رہا تھا'' میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا ''یہاں آتا تو پورا محلہ ہمارے دروازے پر جمع ہو جاتا۔''

''اس حرام زادے کے منہ میں حلق تک روئی ٹھونس دیتے۔ پھر دیکھتے کہ وہ کیسے کوئی آواز نکالتا ہے۔ میں اسے اس بری طرح ادھیڑتی کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''ہمارا مقصد اسے مارنا پیٹنا نہیں تھا۔ اس سے سوبھراج کی کمین گاہ کا پتا معلوم کرنا تھا'' میں نے رسانیت سے کہا ''مجرم کے منہ میں روئی ٹھونس کر باز پرس یا تفتیش نہیں کی جاسکتی۔ ہر تھپڑ اور مکے کے بعد رونما ہونے والی نفسیاتی تبدیلیوں سے آگاہ رہنے کے لیے قیدی کی زبان کا آزاد رہنا ضروری ہوتا ہے۔''

''پہلے اسے یہاں لانا چاہئے تھا کہ ہم سب اس پر اپنی بھڑاس نکال لیتے۔ وہ بے ہوش تھا۔ گاڑی اندر لاکر ہم پوری رازداری کے ساتھ اسے چوتھے بیڈروم کے غسل خانے میں ڈال سکتے تھے'' ویرا میری بات سمجھنے پر آمادہ نہیں تھی۔

''وقت کی بھی اہمیت تھی۔ سوبھراج غیر معینہ مدت تک اپنی جگہ بیٹھا اس کی واپسی کا انتظار نہیں کرتا رہے گا۔ گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی اپنا ٹھکانا بدل لے گا۔''

''وقت بچا کر تم نے کیا تیر مارا ہے؟ بتادیا اس نے سوبھراج کا پتا؟'' اس نے لڑاکا انداز میں اپنے ہاتھ فضا میں نچاتے ہوئے سوال کیا۔

''سوبھراج کو پاپولیشن ویلفیئر والے نرمل کمار کے باپ .... نے پناہ دی ہوئی ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے ان تینوں کو اطلاع دی۔

وہ خبر ان کے لیے غیر متوقع تھی۔ کسی کو امید نہیں تھی کہ سنیل آسانی سے کچھ اگل دے گا۔ ویرا چند ثانیوں تک سکتے کی حالت میں بیٹھی مجھے گھورتی رہی۔ میں گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس کی عصیلی نگاہوں میں دیکھتا رہا۔ آخر کار وہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔

''نرمل کمار کا باپ کہاں رہتا ہے؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''اس وقت یہ ملین ڈالر کا سوال ہے'' میں نے کہا ''اس بارے میں وہ ایک لفظ بھی بتانے پر آمادہ نہیں تھا۔ صدف مینشن سے نکل آنے کے بعد مجھے نرمل کمار کا نام یاد آیا۔ میں نے دوبارہ اندر جاکر نرمل کمار کا نام لیا اور وہ اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو نہ رکھ سکا۔''

''میں نے اس کی سرسری سی جھلک دیکھی تھی۔'' سلطان شاہ نے اپنی زبان کھولی ''ایسے قد' کاٹھ اور خدوخال والے عام طور پر بہت ڈھیٹ اور بے شرم ہوتے ہیں۔''

''واہ! تم تو قیافے کے پروفیسر ہوگئے۔'' ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا ''اس کے بارے میں تمہارا اندازہ سو فیصد سے زیادہ درست ہے۔ وہ مار کھانے کے باوجود نغمہ سرا نہیں ہوا۔ یہ اس کی ڈھٹائی کی دلیل ہے' بے شرمی کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ وہ سوبھراج اور اپنی بیوی کے قریبی مراسم سے چشم پوشی کرتا رہتا تھا۔''

''وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ نرمل کے گھر کا سراغ کیسے ملے گا؟'' غزالہ نے تادیبی لہجے میں کہا۔

''ڈائریکٹری پرانی ہے اور نرمل اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اس حقیقت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پاپولیشن ویلفیئر کے محکمے میں ہر پتھر اپنی جگہ پر بھاری ہے'' غزالہ کی تنبیہہ سنتے ہی سلطان شاہ کی زبان چلنا شروع ہوگئی۔ وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے کہہ رہا تھا ''افسروں کے تبادلے کم ہوتے ہیں۔ نرمل اپنی جگہ پر موجود ہے تو ڈائریکٹری کے مطابق دوسرے افسر بھی اپنی جگہوں پر موجود ہوں گے۔ میں ابھی کسی کو فون کرتا ہوں۔ ڈائریکٹری میں کئی افسروں کے گھروں کے فون نمبر بھی دیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی سے نرمل کے گھر کا پتا مل جائے گا۔''

''کیا تم دیوانے ہوگئے ہو؟'' ویرا نے ترشی سے کہا ''کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ تم جیسے اجنبی کو فون پر اس کے گھر کا پتا بتائے؟''

''یہ عقل کا کھیل ہے جس کا تمہارے پاس قحط ہے'' اس نے برجستہ جواب دیا ''عورتوں کی بیشتر عقل ان کے لمبے بالوں کی کھاد بن کر ضائع ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کے یہاں عورتوں کو ناقص العقل قرار دیا جاتا ہے۔''

''ذرا بتا تو چلے کہ اس وقت تمہاری عقل پر کس قسم کا دورہ پڑا ہوا ہے؟'' ویرا غرائی۔

''مجھے گھبرائی ہوئی آواز میں صرف یہ کہنا ہوگا کہ نرمل ایک حادثے میں زخمی ہوکر اسپتال میں اپنے آخری سانس لے رہا ہے' اس کے گھر والوں سے فوری رابطہ ضروری ہے۔ پتا نہیں تو کم از کم اس کے گھر کا فون نمبر ضرور مل جائے گا۔''

''اس وقت تم واقعی دور کی کوڑی لائے ہو'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''اس نیک کام کو خود ہی انجام دو۔ اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرو۔''

ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد اس وقت بھی ڈرائنگ روم میں پڑی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے سرکاری اوراق میں پاپولیشن ویلفیئر کا صفحہ کھولا اور محمد اصغر نامی ایک افسر کے گھر کا فون نمبر نوٹ کرکے ڈائریکٹری بند کردی۔

اس نے نمبر ملانے کے لیے فون کا ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سلطان شاہ کی متفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔ میرے اشارے پر اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ میں نے بٹن دبا کر

Downloaded from https://paksociety.com

موبائل فون اپنے کان سے لگالیا۔

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' دوسری طرف سے آنے والی جلال کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''صدف مینشن سے واپس گھر آ چکا ہوں'' میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''تم نے اس وقت کیسے فون کیا؟''

''قیدی بول پڑا ہے۔ چلتے چلتے تم نے اس سے کسی نرمل کمار کے بارے میں بات کی تھی۔ میرے اسٹاف نے اس کلیو پر کام شروع کر دیا۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ سوبھراج اور سنیل نے نرمل کے گھر پر پناہ لی ہوئی تھی.....''

''یہ بات اس نے میرے سامنے اگل دی تھی۔ ان دونوں کو نرمل نے نہیں' ان کے باپ نے پناہ دی ہوئی ہے۔ اس وقت میں اس کے گھر کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہا ہوں'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تصحیح کرتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی کام کچھ نہ کچھ آگے بڑھا ہے'' اس نے جواب دیا ''نرمل یا اس کے باپ کے گھر کا پتا بھی قیدی سے مل گیا ہے۔ وہ لوگ کینٹ اسٹیشن کے پاس رہتے ہیں۔ آج تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اب سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ سوبھراج نے ایک مدت سے شہر میں اودھم مچایا ہوا تھا۔ مسلسل اس کا نام سننے میں آ رہا تھا لیکن کہیں بھی میرا اور اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس مردود کی سرکوبی کروں لیکن میرے لیے وہ وقت ناموزوں تھا۔

ایس ٹی ایف کے عملے کے ساتھ میں مکمل آزادی اور بالادستی کے ساتھ ہر کام کر گزرتا تھا۔ وہ لوگ ایکا ایکی غیر فعال ہو چکے تھے' اول خان کا کوئی پتا نہیں تھا۔ سوبھراج کے راج محل سے فرار کا واقعہ ابتدا سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا تھا۔ وہ بہت چالاک مجرم تھا۔ ہر وقت اپنے فرار کی راہیں کھلی رکھتا تھا۔

اس پر ہاتھ ڈالنا ہم چاروں کے بس سے باہر تھا۔ مسلح اور بھاری نفری کے ساتھ اس ٹھکانے کا محاصرہ کیے بغیر سوبھراج کو للکارنا بے سود ثابت ہو سکتا تھا۔ چند گولیاں برسا کر وہ ہمیں ایک سمت میں الجھاتا اور خود کسی اور راستے سے فرار ہو جاتا۔ سنیل کو کھو دینے کے بعد اس میں جم کر لڑنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔

ویسے بھی وہ دلیر نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی سے بہت زیادہ پیار تھا۔ بنیادی طور پر وہ ایف بی آئی والوں کی سزا سے بچنے کے لیے چھپتا پھر رہا تھا۔ قانون نے بعد میں اس کا پیچھا لیا تھا۔

ایس ٹی ایف نامعلوم وجوہ کی بنا پر مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ پولیس کے محکمے سے کبھی بھی میری زیادہ رسم و راہ نہیں رہی تھی۔ لے دے کر آئی بی رہ جاتی تھی جو بھرپور طاقت اور اختیار کے ساتھ سوبھراج کو گھیر سکتی تھی۔

وہ پرتشدد تفتیش کی طرح کوئی صوابدیدی معاملہ نہیں تھا جس کے لیے جلال یا کسی اور اعلیٰ افسر کی کراچی میں موجودگی ضروری ہوتی۔ سوبھراج ایک خطرناک مجرم تھا۔ اس کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے۔ کسی بھی ایجنسی کا کوئی اہل کار اس پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ آئی بی والوں کے پاس افرادی قوت کی کمی ہوتی تو وہ باضابطہ طور پر پولیس سے مدد لے سکتے تھے۔

سوبھراج کی سرکوبی کے اس آپریشن میں شرکت کی خواہش کے باوجود میرا دل ادھر مائل نہیں ہو رہا تھا۔ سبب بہت واضح تھا۔ سنیل کے بارے میں میرا صدف مینشن کا تازہ ترین تجربہ زیادہ خوشگوار نہیں رہا تھا۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آئی بی والوں کے ساتھ اس مہم میں شامل ہو کر میں اپنے طور پر کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ اول تا آخر انہیں بالادستی حاصل رہے گی۔ ان کی اجازت کے بغیر میں شاید ایک گولی بھی نہیں چلا سکوں گا۔ میری حیثیت ثانوی اور مبصر کی ہو کر رہ جائے گی۔ ایسی بے عمل شمولیت سے بہتر تھا کہ میں گھر بیٹھ کر اس آپریشن کے نتائج کا انتظار کر لیتا۔

میں نے چند لمحوں میں' بہت سرعت سے اپنا وہ ذہنی تجزیہ مکمل کیا اور جلال کے ٹوکنے سے پہلے کہا۔

''ایس ٹی ایف پس پردہ چلی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنے آدمیوں کو اسی وقت اس کام پر لگا دو۔ سوبھراج زیادہ دیر تک وہاں نہیں رکے گا۔ وہ تمہاری تیاریوں کے باوجود راج محل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے پکڑنا ہم چاروں کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''کیا تم میرے اسٹاف کے ساتھ اس مہم میں شریک نہیں ہونا چاہو گے؟'' اس نے حیرت زدہ آواز میں سوال کیا۔

''ایس ٹی ایف کے لمبے ساتھ نے قاعدوں اور ضابطوں کے بارے میں مجھے بے پروا بنا دیا ہے۔ میں تمہارے اسٹاف کے ڈسپلن کا ساتھ نہ دے سکا تو بلاوجہ کوئی بدمزگی پیدا ہو جائے گی۔ مجھے بھول جاؤ اور اپنے آدمیوں کو حکم دے ڈالو۔ میں ان کی کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔''

''مجھے تمہارا رویہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا محسوس ہو رہا ہے'' میرے ساتھ خاصا وقت گزار کر وہ بڑی حد تک میرے موڈ اور

Downloaded from https://paksociety.com

مزاج کو سمجھنے لگا تھا۔

''نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔

''میں مان ہی نہیں سکتا'' اس کا لہجہ پرزور ہوگیا ''تم سنیل کے واقعے سے کچھ روٹھے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ وہاں کسی نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی تھی؟''

''تمہارے آدمی بہت مستعد' فرض شناس اور تمیز دار ہیں۔ ان سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ قاعدے قوانین سے مجھے ذرا سی الجھن اور گھٹن محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں ان کا عادی نہیں رہا۔ اس میں تمہاری کوئی خرابی نہیں ہے' یہ میری کمزوری ہے۔''

''او کے ڈیئر!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''دعا کرتے رہنا کہ آج کی رات سوبھراج کی آزادی کی آخری رات ثابت ہو۔''

''میری دعائیں تم سب کے ساتھ ہیں' گڈ لک!'' میں نے فون بند کر دیا۔

سلطان شاہ نے دوبارہ ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اسے روک دیا ''اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ سنیل نے وہ پتا بتا دیا ہے۔''

''اوہ!'' ویرا کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی ''اب میں سمجھی کہ تم دونوں کے درمیان کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ تم ان کے ساتھ شامل ہونے سے کیوں گریز کر رہے ہو؟''

''یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ اب کوئی اور بات کرو'' میں نے ناگواری سے کہا۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک کیا ہونے لگا ہے'' غزالہ نے پرتشویش لہجے میں کہا ''کل تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ آج ایسا نظر آ رہا ہے جیسے ہمارے سارے موثر رابطے ایک ایک کر کے ٹوٹتے جا رہے ہوں۔''

''کچھ نہیں۔ یہ سوبھراج کے ستاروں کی نحوست ہے جو ہمارے سروں پر بھی منڈلا رہی ہے'' سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا ''ایک بار اسے ٹھکڑیاں لگ جائیں گی تو سب حالات خود بخود ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے۔''

''سوبھراج گھیرے میں آ رہا ہے تو کل غزالہ کا کیا پروگرام رہے گا؟'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔

''وہ پروگرام اپنی جگہ برقرار ہے'' میں نے جواب دیا ''جب تک اس کی گرفتاری کی خبر نہیں آ جاتی' ہم اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔''

''سنیل کے پکڑے جانے کے بعد وہ اپنے محور سے ہل چکا ہے۔ اس کے بدترین انجام میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے'' ویرا نے کہا۔

''سوبھراج کا ہانکا شروع ہونے والا ہے۔ سنیل پکڑا گیا۔ اب شیبا کا کیا ہوگا؟'' غزالہ نے یکا یک بوجھل آواز میں پوچھا۔

''پہلے سلطان شاہ کو اس کی فکر لاحق ہوئی اب تم اس کے لیے پریشان ہو'' میں نے ہلکے سے استہزائیہ لہجے میں کہا ''وہ بے باک اور اوباش فطرت عورت ہے۔ اس کی فکر میں اپنی جان ہلکان مت کرو۔ وہ ہر صورت میں اچھی طرح وقت گزارتی رہے گی۔''

دیر ہو چکی تھی۔ ابرار کئی بار ڈرائنگ روم کے چکر لگا چکا تھا لیکن کسی نے اس کی بے چینی پر دھیان نہیں دیا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ اس وقت تک ہم نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ میں نے بات چھیڑی تو ہر ایک کو بھوک کا احساس ستانے لگا اور وہ محفل ہلچل کا شکار ہو گئی۔

ابرار میز پر برتن وغیرہ لگا چکا تھا۔ قاب میں سالن وغیرہ نکالنے کی دیر تھی۔ وہ تیاری ہو ہی رہی تھی کہ ویرا کے دل میں نہ جانے کیا بات آئی۔ وہ بازو پکڑ کر مجھے تقریباً کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم کے آخری کونے میں لے گئی۔

''تم کہہ رہے تھے کہ ایس ٹی ایف کے سارے عملے کو فیلڈ سے واپس بلا لیا گیا ہے'' اس نے تائید طلب سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں' اس میں ایسی رازداری کی کیا بات ہے؟'' میں نے جھنجلا کر پوچھا۔

''پھر یہ ابرار اور دین محمد یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس نے میری جھنجلاہٹ کو نظر انداز کر کے اپنا سوال کر ڈالا۔

ویرا کی وہ بات درست تھی۔ عملی طور پر وہ دونوں گھریلو کاموں میں ہم سب کی بہت زیادہ مدد کرتے تھے لیکن اصولی طور پر انہیں گھر کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔ رات کو ان میں سے ایک آدمی مسلح ہو کر چھت پر گشت کرتا رہتا تھا۔

''ہو سکتا ہے کہ اول خان نے ہماری ضروریات کی وجہ سے انہیں نظر انداز کر دیا ہو'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اس قسم کے بڑے فیصلے کیے جاتے ہیں تو لوگوں کی چھوٹی موٹی ضروریات کو سرے سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ایس ٹی ایف کو ختم نہیں کیا گیا۔ جو کچھ ہوا ہے' وہ ایک عارضی فیصلہ ہے۔ ایک دو روز میں ایس ٹی ایف کی ساری سرگرمیاں اپنے پرانے معمول پر آ جائیں گی۔''

''تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ فورس ختم کر دی گئی؟'' میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے ترشی سے پوچھا۔

''کسی نے نہیں کہا لیکن خبروں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ ابھی تک میں ابرار اور دین محمد کو بھولی نہیں تھی۔ ان کی موجودگی بتا رہی ہے کہ یہ تعطل عارضی ہے۔''

میں نے خود بھی اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا۔ ان دونوں کو ہمارے گھر آئے ہوئے اتنے دن ہو گئے تھے کہ وہ بھی گھر کے افراد بن گئے تھے۔ یہ بات ہر ذہن سے محو ہو چکی تھی کہ خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے انہیں ایس ٹی ایف سے عارضی طور پر ہمارے گھر بھیجا گیا تھا۔

''یہ جمود جلد از جلد ختم ہونا چاہئے۔ پتا نہیں اول خان کہاں مرا ہوا ہے۔ اس سے بات ہو تو کچھ پتا چلے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے غصے سے کہا۔

''یوں سن رسیدہ بیوہ کی طرح کلکلا کر اسے نہ کوسو!'' ویرا نے مجھے سمجھایا ''وہ یقینی طور پر کسی بڑے چکر میں الجھا ہوا ہے ورنہ خود ہی تم سے رابطہ کرتا۔''

میں اسے گھور کر رہ گیا۔ مجھے اول خان پر غصہ اس بات کا تھا کہ وہ کہیں پھنس ہی گیا تھا۔ تو اسے کم از کم ایک مختصر سی کال کر کے مجھے کچھ بتا دینا چاہئے تھا کہ میرے ذہن پر وہ بوجھ نہ رہتا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہمارا رابطہ کب بحال ہوتا تھا۔

کھانے کی میز پر بیٹھ کر میں نے دوسرا لقمہ لیا ہی تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میرا ذہن مسلسل اول خان کی طرف لگا ہوا تھا۔ میں نے موبائل فون جیب سے نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں اول خان کے موبائل فون کا نمبر آیا ہوا تھا۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی کرسی چھوڑ کر عجلت میں کال لی اور فون اپنے کان سے لگا لیا۔

''کل سے تم کہاں غائب ہو؟ کان تمہاری آواز سننے کو ترس گئے ہیں'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

حقیقت یہ تھی کہ جب سے مجھے ایس ٹی ایف کی بندش کی خبر ملی تھی' میرے ذہن میں اول خان کی طرف سے برے برے خیالات آ رہے تھے۔ فورس کے سربراہ کی کراچی میں موجودگی میری تشویش کا سب سے بڑا سبب تھی۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کراچی میں ہونے والی کسی گڑبڑ کے نتیجے میں وہ بڑا قدم اٹھایا گیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں فرائض سے غفلت برتنے کے کسی دوراز کار الزام میں اسے فورس کے زندان میں نہ ڈال دیا گیا ہو۔

''میں بہت بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اٹھارہ بیس گھنٹوں کے بعد اب گھر جانے کی آزادی ملی ہے تو میں تمہیں راستے سے فون کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں پھر وہیں لوٹ جاؤں گا'' اس کی آواز سے گہری تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔

''کچھ تو بتاؤ کہ تم کہاں پھنسے ہوئے ہو' یہ کیا چکر چلا ہوا ہے۔'' اس کی بات پوری ہوتے ہی میں نے مضطربانہ انداز میں کہا ''تمہارے دفتر میں بھی کوئی نیا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ تمہاری ملازمت بحال ہے یا تم معزول کر دیے گئے ہو۔''

''ابھی ایسی نوبت نہیں آئی'' تھکی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''مجھے تمہارا پیغام مل گیا تھا لیکن جنرل کی موجودگی میں' میں تم سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ کل سے وہ بھی میرے ساتھ کام میں جتا ہوا تھا' ہمیں سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔''

''اچھا! میں اس وقت تمہارے گھر آ رہا ہوں'' اس کی مبہم باتوں سے مجھے شدید الجھن ہو رہی تھی۔ میں جلد از جلد اس کی زبان سے ساری روداد سن لینا چاہتا تھا۔

''گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ صبح نو بجے اسٹیشن فور آ جاؤ۔ جنرل تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''تو کیا تم لوگوں نے وہیں اپنا ڈیرا جمایا ہوا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں لیکن کل صبح ہم وہیں ہوں گے'' اس بار بھی اول خان کا جواب مبہم تھا۔

''یہ بتاؤ کہ تم خیریت سے تو ہو نا..... کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟'' اس کے غیر واضح جواب مسلسل میرے اضطراب کو ہوا دے رہے تھے۔

''سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ صبح نو بجے کا وقت یاد رکھنا۔ یہ میری تجویز نہیں' جنرل کی ہدایت ہے۔ کام کا بوجھ ہلکا ہونے کے بعد وہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔''

''تم مطمئن رہو۔ میں نو بجے اسٹیشن فور پہنچ جاؤں گا'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

اول خان نے مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔

میں اس سے فون پر باتیں کرتا ہوا غیر ارادی طور پر ڈرائنگ روم میں نکل گیا تھا۔ فون جیب میں ڈال کر میں کھانے کی میز پر واپس پہنچا تو میرے اوپر سوالوں کی بھرمار ہو گئی۔

''تم یقین کرو کہ اس نے کوئی خاص بات نہیں بتائی۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ وہ کل سے بہت بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اب اسے کچھ دیر کے لیے گھر جانے کی چھٹی ملی ہے'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا ''اہم بات صرف ایک ہے کہ جنرل

Downloaded from https://paksociety.com

مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''وہ خود تو خیریت سے ہے نا'' ویرا نے جھلا کر پوچھا۔

''خیریت سے ہے مگر بری طرح تھکا ہوا ہے۔ اس کی آواز سن کر میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے'' میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''اس نے یہ نہیں بتایا کہ جنرل آپ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''کچھ نہیں' ایک لفظ نہیں بتایا۔ وہ میرے ہر سوال کو ٹال رہا تھا'' میں نے جواب دیا'' کاش! مجھے تمہارے اس سوال کا جواب معلوم ہوتا۔''

میز پر کھانے کے دوران میں اول خان کی ذات کے ساتھ ایس ٹی ایف ہمارا موضوع سخن بنی رہی۔ ہر بات قیاس آرائی پر مبنی تھی اور بے خبری کے دائرے میں گھوم رہی تھی۔ کسی کے پاس کسی سوال کا کوئی یقینی جواب موجود نہیں تھا پھر بھی گفتگو کا وہ سلسلہ زور و شور سے چلتا رہا۔

وہ باتیں ابرار کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ وہ عام گھریلو ملازمین کی طرح عقل سے کورا نہیں تھا۔ نیم فوجی ہونے کے ناتے بہت اچھی طرح سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ ان باتوں نے اس بے چارے کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ وہ مستعدی کے ساتھ میز کی ضروریات پوری کرتا رہا۔ اپنی پریشانی کے باوجود اس نے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سب اٹھ کر اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔ میں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔ ابرار نے مجھے فراغت سے سگریٹ نوشی کرتے دیکھا تو میز سمیٹنے کے بعد میرے پاس آ گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''صاحب! یہ ہماری فورس کو کیا ہوا ہے؟'' اس نے میرے قریب آ کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''باس اور چیف صاحب خیریت سے تو ہیں؟''

''سب خیریت سے ہیں۔ کہیں کچھ نہیں ہوا۔ تمہیں ہم لوگوں کی باتوں سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تمہارا باس اسلام آباد سے اچانک یہاں آ گیا ہے اور شہر سے سارے اسٹاف کو سمیٹ کر اسٹیشن فور میں بلا لیا گیا ہے۔''

''خدا خیر کرے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کل سے چیف صاحب بھی یہاں نظر نہیں آئے'' میرے جواب سے اس کی تشفی نہیں ہو سکی۔

''وہ باس کی آؤ بھگت میں لگے ہوئے ہیں۔ صبح میں ان دونوں سے ملنے جا رہا ہوں۔ کوئی پیغام ہو تو مجھے بتا دو۔ میں ان تک پہنچا دوں گا۔''

''صاحب! ہم چھوٹے آدمی ہیں۔ ان کو کیا پیغام بھیج سکتے ہیں۔ یہاں آپ جیسے شریف لوگوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ گھر کا آرام مل رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ ان سب پر اپنے فضل کا سایہ رکھے۔''

وہ سر جھکا کر واپس لوٹ گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے اپنی گفتگو سے اس سادہ لوح سپاہی کی ہر تشویش رفع کر دی تھی۔

اول خان کے بارے میں میری الجھن دور ہو چکی تھی۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جلال اور اس کے عملے کی طرف مبذول ہو گیا۔

جلال کے بارے میں میرے تازہ ترین تجربات بہت خوشگوار تھے۔ اس نے اپنے رویے سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک نفیس اور حساس طبع انسان تھا۔

میں نے صدف مینشن سے واپس آنے سے پہلے اس کے ماتحتوں کو اپنے فون نمبر لکھوا دیے تھے تاکہ وہ سہیل کے بارے میں ہونے والی کسی بھی پیش رفت سے براہِ راست مجھے آگاہ کر سکیں۔ اس دوران میں ان میں سے کسی نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ سہیل کی خاموشی ٹوٹنے کی خبر جلال نے خود فون پر دی تھی۔

یہ یقینی طور پر اس کی محتاط روی کا کمال تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ میں صدف مینشن سے بے مزہ ہو کر واپس آیا تھا۔ اس کا کوئی آدمی مجھ سے رابطہ کرتا تو میں اسے اپنی ہتک تصور کر سکتا تھا۔ جلال نے براہِ راست رابطے کے بارے میں میری ہدایت کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

اپنے آدمیوں سے کامیابی کی اطلاع ملنے پر اس نے خود مجھے اسلام آباد سے فون کیا تھا اور وہ خوش خبری سنانے کے بعد مجھ سے میری مرضی معلوم کی تھی۔

میں جتنی دیر ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرتا رہا' میرے دل میں جلال کے لیے عزت اور احترام کے جذبات میں اضافہ ہوتا رہا۔

میرا ذہن کہیں اور تھا لیکن میری نگاہیں ٹیلی وژن پر مرکوز تھیں جس پر رنگا رنگ تصاویر آ رہی تھیں لیکن اس کی آواز بند تھی۔

پھر اسکرین پر سوہنی براج کی تصویر ابھری تو میں نے قریبی تپائی سے ریموٹ اٹھا کر ٹیلی وژن کی آواز مناسب حد تک

Downloaded from https://paksociety.com

کھول دی۔

اسکرین پر ایک مذاکرے کے آغاز کا اعلان ہو رہا تھا' جس کا عنوان سیاسی افلاس تھا۔ پروگرام کے شرکا میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے پڑھے لکھے اور ممتاز شہری شامل تھے جو سوبھراج کے گھناؤنے کردار کی روشنی میں سیاسی عناصر کا جائزہ لینے کے لیے یکجا ہوئے تھے۔

پروگرام کا آغاز دلچسپ انداز میں ہوا۔ میزبان بہت نپے تلے اور محتاط انداز میں سوبھراج کے سیاہ کارناموں پر روشنی ڈال رہا تھا۔

پروگرام کے شرکا میں سے ایک صاحب سیاسی شعبے کے سرگرم ہم نوا تھے۔ میزبان نے جوں ہی سوبھراج کے لیے ممتاز سیاسی رہنما کے الفاظ استعمال کیے' انہوں نے اعتراض کر دیا کہ کسی فرد واحد کے مجرمانہ فعل کی وجہ سے کسی ایک طبقے یا برادری کو ملامت کا ہدف نہیں بنایا جا سکتا۔ جرم کو طبقاتی' لسانی' مذہبی یا گروہی حوالے کے بجائے ہمیشہ شخصی تناظر میں دیکھنا چاہئے۔ ایک فرد کے قبیح فعل کی وجہ سے کسی پورے گروہ کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ الزام کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو' الزام رہتا ہے۔ عدالت کی توثیق کے بغیر اسے جرم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ انہیں سوبھراج کے لیے مجرم سیاست داں کی اخباری اصطلاح پر سخت اعتراض تھا' جس سے سادہ لوح عوام گمراہ ہو سکتے تھے۔

میزبان کا ہوم ورک اچھا تھا۔ اس نے اپنے مسکت جواب سے ان صاحب کو لاجواب کر کے اپنی بات آگے جاری رکھی۔

سیاست داں کو کسی بھی ملک کا سب سے زیادہ باخبر شخص تصور کیا جاتا ہے۔ اگر سوبھراج ایک مدت سے جرائم میں ملوث تھا تو دوسرے سیاست داں اس کی حرکتوں سے کیوں بے خبر تھے۔ باخبروں کی وہ بے خبری ایک ہولناک کوتاہی تھی جس کی ذمے داری سے کوئی سیاست داں اپنا دامن نہیں چھڑا سکتا تھا۔

سوبھراج پر لگائے جانے والے الزامات کی فہرست طویل تھی لیکن اس نے اپنے دفاع میں قانون کا سامنا کرنے سے پہلے از خود نک کے قتل کا اعتراف کر لیا تھا۔ دیگر الزامات کے ثابت ہونے سے پہلے قتل کا اعتراف کر کے اس نے اقبال جرم کر لیا تھا۔ اس کے بعد اسے مجرم قرار نہ دینے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی تھی۔

وہ سلجھے ہوئے' باشعور لوگوں کی محفل تھی۔ بات دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ وہ پروگرام لمبا چلے گا۔ میری معلومات اس پروگرام سے کہیں زیادہ تھیں۔ سوبھراج کا قصہ الزامات کی حد تک بہت آگے جا چکا تھا۔ اس کا پیچھا کیا جا رہا تھا۔ اس کے بارے میں آئی بی والوں کی طرف سے کسی بھی وقت کوئی بڑی خبر آ سکتی تھی۔ میں نے ٹیلی وژن بند کیا اور آرام کے ارادے سے اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔

میں کپڑے بدل کر بستر پر دراز ہوا تو غزالہ کسی سلیقہ مند بیوی کی طرح اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے میرے پاس آ گئی۔ سرہانے بیٹھ کر اس نے میرے بالوں میں اپنی نرم وملائم انگلیاں پھیرنی شروع کیں تو میری پلکیں بوجھل ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

اس وقت صبح کے چار بجے کا عمل رہا ہوگا کہ موبائل فون کی مسلسل بجتی ہوئی تیز گھنٹیوں سے میری آنکھ کھل گئی۔

''خدا خیر کرے..... اس وقت کس کا فون آ گیا'' میرے کانوں میں غزالہ کی غنودہ آواز آئی۔ وہ مجھ سے پہلے بیدار ہو چکی تھی۔

''جلال کی کال ہوگی۔'' میں نے نیند سے بوجھل لہجے میں اسے جواب دیا اور فون پر کال لے کر اسے اپنے کان سے لگا لیا۔

''اب بہت ہو گیا۔ میں سب کو برباد کر دوں گا'' میرے کان میں سوبھراج کی غضب ناک آواز گونجی تو میری آنکھوں سے نیند کا سارا نشہ ہرن ہو گیا اور میں اچھل کر اپنے بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا' تم اس قدر اشتعال میں کیوں ہو؟'' میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوال کیا۔ اپنے فون پر اس کی آواز سنتے ہی مجھے آئی بی والوں کے مشن کی ناکامی کا پورا یقین ہو گیا تھا۔ وہ کامیاب ہو گئے ہوتے تو سوبھراج اپنا فون استعمال کرنے کے قابل نہ رہتا۔

''خوں خوار بھیڑیے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں مردانہ وار سامنے آ کر قانون کا سامنا کروں۔ یہ مجھے عدالت میں لے جانے سے پہلے مسل کر فنا کر دینا چاہتے ہیں۔ میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا' کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔''

''یہ سب باتیں تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟'' میں نے رسانیت سے پوچھا۔

''مجھے شبہ تھا کہ تم بھی میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہو اور ان کے لشکر میں شامل تھے'' اس کی آواز کا زور اسی طرح

Downloaded from https://paksociety.com

برقرار تھا ''میں نے ان کے نرغے سے نکلتے ہی تمہیں فون کیا تھا۔ وہ اندھیرے میں گولیاں برسا رہے ہیں اور دیوانہ وار مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے مگر اب میں ان کی پہنچ سے باہر نکل چکا ہوں' وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''اب میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہاری آواز میں نیند کا خمار ہے مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم کو اپنی بات کا پاس ہے۔ جب تک میں تمہارے دشمنوں کے لیے کام نہیں کرتا۔ تم مجھے بھولے رہو گے مگر میں پریشان ہوں کہ اس وقت آنے والے کون تھے۔''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں تمہاری گھنٹیوں کی آواز سن کر گہری نیند سے اٹھا ہوں'' میں نے نرمی سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

''وہ سرکاری آدمی ہی ہو سکتے ہیں مگر حیرت ہے کہ ان میں کوئی وردی والا نہیں تھا سب کے سب سادے کپڑوں میں تھے وہ چوروں کی طرح دیواریں کود کر مدن لال کے گھر میں گھسے تھے۔ آہٹوں سے میری آنکھ نہ کھلتی تو آج میرا کام تمام ہو گیا تھا۔''

رفتہ رفتہ اس کی آواز میں ٹھہراؤ آ رہا تھا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدن لال کے گھر سے نکل کر کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ شہر میں اس کے کتنے ہمدرد اور ہم نوا تھے جو ہر خطرہ مول لے کر اسے پناہ دینے کے لیے تیار تھے۔

اپنے بھگوان کا شکر ادا کرو کہ تم بچ گئے میں نے تمہاری طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں مگر یہ نہ بھولو کہ قانون کے محافظ پورے شہر میں تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں وہ کسی بھی وقت تمہیں پھر گھیر سکتے ہیں''

''ڈینی! تم تو ایسے منحوس کلمات اپنی زبان سے نہ نکالو اس شہر میں اب تم ہی ایسے اکلوتے آدمی رہ گئے ہو جس سے کھل کر اپنے دل کی بات کر سکتا ہوں''

''لیکن تم مجھ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ مجھ سے ملنے سے انکاری ہو''

''وہ میری مجبوری ہے خود کو میری جگہ رکھ کر سوچ لو تم میری مجبوری کے قائل ہو جاؤ گے'' ابتدائی تیزی دکھانے کے بعد اس کا لہجہ معمول پر آ گیا تھا۔

''تم اتنے مجبور بھی نہیں ہو۔ مدن لال نے تمہیں پناہ دی ہوئی تھی وہاں سے بھاگے تو کسی اور گھر نے تمہیں اپنی چار دیواری کی پناہ میں لے لیا'' میں نے کہا۔

''یہ گھر نہیں ہے'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''مدن لال کے گھر سے نکلنے کے بعد میں کنکریٹ کے ایک بہت موٹے پائپ میں چھپا بیٹھا ہوں' اب یہاں سے کہاں جانا ہوتا ہے لگتا ہے کہ اب ساری زندگی اسی بھاگ دوڑ میں بسر ہو گی۔''

''سرکاری آدمیوں نے مدن لال کے گھر کا کھوج کیسے لگا لیا؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ میں اس کی کہانی اس کی زبانی سننا چاہ رہا تھا۔

''یہ سب ایس ٹی ایف والے کرنل داور کا حرامی پن ہے'' کرنل داور کا ذکر کرتے ہوئے اسے ایک بار پھر غصہ آ گیا۔ وہ بولتا رہا ''وہ بہت دوغلا اور مکار آدمی ہے میں بنکاک میں تھا تو اس نے راج محل میں آ کر سنیل سے معافیاں مانگی تھیں۔ اب میرا وقت بگڑا تو اس نے مہیش اگروال بن کر سنیل کی آوارہ بیوی سے دوستی گانٹھ لی آج سنیل کسی ضروری کام سے اپنے گھر گیا تو کسی طرح کرنل کو بھنک مل گئی اور وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔''

''تو سنیل کہاں ہے؟'' میں نے بے ساختہ حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''داور بے خبری میں وہاں پہنچا تھا۔ اس نے میاں بیوی کو بے ہوش کر دیا' شیبا ہوش میں آئی تو داور اس کے پتی کو اپنے ساتھ لے جا چکا تھا۔''

''تم کو یہ باتیں کس نے بتائیں؟'' میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کہانی کی گم شدہ کڑیاں یک جا کرنا چاہ رہا تھا۔

''شیبا اس واقعے کی اکلوتی گواہ تھی۔ اس کے سوا اور کون بتاتا؟ سنیل کو اپنا کام کر کے دو چار گھنٹوں میں لوٹ آنا چاہئے تھا میں اس کے انتظار میں غصے سے کھولتا رہا۔ نہ جانے کس وقت میں سو گیا' آنکھ کھلی تو مدن لال کے گھر میں سرکاری ڈکیت گھسے ہوئے تھے۔''

''کیا سونے سے پہلے تم نے شیبا سے فون پر بات نہیں کی تھی؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''بس مجھ سے یہی چوک ہو گئی اس کتیا کی بچی کو میں نے ابھی فون کیا تھا تو اس نے اپنی کتھا سنا دی' پتا نہیں اسے داور سے یاری گانٹھنے کی کیا ضرورت تھی اس عورت کی ذرا سی لغزش نے مجھے برباد کر دیا۔''

''سنیل بھی بودا نکلا وہ اپنی زبان بند رکھتا تو کوئی تمہارے ٹھکانے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس سے مدن لال کے گھر کا پتا ملتے ہی کرنل داور نے وہاں چڑھائی کر دی۔''

''اپنی عورت کی کمائی کھانے والے بزدل ہوتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں نفرت اور حقارت رچی ہوئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"مار سہنا سنیل کے بس کی بات نہیں تھی۔ اب وہ میرے سامنے آیا تو میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن کاٹ دوں گا۔"

"تم سرکاری آدمیوں کے بارے میں بلاوجہ پریشان ہورہے ہو' ساری بات بہت سیدھی ہے سنیل کو کرنل دادر اٹھا لے گیا تھا تو پھر مدن لال کے گھر پر ایس ٹی ایف والے ہی پہنچے ہوں گے۔ اب وہ بھی تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' شاید پریشانیوں سے میری عقل الٹ گئی ہے جو اتنی آسان باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔ میں نے تم کو اپنا ہمدرد سمجھ کر فون کیا ہے میں نے تنہائی میں بہت سکون سے تمہاری پچھلی باتوں پر غور کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم واقعی میرے بہی خواہ ہو تم کو معلوم تھا کہ میں نے ایئرپورٹ پر زخمی ہونے کے بعد سنیل کے گھر پناہ لی ہوئی تھی۔ تم نے مجھے دو دن کی مہلت دی ہوئی تھی اس لیے تم نے مجھے بالکل نہیں چھیڑا' نک کو میں نے دوست سمجھا اور اس نے مجھے دغا دی۔ میری پناہ گاہ کا پتا چلتے ہی اس نے دو قاتل کمانڈو میری طرف دوڑا دیے اگر تم بروقت مجھے ..... اس خطرے سے ہوشیار نہ کرتے تو اس دن میرے لیے بہت بڑی مشکل کھڑی ہوسکتی تھی۔"

"مشکل کی بات نہیں تھی وہ غفلت میں تمہارا کام تمام کردیتے' اس روز تمہیں نئی زندگی ملی تھی یہ باتیں سمجھ میں آجانے کے بعد تمہیں مجھ سے نہیں ڈرنا چاہیے۔"

"میں تم سے نہیں اپنے برے وقت سے ڈرتا ہوں۔ سنیل کے غائب ہوجانے کے بعد میں خود کو بہت اکیلا محسوس کررہا ہوں لیکن میرا حوصلہ برقرار ہے یہ بتاؤ کہ کبھی تم تو مجھ سے دھوکے بازی نہیں کرو گے۔"

"میں کچھ نہیں کہوں گا یہ باتیں آنے والا وقت ثابت کرے گا میری یہ بات یاد رکھنا کہ میں اپنے شہر میں کوئی دہشت گردی برداشت نہیں کروں گا" میں نے سرد لہجے میں کہا' "ابھی تم غصے کی رو میں سب کو برباد کرنے کی باتیں کررہے تھے!"

"وہ میرے دشمنوں کا ذکر تھا" اس نے عجلت سے وضاحت کی "میری طرف سے شہر میں کچھ نہیں ہوگا دوسرے کچھ کرگزریں تو میں اس کے لیے جواب دہ نہیں ہوں گا"

"تم تنہا ہو..... قانون سے کب تک بھاگتے رہو گے؟"

نیند کے اثرات زائل ہونے کے بعد مجھے اپنے اس حریف سے لچھے دار باتوں میں لطف آنے لگا تھا۔

"جب تک میرے دم میں دم ہے' میں بھاگتا اور بھگاتا رہوں گا" وہ دعوا کرتے ہوئے اس کی آواز پُرعزم ہوگئی "سنیل کے پکڑے جانے کے بعد میں تنہا ضرور ہوگیا ہوں لیکن اس کا ایک فائدہ بھی ہوا ہے۔ میں کسی اور کی غلطیوں کا خمیازہ نہیں بھگتوں گا جو کروں گا' صرف اسی کی فکر ہوگی۔"

"کنکریٹ کے پائپ میں پناہ لینے کے بعد تمہاری سوچ حقیقت پسندانہ ہوگئی ہے" میں نے ہلکے پھلکے' تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"مذاق مت سمجھو' یہ بات درست ہے" اپنی پریشانی کے باوجود میرے مذاق کو سمجھ گیا "راج محل میں رہ کر زندگی بہت حسین اور آسان نظر آتی تھی اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اب ہورہا ہے۔"

"کہو تو میں تمہارے لیے کوئی ٹھکانا تجویز کروں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ڈینی! ابھی وہ وقت نہیں آیا" اس نے دوٹوک الفاظ میں میری پیشکش مسترد کردی۔ "میں کہہ چکا ہوں کہ اب میں دوسروں کی غلطیوں کا خمیازہ نہیں بھگتوں گا' اپنے فیصلے خود کروں گا بعد میں یہ خلش نہیں ہوگی کہ دوسروں نے مجھے مروا دیا۔"

"یہ تمہاری مرضی ہے میرے دروازے تمہارے لیے کھلے رہیں گے۔"

اس سے گفتگو کے دوران یہ نکتہ مسلسل میرے ذہن میں چبھ رہا تھا کہ مسز شیر دل سے ملے ہوئے فون نمبر کے ذریعے نرمل کمار کا نام سامنے آیا تھا۔ سوبھراج نے مدن لال کے گھر پر نامعلوم افراد کے شب خون کی کہانی سنائی تھی۔ دونوں ناموں میں زمین آسمان کا فرق تھا' ایک کمار تھا اور دوسرا لال' ہندوؤں کے خاندانی نام میں وہ فرق غیر معمولی تھا۔

سوبھراج کو ہر طرف سے گھیرنے کی کوششیں جاری تھیں۔ اداروں کے پاس قانون کی قوت تھی میں اسے دوستی کا سراب دکھا رہا تھا۔ اس وقت میں اس سے کوئی ٹیڑھا سوال کرکے اسے بھڑکانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

نرمل کمار اور مدن لال' مسز شیر دل کو رقم پہنچانے والے شخص کی شناخت اور شیر دل کے جانشین وغیرہ کے سوالات ایسے تھے جن پر سوبھراج سے میری بات نہیں ہوسکتی تھی۔

"فی الحال مجھے تمہارے کھلے دروازوں سے زیادہ تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہے' تم میرا ایک کام کردو تو اس کام میں تم کو اپنی محنت کا انعام بھی مل جائے گا۔"

سوبھراج کی وہ پیشکش سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے میں اس کا اعتماد جیتنے کا کوئی موقع ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''کیا کام ہے؟'' میں نے کسی اشتیاق کے بغیر' سرسری لہجے میں پوچھا۔

''شیبا کو اٹھوالو' آج کی ساری مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے جب تک چاہو اسے اپنی داسی بنا کے رکھو' خود موج کرو' دوستوں کو موج کراؤ میں پلٹ کر کچھ نہیں پوچھوں گا دل بھر جائے تو اس کی گردن مروڑ کر اسے کسی گندے نالے میں پھینک دینا۔''

''ڈینی عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا'' میں نے صاف انکار کر دیا۔

''تمہاری مرضی!'' میرا جواب سن کر اس نے اصرار نہیں کیا'' اس وقت میرے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ مدن لال کے گھر پر آنے والوں میں تم شامل نہیں تھے' مجھے جیسے ہی کوئی ٹھکانا مل گیا' میں تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا تم سے بات کر کے دل کو ڈھارس سی ہوتی ہے۔''

اپنی بات پوری کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

''اسے اتنی رات گئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' غزالہ نے خمار کے سرخ ڈوروں سے بوجھل نگاہیں میرے چہرے پر جما کر سوال کیا۔

''اس کی کمین گاہ پر منظم حملہ ہوا ہے مجھے حیرت ہے کہ سوبھراج کیسے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اس وقت وہ یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں حملہ آوروں میں تو شامل نہیں تھا۔''

''شاید وہ سٹھیا گیا ہے!'' غزالہ چڑ کر بولی'' یہ جان کر اسے کیا ملے گا۔''

''ابھی تک وہ مجھے اپنا ہمدرد سمجھ رہا ہے'' میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر کہا'' اے تھوڑا سا تذبذب ہے وہ اسے دور کرنا چاہتا ہے۔''

''جو دشمنی سے زیر نہ ہو رہا ہو اسے دوستی کی آڑ میں گھیر لینا چاہئے' آپ نے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا ہے آخر کار وہ آپ سے دھوکا کھائے گا۔''

درمیان میں نیند خراب ہونے کی وجہ سے غزالہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں لیکن اس کی نیند غائب ہو چکی تھی ہم دونوں ٹانگوں پر کمبل ڈال کر مسہری کے سرہانے سے ٹک کر بیٹھ گئے میں نے ایش ٹرے گود میں رکھ کر سگریٹ سلگالی۔

کچھ دیر تک ہم دونوں سوبھراج کے بارے میں باتیں کرتے رہے پھر اچانک مجھے جلال کا دھیان آ گیا۔ سوبھراج کو مدن لال کے گھر سے فرار ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی مگر جلال کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ میرے لیے دو تا خیر تشویش کا باعث تھی۔

غزالہ ہمارے معاملات میں اکثر و بیشتر خاموش رہا کرتی تھی' میں نے بارہا دیکھا تھا کہ وہ جب بھی لب کشائی کرتی تھی' اس کی بات میں کوئی جھول نہیں ہوتا تھا وہ تول کر بولنے کی عادی تھی جلال کی طرف سے اطلاع میں تاخیر کے اسباب اس کے لیے قابل فہم تھے۔

سوبھراج اس واقعے کا ایک اور اکلوتا فریق تھا۔ اس کے ساتھ کوئی لاؤ لشکر نہیں تھا۔ وہ پھنس جاتا تو پکڑا جاتا۔ قصہ ختم ہو جاتا یہ اس کی قسمت کی خوبی تھی کہ وہ مدن لال کے گھر سے آئی بی والوں کی آنکھ بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ بولایا ہوا تھا۔ اس نے کنکریٹ کے پائپ میں پناہ لیتے ہی مجھے فون کر ڈالا لیکن آئی بی والوں کا معاملہ مختلف تھا۔

سوبھراج کے بیان کے مطابق وہ بڑی نفری لے کر وہاں پہنچے تھے۔ گو اصل مجرم بچ نکلا تھا مگر وہ جب تک گھر کا ایک ایک حصہ نہ چھان مارتے' ان کے لیے یہ باور کرنا مشکل تھا کہ وہ ناکام ہو چکے ہیں۔

اس گھر کے مکینوں کے ساتھ فائرنگ کے تبادلے کے بعد... گھر کی مکمل تلاشی اور پھر باجماعت واپسی کے لیے انہیں وقت درکار تھا۔ ان کا سربراہ اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچنے کے بعد جلال کو اپنی رپورٹ سے آگاہ کرتا تب جلال مجھے کچھ بتا سکتا تھا۔

وہ سلسلہ مکمل ہونے کے لیے خاصا وقت درکار تھا' ہمیں صبر کے ساتھ انتظار کرنے کی ضرورت تھی' غزالہ کی اس وضاحت پر میں نے اپنی زبان بند کر لی لیکن میرے وجود میں اضطراب کی لہریں کروٹیں لیتی رہیں۔

سوا پانچ بجے جلال کا فون آ گیا اس کی آواز بے جان اور مرجھائی ہوئی تھی'' زبردست چوٹ ہو گئی وہ سب کو جل دے کر نکل گیا۔''

''لیکن یہ کیسے ممکن ہوا؟'' میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

''یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے'' اس کی آواز تلخ ہو گئی'' ہم دونوں بھی وہاں موجود ہوتے تو شاید اس غلطی کو رونما ہونے سے نہیں روک سکتے تھے۔ بس یہ کہہ لو کہ آج کی رات اس کے ستارے اس کی یاوری کر رہے تھے۔''

''سنا ہے کہ وہاں گولیوں کا تبادلہ بھی ہوا ہے!'' میں نے اپنے ابتدائی سوال کو ترک کر کے سرسری لہجے میں کہا۔

جلال وہ فقرہ سن کر چونک پڑا'' تم نے کس سے سن لیا مجھے ابھی ابھی کراچی سے رپورٹ ملی ہے وہ فون بند کر کے میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔''

''کافی دیر پہلے سوبھراج کا فون آیا تھا' وہ بہت بپھرا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوا تھا۔''

''اپنے فرار کے بارے میں وہ کیا کہہ رہا تھا؟'' جلال کی آواز میں اضطراب سمٹ آیا۔

''میں اس پر جرح نہیں کر سکا' میں اس سے دوستی کا سوانگ چلا رہا ہوں وہ سلسلہ آج کی گفتگو میں بھی جاری رہا۔ وہ کہہ رہا تھا اور میں سن رہا تھا۔''

''وہ آپریشن کی ابتدا میں ہی نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ احاطے میں کودنے کے بعد انہوں نے اصل عمارت کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ سرونٹ کوارٹر کو سب نے نظر انداز کر دیا' وہ وہیں چھپا ہوا تھا۔ مدن لال نے ڈاکوؤں کی آمد کا کھٹکا محسوس کر کے ہوائی فائر کیا تو سب نے پوزیشن لے کر ساری توجہ عمارت پر مرکوز کر دی' گولیاں چلنے لگیں اور اسی افراتفری میں سوبھراج خاموشی سے نکل بھاگا۔''

''یہ اس کی ذہانت تھی کہ اس نے پورا گھر چھوڑ کر سرونٹ کوارٹر میں رہنا پسند کیا تھا۔ یہ کیسے اور کب پتا چلا کہ وہ وہاں تھا۔''

''کچھ دیر فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ قانون کے نام پر گھر والوں نے گھبرا کر فائرنگ روک دی' سارے گھر کی تلاشی لینے کے بعد کچھ بھی ہاتھ نہ آیا تو مدن لال سے سوبھراج کے بارے میں پوچھا گیا اس کی نشان دہی پر سرونٹ کوارٹر کا رخ کیا گیا اور وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ یہ وہاں کی کل کہانی ہے اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں تھا۔''

''یہ بات سنیل نے دانستہ چھپائی ہو گی وہ سوبھراج کے ساتھ وہیں رہ رہا تھا'' میں نے کہا'' اب اسے اس کے کیے کی مناسب سزا ملنی چاہیے یہ بات کسی کے ذہن میں نہیں آ سکتی تھی کہ سنیل سے گھر کے اس حصے یا کمرے کے بارے میں پوچھا جائے جہاں وہ دونوں روپوش تھے۔''

''غنیمت ہے کہ یہ بات آسانی سے تمہاری سمجھ میں آ گئی۔ سب کچھ بھی ہا ہوئی اس مشن کی ناکامی پر خفت محسوس کر رہا ہوں۔''

''یہ بے کار باتیں ہیں کام میں اونچ نیچ چلتی رہتی ہے' یہ بتاؤ کہ وہاں سے نرمل کمار نامی کوئی شخص ہاتھ آیا یا وہ بھی نکل گیا۔''

''وہاں سے سوبھراج کو پناہ دینے کے جرم میں صرف دو مرد گرفتار کیے گئے ہیں' مدن لال اور اس کا بیٹا نرمل کمار دونوں صدف میشن پہنچائے جا چکے ہیں۔''

''گڈ' مجھے خلش ہے کہ دونوں کے آخری نام مختلف کیوں ہیں۔ ہو سکے تو یہ بات معلوم کر کے مجھے ضرور بتانا میں بے چین رہوں گا۔''

''کل بلکہ آج سورج طلوع ہونے کے بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا میرے آدمی ناکامی کی جھنجلاہٹ میں ان سے کھایا پیا تک اگلوا لیں گے تم یہ بتاؤ کہ اب سوبھراج کیا سوچ رہا ہے۔''

''وہ بڑے بول بول رہا ہے لیکن اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے' مجھ پر پورا یقین نہ ہونے کے باوجود وہ مجھ سے دوستی بڑھانے کا خواہاں ہے۔''

''یہ کہو کہ اب وہ خود اپنی قبر کھود رہا ہے۔'' وہ اطلاع جلال کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوئی ''معلوم ہو رہا ہے کہ اس کے تابوت میں آخری کیل تم ہی ٹھوکو گے۔ سوبھراج کا معاملہ طول پکڑ گیا ہے اب اسے جلد ختم ہونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ مایوسی کے عالم میں دوبارہ تخریبی کارروائیوں کا سلسلہ شروع کر دے۔''

''ابھی تک وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اس سے میرا دو طرفہ سمجھوتا ہے اس نے شہر میں دہشت گردی کی کوئی حرکت کی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔''

''ہم سب اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں دیکھنا ہے کہ کون پہلے کامیاب ہوتا ہے' آج ہم نے اسے پکڑنے کا ایک بہترین موقع گنوا دیا ہے۔''

''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ جلد ہی وہ ہمارے دام میں آ جائے گا۔''

''اول خان کی کیا خیر خبر ہے؟'' قدرے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔

''ابھی تک مکمل بلیک آؤٹ ہے صبح شاید کچھ معلوم ہو سکے گا۔'' میں نے گول مول جواب دیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کے وہ معاملات کتنی رازداری کے متقاضی تھے۔ ناواقف ہونے کی صورت میں زبان کا بند رہنا زیادہ مناسب تھا۔

''ان کا باس کراچی میں ہے خبر ہیں سے ملے گی کوئی اہم بات ہو تو فوراً مجھ سے رابطہ کر لینا میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔''

ناکامی کی وجہ سے جلال کا موڈ اچھا نہیں تھا۔ میرا ذہن بھی انتشار کا شکار ہو چلا تھا ہم نے کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

ایک بار نیند خراب ہو جائے تو دوبارہ سونا مشکل ہو جاتا ہے' میں دیر تک بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ غزالہ نے مجھ سے پہلے ہتھیار ڈال دیے تھے وہ منہ ہاتھ دھونے کے بعد میری الماری سنوارنے

Downloaded from https://paksociety.com

میں مصروف ہوگئی تھی۔

کافی دیر تک ناکام کوششوں کے بعد میں نے بھی بستر چھوڑ دیا۔ ایس ٹی ایف کے آدمیوں میں سے کسی کی نیند خراب کرنے کے بجائے میں نے غزالہ کو ناشتا تیار کرنے کی ہدایت کی اور خود غسل خانے میں گھس گیا۔

نیم گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں میں دیر تک نہانے کے بعد تازہ دم ہوکر باہر نکلا تو رہا سہا خمار بھی جاتا رہا تھا۔

کھڑکی سے باہر فضا میں صبح کا ملگجا اجالا پھیلنا شروع ہوگیا تھا ہر طرف سے پرندوں کے چہچہانے کی خوشگوار آوازیں آرہی تھیں میں لباس تبدیل کرکے کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس وقت تک اخبارات نہیں آئے تھے ہم دونوں نے ٹیلی ویژن آن کرکے اطمینان سے ناشتا کیا۔ ویرا اور سلطان شاہ اپنے کمروں کے دروازے بند کئے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا' منہ اندھیرے اٹھنے میں ہم دونوں کی مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا لیکن وہ تجربہ بہت خوشگوار ثابت ہوا تھا' طبیعت بہت بشاش اور تازہ تھی۔

پھر اخبارات بھی آگئے میں نے پہلے اور آخری صفحات پر سرسری نظریں دوڑائیں تو کہیں کوئی کام کی خبر نہیں تھی۔ ایک اچھی بات یہ تھی کہ سوبھراج کے خلاف اس روز کی اشاعت میں بھی کچھ مواد شامل تھا۔ اخبارات نے تسلسل کے ساتھ اس موضوع کو زندہ رکھا ہوا تھا۔

مجھے اول خان اور اس کے باس سے ملنے کے لیے نو بجے اسٹیشن فور پہنچنا تھا۔ ہمارے گھر سے وہاں تک کی مسافت مشکل سے دس پندرہ منٹ کی تھی۔ میرے پاس وقت کی کمی نہیں تھی' اس سے پہلے کہ گھر میں کوئی اور بیدار ہوتا، میں نے آٹھ بجے گھر چھوڑ دیا۔

اسٹیشن فور پہنچنے کے لیے میرے پاس کافی وقت تھا۔ اس وقت شہر کی طرف جانے والے راستے پر ہر قسم کی گاڑیوں کا بہت ہجوم تھا۔ ہر شخص کو دکان یا دفتر پہنچنے کی عجلت تھی۔ اس کے برعکس کراچی یونیورسٹی کی طرف جانے والی سڑک پر ٹریفک کی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔

ٹریفک زیادہ ہو تو کراچی کی سڑکوں پر کوئی اپنی مرضی سے ڈرائیونگ نہیں کرسکتا۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آنے والے ہر شخص کو ایک لگی بندھی اور بے تکی رفتار سے مخصوص سمت میں چلنے پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔

کہیں بس اور منی بس والے مسافروں کو اتارنے یا چڑھانے کے لیے مصروف سڑک کے عین وسط میں بریک لگا دیتے ہیں اور پیچھے آنے والی ٹریفک کی قطار یکا یک دور تک منجمد ہوکر رہ جاتی ہے۔ ہارن بجائے جاتے ہیں، گالیاں دی جاتی ہیں، خون سلگایا جاتا ہے لیکن اگلی بس یا منی بس اپنا من مانا ہدف حاصل کیے بغیر اپنی جگہ سے نہیں سرکتی۔ ایسی بے لگام گاڑیوں سے اترنے والے مسافر کترا کر گزرنے والے ٹریفک میں ہراساں کھڑے رہتے ہیں پھر اولین موقع پاتے ہی دوڑ لگا کر فٹ پاتھ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اکثر خوش نصیب زندگی کی اس دوڑ میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور زندہ بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جن کا نصیب ساتھ نہ دے وہ کسی اور تیز رفتار، بے لگام گاڑی کی زد میں آکر اتنی بری طرح روندے جاتے ہیں کہ اگلے روز ان کی تصویر سیاہ حاشیے کے ساتھ اخباروں کی زینت بنتی ہے۔ شہر میں یہ آئے دن ہوتا ہے۔ ٹریفک پولیس کی ناک کے نیچے ہوتا ہے لیکن ان میں سے بیشتر کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ وہ حساس مقامات سے آگے اپنے مورچوں پر جمے رہتے ہیں جہاں ٹریفک کی نام نہاد خلاف ورزیوں کے نام پر چالان کی دھمکی دے کر مال غنیمت بٹورا جاتا ہے۔

اس وقت میری سڑک پر ایسی کوئی صورت حال درپیش نہیں تھی۔ میں سڑک کے بائیں سرے پر آرام سے گاڑی چلاتا رہا تاکہ وقت گزار سکوں۔

میری وہ محتاط اور محفوظ ڈرائیونگ ٹریفک پولیس کے ایک افسر کو پسند نہیں آئی۔ وہ ناگہانی طور پر اپنی موٹر سائیکل پر کہیں سے نمودار ہوا۔ سائرن بجاتا ہوا میرے برابر سے گزرا اور اشارہ دے کر مجھے روک لیا۔

وہ ایک ناگہانی افتاد تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے کسی قاعدے یا ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا اس افسر کی آمد کا منتظر رہا لیکن موصوف فرعون کے کوئی قریبی عزیز تھے۔ انہیں میری بے نیازی پسند نہیں آئی۔

اس نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کرکے نہایت درشت لہجے میں مجھے بلایا۔ وہ زبان کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ بھی نہ کرتا تو مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ مجھے بلا رہا تھا۔ ایسی تحقیر اور ذلت کے ساتھ کبھی میرے دشمنوں نے بھی مجھے نہیں بلایا تھا!

مجھے غرور نہیں تھا لیکن اس بات سے خوشی ضرور ہوتی تھی کہ میں ملک و قوم کی بساط بھر خدمت کررہا تھا۔ سرکاری افسران مجھے ضرورت سے زیادہ عزت دیا کرتے تھے لیکن لوگوں کے ٹیکس پر پلنے والے ایک ٹریفک افسر نے نامعلوم

Downloaded from https://paksociety.com

وجوہ کی بنا پر لمحہ بھر میں مجھے یہ احساس دلا دیا تھا کہ میں اس کی نظروں میں بہت حقیر اور کم تر تھا۔

''میں اتر کر اس کے قریب پہنچا تو اس نے گاڑی کے کاغذات اور میرے ڈرائیونگ لائسنس کا مطالبہ کیا۔ میں نے نرم لہجے میں اپنا قصور جاننے کی خواہش کی تو اس کی زہریلی زبان مشینی انداز میں چل پڑی۔

اسے میری ڈرائیونگ ناقص، خطرناک اور اناڑیوں جیسی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اپنی فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے نہ روکتا تو اسے ڈر تھا کہ میں گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھا کر کسی راہ گیر کو کچل دیتا۔

میں نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا کہ میں ڈرائیونگ سے لطف اندوز ہونے کے لیے سست روی کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن وہ نہ مانا۔ رجسٹریشن بک اور لائسنس پر قابض ہونے کے بعد اس نے چالان کاٹنے کے بجائے مجھے اس کے مضمرات سے ڈرانا شروع کر دیا۔ عدالت میں خواری اور پھر کاغذات کی گمشدگی کے اندیشے ظاہر کیے۔

اس کا مدعا صاف ظاہر تھا کہ میں ان مصائب سے گلوخلاصی کے لیے اسے نذرانہ دینے کی معقول پیش کش کروں اور مک مکا کر کے اپنی راہ لوں۔

سوبھراج جیسا توی اور بارسوخ شخص میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا لیکن اس پولیس والے نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ میرے ذہن پر بھی ضد سوار ہو گئی تھی کہ میں اسے رشوت نہیں دوں گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے کاغذات کے ساتھ لائسنس بھی رکھ لیا اور کئی دفعات کے تحت میرا چالان کر کے پرچہ مجھے تھما دیا۔

میں نے ان میں کسی ایک چیز کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے بے رخی سے کہا کہ کاغذات عدالت میں پیشی کی ضمانت کے طور پر رکھے گئے تھے۔ لائسنس پر جعلی ہونے کا شبہ تھا۔ متعلقہ برانچ سے تصدیق کے بغیر وہ واپس نہیں دیا جا سکتا تھا۔

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور دوبارہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

اس نے میرا کافی وقت برباد کر دیا تھا۔ اس بار میں سست روی ترک کر کے اپنی گاڑی سڑک کے وسط میں لے آیا تاکہ ایک ہی جرم میں دوسرے چالان کی نوبت نہ آ سکے۔

میں گھر سے بہت خوش گوار موڈ میں روانہ ہوا تھا۔ اس پولیس افسر نے میرا موڈ غارت کر دیا تھا۔ غیر ارادی طور پر میرا وہ غصہ گاڑی کے کلچ پر زوں پر اتر رہا تھا۔

میں کراچی یونیورسٹی کے بارونق گیٹ سے کچھ آگے نکلا تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے جلدی سے موبائل نکال کر کان سے لگا لیا۔

ہر مہذب ملک میں حادثات سے بچنے کے لیے ڈرائیونگ کے دوران موبائل فون کے استعمال کو جرم تصور کیا جاتا ہے لیکن کراچی بلکہ پاکستان میں وہ فیشن اور اسٹیٹس سمبل تھا۔ اس وقت تک اس فعل کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا تھا۔

وہ کال جلال کی تھی۔ وہ اچھے موڈ میں مجھ سے اول خان کی خیریت پوچھ رہا تھا۔

''اس وقت میں اسی سے ملنے جا رہا ہوں۔'' ان آخری لمحات میں، میں نے اس سے کچھ چھپانا مناسب نہ سمجھا۔ صبح سویرے میں اسے ٹال چکا تھا۔

''وہ خیریت سے تو ہے نا؟ اس کا موبائل مسلسل بند ہے۔ میں کئی بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن فون پر ریکارڈنگ آ رہی ہے۔''

میں نے زیادہ معلومات کا اظہار نہیں کیا اور سرسری لہجے میں کہا ''بعض اوقات نیٹ ورک مصروف ہوتا ہے تب بھی یہی ریکارڈنگ سنائی دیتی ہے۔''

''اسے میرا پیغام دے دینا۔ وقت ملے تو مجھ سے ضرور بات کرے۔ غیر مصدقہ خبروں نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔'' اس کی آواز سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

''فکر نہ کرو۔ تمہارا پیغام اس تک پہنچ جائے گا۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم منہ اندھیرے سے جاگ رہے ہو۔ کیا حال ہے تمہارا؟'' اچانک اسے یاد آ گیا کہ اس نے میری مزاج پرسی نہیں کی تھی۔

''حال ٹھیک ہے، چال بگڑی ہوئی ہے۔ ابھی ابھی چالان ہوا ہے میرا۔'' زخم تازہ تھا اس لیے وہ بات بے ساختہ میری زبان پر آ گئی۔

''تمہارا چالان ہو گیا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا ''مگر کیوں؟''

''سست رفتاری کے جرم میں رجسٹریشن بک ضبط ہو چکی ہے۔ لائسنس، پر جعلی ہونے کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے لہٰذا وہ بھی... فی الحال سرکاری تحویل میں چلا گیا ہے۔''

''کس بے ایمان نے چالان کیا ہے تمہارا۔ مجھے نام بتاؤ اس کا۔'' جلال کو غصہ آ گیا۔

''نام نہیں معلوم۔ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ اچھا خاصا بدزبان افسر تھا۔''

''پوچھنے کیا کیا ضرورت تھی۔ ہر پولیس والے کے سینے

Downloaded from https://paksociety.com

پر اس کے نام کا ٹیگ ہوتا ہے۔''

''اس کا ٹیگ نہیں تھا۔ تم اس چکر میں نہ الجھو۔ جو دوسروں کے ساتھ دن رات ہوتا رہتا ہے، وہ میرے ساتھ بھی ہوگا۔ جرمانہ دے کر دونوں چیزیں واپس مل جائیں گی۔''

''میں کیسے نہ الجھوں۔'' وہ بپھر گیا۔ ''دوسروں میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ میں اسے معطل کرادوں گا۔ اس نے تمہیں روکنے کی جرأت کیسے کی۔''

''تم بلاوجہ اس پر برہم ہو رہے ہو۔ میرے ماتھے پر کہیں نہیں لکھا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ اس کا دل چاہا اور اس نے مجھے روک لیا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات نہ ہوں تو یہ کیسے پتا چلے کہ میں پاکستان میں ہوں۔ یہ چلتا ہے۔ اسے چلنے دو۔ یہ بتاؤ کہ نرمل کمار اور مدن لال کا کیا رہا۔''

''میرا خون کھول رہا ہے خیر! میں کراچی آ کر یہ معاملہ دیکھوں گا.....''

''تم کس کس معاملے کو دیکھو گے۔'' میں نے قطع کلامی کر کے کہا ''یہاں تو آدے کا آدا ہی بگڑا ہوا ہے۔ سب سدھریں گے تو ہماری پولیس بھی سدھر جائے گی۔''

''وہ دونوں باپ بیٹے ہی ہیں۔'' قدرے توقف کے بعد فون پر جلال کی آواز آئی ''اس کا اصل خاندانی نام نرم لال تھا۔ اس نام کی وجہ سے اسکول کے ساتھی اس کو اکثر چڑاتے رہتے تھے، اس نے اپنا نام بدل لیا۔''

''ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ شاید تمہیں چوپڑا یاد ہو۔ وہ بدھو لال چوپڑا تھا۔ ترقی کی تو وہ بی ایل چوپڑا بن گیا۔ یہ بھی این لال بن سکتا تھا۔''

''یہ جنریشن گیپ اور توہم پرستی کے مسائل ہوتے ہیں۔ پرانے ہندو جنم پتری دیکھ کر شگون لینے کے بعد نام رکھتے ہیں جو آج کل کے لڑکوں کی پسند پر پورے نہیں اترتے۔ اب یہ بدھو لال بھی کوئی نام ہوا مگر ان کے یہاں ہوتا ہے۔''

''تم نے میری الجھن دور کردی۔ مجھے ڈر تھا کہ تم یہ نکتہ بھول جاؤ گے۔''

''میں تمہاری کہی ہوئی بات نہیں بھولتا۔ تم کو نرمل کمار کا نام کہاں سے مل گیا؟''

''ہم نے اس پر کام شروع کیا ہوا تھا.....''

''میں نے بولنا شروع کیا تھا کہ اس نے میری بات کاٹ دی اور کہا'' مجھے معلوم ہے کہ نرمل کمار کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کے لیے تم واپس جانے کے بعد خاص طور پر دوبارہ صدف مینشن میں آئے تھے۔ اس وقت اپنے آدمیوں کی رپورٹ سن کر میں اس نام کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکا تھا۔ میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں اس کا سراغ کہاں سے ملا تھا۔''

''شیر دل کی بیوی سے اس کے دفتر کا فون نمبر ملا تھا۔''

میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا ''اگر تمہارے آدمی سہیل کو زبان کھولنے پر مجبور نہ کر دیتے تو ہم تھوڑی سی محنت کے بعد نرمل کے گھر تک پہنچ سکتے تھے۔ تمہارے آدمیوں کی کامیابی کے بعد ہم نے اپنی کارروائی منسوخ کردی۔ ہم اتنی تیزی سے وہاں نہیں پہنچ پاتے۔''

''شیر دل کی بیوی تم لوگوں سے کہاں ٹکرا گئی؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

''یہ لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ویرا کے ذہن کی اپج تھی۔ وہ پریشان تھی کہ شیر دل کی لاش مردہ گھر میں لاوارث کیوں پڑی ہوئی ہے۔ اس کے بیوی بچے کہاں ہیں۔ وہ ڈھونڈتی ہوئی اس کے گھر تک پہنچ گئی۔''

''اور اس نے ویرا کو دیکھتے ہی نرمل کا فون نمبر دے دیا۔''

''جلال کی آواز استہزائیہ ہوگئی ''نہیں ڈیئی..... یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے یقیناً خاصے پاپڑ بیلے گئے ہوں گے۔ تم لوگ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہو۔ مجھے بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دیتے۔ مجھے پوری تفصیل بتاؤ کہ یہ کیسے ہوا۔''

''ویرا کرتبی عورت ہے۔'' میں نے سڑک کو بالکل ویران پا کر دوبارہ گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور اسے وہ واقعہ سنانا شروع کردیا۔

''تم چاروں پتھر میں جونک تلاش کر لیتے ہو۔'' میرے خاموش ہو جانے پر اس کی آواز آئی۔ ''تم نے شیر دل کو ورغلا کر اس کے آدمی سے نک کو مروایا اور خطرہ محسوس کر کے شیر دل کو بھی راستے سے ہٹادیا۔ بات وہیں ختم ہوگئی تھی۔ یقین نہیں آتا کہ عورت فاؤنڈیشن والی کہانی اسی وقت گھڑی گئی ہوگی۔ اب نرمل لال یا نرمل کمار ہمارا قیدی ہے مگر مجھے اب تک یہ پتا نہیں کہ وہ پاپولیشن ویلفیئر کے محکمے کا کوئی سرکاری افسر ہے۔''

''سو بھراج کے مددگار ہر جگہ موجود ہیں۔ ان کے تعاون کے بغیر وہ اتنی بلندی تک نہیں جا سکتا تھا۔''

''واقعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہندو اس کی زیادہ مدد کر رہے تھے!''

''شیر دل مسلمان اور نک عیسائی تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''ویسے یہ بات درست ہے کہ بیشتر ہندو اس کے ہمدرد رہے ہوں گے۔ وہ اس برادری سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے نیک نام اور بارسوخ سمجھا جاتا تھا۔ ہر برادری ایسے سپوتوں پر فخر کرتی ہے اور ہر طرح سے ان کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش

Downloaded from https://paksociety.com

کرتی ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔''

''اب صورتِ حال بدل چکی ہے۔ اس کے کرتوت سامنے آچکے ہیں۔ اس کا چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے۔ اب جو لوگ اس کا ساتھ دے رہے ہیں، وہ بدنیت اور بدمعاش ہیں۔ مذہب کے کسی لحاظ کے بغیر وہ بدترین سزاؤں کے مستحق ہیں۔''

''میں تمہاری اس رائے سے متفق ہوں۔ پہلے سب کچھ پوشیدہ تھا۔ اب ہر راز طشت از بام ہو چکا ہے۔ تمہیں اس کے ساتھیوں کو کچلنے کا پورا حق حاصل ہے۔''

''تمہارے ان الفاظ نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی۔ میں یہاں کے معاملات سے نمٹ کر ایک دو روز میں کراچی آؤں گا تو مجھے امید ہے کہ حالات اور زیادہ حوصلہ افزا ہو چکے ہوں گے۔ مجھے اب ایک ہی فکر ہے جسے اول خان دور کر سکتا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو، وہ فرصت پاتے ہی تم سے بات کرے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

اس سے گفتگو کر کے میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ چالان والے قصے کی وجہ سے راستے میں میرا خاصا وقت خراب ہو چکا تھا لیکن پھر بھی میں پونے نو بجے چھاؤنی کے علاقے کے آغاز میں واقع ملٹری چیک پوسٹ پر پہنچ چکا تھا۔

اسٹیشن نور میں اتنی کثرت سے آتا جاتا رہا تھا کہ چیک پوسٹ کا عملہ مجھے اور میری گاڑی کو دور ہی سے پہچاننے لگا تھا گاڑی کو دیکھ کر رکاوٹ ہٹا دی گئی اور میں دھیمی رفتار سے وہاں سے گزر کر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو گیا۔

اسٹیشن نور پر باہر سے بظاہر کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی سب کچھ جوں کا توں نظر آرہا تھا۔ عملے کو اگر واپس بلا لیا گیا تھا تو وہ لوگ اپنی بیرکوں میں رہے ہوں گے۔ میدان میں عملے کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی، وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ پر بھی مجھے نہیں روکا گیا' میں بدلے ہوئے حالات میں ہر تبدیلی کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار تھا لیکن اس وقت تک وہاں کچھ بھی بدلا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔

میں نے اول خان کی دفتری بیرک کے باہر تین گاڑیاں دور ہی سے دیکھ لیں' ان میں سے ایک اول خان کی لینڈ روور تھی' دوسری دو کاریں پرانی اور معمولی سی تھیں ان پر کراچی کی عام نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔

میں نے اپنی گاڑی ان تینوں گاڑیوں کے ساتھ قرینے سے روکی تو اول خان انجن کی آواز سن کر تیزی سے اپنے دفتر سے باہر آ گیا تھا۔

اس کے چہرے پر تکان کے آثار تھے اور آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ وہ کام کی زیادتی کی علامات تھیں ورنہ اس کے چہرے پر ایسی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جو میرے لیے باعث تشویش ہوتی۔

وہ بیرک کے برآمدے سے نیچے اتر کر پرتپاک انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ دن میں کئی بار ایک دوسرے سے ملنے والے کم و بیش دو دن کے طویل وقفے کے بعد یک جا ہوں تو ایسی گرم جوشی کا اظہار ضروری ہو جاتا ہے۔

''تمہارا جنرل کہاں ہے'' میں نے دھیمی اور تجسس آمیز آواز میں اس سے پوچھا۔

''میرے دفتر میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے تقریباً سرگوشیانہ لہجے میں بتایا۔

''تم دونوں یہیں بیٹھ رہے ہو تو کل تم نے میرا فون کیوں نہیں سنا تھا؟'' میں نے اس سے شکایت کے انداز میں کہا۔

''ہم آج پہلی بار یہاں بیٹھے ہیں' اندر چلو تمہیں سب پتا چل جائے گا۔''

میں اس کے ساتھ تین سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں داخل ہوا۔ اول خان کے سادہ پوش اردلی نے ہمارے لیے دروازے کا پردہ اٹھایا اور ہم دونوں دفتر میں داخل ہو گئے۔

وہ بہت وجیہہ' دراز قامت اور دبلا پتلا شخص تھا جس کی سیاہ چمکیلی آنکھوں سے ذہانت اور بے خوفی جھلک رہی تھی' وہ آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور خاکی پتلون میں ملبوس' اول خان کی میز کے عقب میں آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''سر! یہ ڈینی ہے'' اول خان نے کسی مصلحت کے تحت پہلے میرا تعارف کرایا۔

وہ میرا نام سنتے ہی ایک پھرتیلے جھٹکے اپنی کرسی سے اٹھا اور پھر اس نے میز پر قدرے جھک کر اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

''مجھے وقار کہتے ہیں۔'' اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا ''ریٹائرڈ میجر جنرل ہوں' آج کل ایس ٹی ایف کی کمان کر رہا ہوں۔''

اسے اتنی تفصیل سے اپنا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک بدیہی بات تھی کہ مجھے اس سے ملوانے کے لیے بلایا گیا تھا تو مجھے پہلے سے اس کے بارے میں بتا دیا گیا ہوگا۔ اسے اپنی زبان سے وہ سب کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ اس کے مزاج کا عجز و انکسار تھا کہ وہ مجھ سے بالکل برابری سے پیش آ رہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''میں آپ کے پیش رو سے.....'' میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

'نو آپ جناب!'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا'' تم ہمارے بلکہ سب پاکستانیوں کے دوست ہو' میرے ماتحت نہیں ہو' بے تکلف ہو کر بات کرو۔''

مجھے جنرل کا وہ انداز پسند آیا اور بے اختیار میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے اپنی ٹوٹی ہوئی بات جاری رکھی'' میں تمہارے پیش رو سے مل چکا تھا اور تم سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ آج میری یہ آرزو پوری ہو گئی۔''

''بیٹھو! اول خان' تم بھی بیٹھ جاؤ!'' اس نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے کہا'' میں بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ ڈینی کیا چیز ہے جس سے اس کے دشمن تھراتے ہیں۔ تم اچھے خاصے خوبصورت شریف آدمی نظر آتے ہو۔''

''یہ دیکھنے والوں کی نظر کا حسن ہے دشمنوں کی رائے بہت مختلف ہوتی ہے۔''

''میں فوجی ہوں' ساری زندگی ٹیم ورک میں گزاری ہے اور اب بھی ایس ٹی ایف میری قابلِ رشک ٹیم ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی فرد اتنی بڑی بڑی اور مسلسل کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے جو تمہارا مقدر بنی ہیں۔''

''میں کل سے بہت پراگندہ خاطر ہوں۔ ایس ٹی ایف یکا یک کیوں گراؤنڈ کر دی گئی ہے؟'' اس کے کھلے رویے سے حوصلہ پا کر میں نے وہ سوال کر ڈالا۔

''شاعری کرتے ہو؟'' جنرل کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ نظر کا حسن اور پراگندہ خاطر جیسے الفاظ عام بول چال میں کم سننے میں آتے ہیں۔''

''شاعری کر رہا ہوتا تو بس وہی کرتا رہتا۔ کسی اور کام کا نہ رہتا۔'' وہ جواب دیتے ہوئے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جنرل نے میرے سوال کا جواب بہت خوبصورتی سے گول کر دیا تھا۔

''گیری ہارٹ سے تمہارے کیسے مراسم ہیں؟'' سوال کرتے ہوئے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔

''میں ان لوگوں سے ایس ٹی ایف کے کرنل دادر کے روپ میں ملتا ہوں' میں نے بہت گھما پھرا کر انہیں یہ تاثر دیا ہے کہ میں اپنی یعنی ڈینی کی حد سے بڑھی ہوئی آزادروی سے نالاں ہوں' یہ تاثر ان کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ وہ مجھ پر محنت کر رہے ہیں' گیری کو بھی امید ہے کہ کسی نہ کسی وقت وہ مجھے فورس سے توڑنے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

''بہت خوب.....! اور وہ تمہارے ذریعے ڈینی پر ہاتھ ڈالنے کا خواب بھی دیکھ رہے ہیں!'' اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ان کا یہی خواب مجھے ان کی دشمنی سے بچائے ہوئے ہے۔ گیری میرے ساتھ ویرا کو بھی پکڑنے کے لیے بے چین ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ ایک امریکی لڑکی اپنے ہم قوموں کو ناک چنے چبواتی رہے۔''

''میں نے ویرا کی بہت تعریفیں سنی ہیں۔ ویرا کے علاوہ غزالہ اور سلطان شاہ کے کارناموں کی خبریں بھی مجھے ملتی رہتی ہیں۔ موجودہ بحران سے نکلنے کے بعد میں کسی وقت ان تینوں سے بھی ملنا چاہوں گا۔ تم چاروں کو میں اپنا قومی سرمایہ تصور کرتا ہوں۔''

''تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو ہم وہی کرتے ہیں جو کر سکتے ہیں اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، یہ اپنی مٹی کے لیے ہمارا فرض ہے جو ہم پورا کر رہے ہیں' اس کے عوض ہمیں کسی صلے کی پروا یا ستائش کی تمنا نہیں ہے۔''

'یہ ایس ٹی ایف کا نصب العین ہے'' وہ یکا یک پُرجوش ہو گیا'' صلے کی پروا یا ستائش کی تمنا کیے بغیر اپنے وطن کی بھلائی کے لیے لڑتے لڑتے ایک دن گمنام سپاہی کی طرح اپنی جان پر کھیل جاؤ۔''

''امریکیوں کے لیے یہ جذبہ ناقابلِ فہم ہے وہ دنیا کی ہر شے اور جذبے کو ڈالروں کی میزان میں تولنے کے عادی ہیں' گیری مجھے خریدنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''اس نے ایس ٹی ایف کے بارے میں تمہارے سامنے بہت زہر اگلا ہے!'' جنرل نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تصدیق چاہی۔

''وہ ہر بات سے واقف ہیں'' میں نے پلکیں جھپکائے بغیر جواب دیا'' اس کے بعض انکشاف میرے لیے حیران کن تھے۔ اول خان اور ایس ٹی ایف سے بہت زیادہ قریب ہونے کے باوجود میں ان رازوں سے بے خبر تھا۔ حد یہ ہے کہ اسے تمہارے ایشنوں کی تعداد تک معلوم ہے۔''

جنرل ایک گہرا سانس لے کر اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ چند ثانیوں کے لیے اپنی آنکھیں موند کر اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولا'' ان کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والی جدید ترین سائنسی تحقیق اور ترقی سے امریکا نے سب سے زیادہ فیض اٹھایا ہے حد یہ ہے کہ افغان وار کے بعد روس کا شیرازہ بکھرا تو امریکا نے ان کے بہترین اور منتخب دماغوں کو خرید کر اپنی شہریت دے دی۔ اب ان کی بڑی تعداد متعدد امریکی منصوبوں پر کام کر رہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ جیو اسٹیشنری سیارے کیا ہوتے ہیں؟

Downloaded from https://pksociety.com

میں جنرل کی معلومات اور زور بیان سے ویسے ہی مرعوب ہوا جارہا تھا' اس نے بات کرتے کرتے اچانک وہ سوال کیا تو میں بوکھلا کر رہ گیا۔

''اس بارے میں میری معلومات بہت ناقص ہیں'' میں نے اعتراف کیا۔

''یہ وہ جاسوس اور مواصلاتی سیارے ہوتے ہیں جو زمین سے ایک مخصوص بلندی پر اور اپنے مدار میں رہنے کے لیے ایسی رفتار سے گردش کرتے ہیں کہ زمین سے دیکھنے پر وہ ایک جگہ ٹھہرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس وقت خلا میں ایسے امریکی سیاروں کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے ذریعے وہ زمین پر گری ہوئی سوئی کو بھی دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' جنرل نے دوبارہ بولنا شروع کردیا'' یہ اس کرۂ ارض پر بسنے والوں کی بدنصیبی ہے کہ ان کی ستر سے اسّی فیصد تعداد خلوت کا حق کھو بیٹھی ہے۔ ان امریکی سیاروں نے افراد اور قوموں سے یہ حق بہت خاموشی سے چھین لیا ہے۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کچھ ہوتا ہے تو امریکی آنکھیں اسے دیکھ رہی ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان امریکی دلچسپی کے خطے میں واقع ہے۔

''ان کے سہارے وہ ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہوں گے۔ زمین پر ہونے والی کوئی نقل و حرکت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔''

میرے لیے وہ موضوع ہمیشہ سے بہت مشکل اور ناقابل فہم رہا تھا لیکن جنرل کی باتیں آسانی سے سمجھ میں آنے والی تھیں۔ وہ تفصیل سن کر میں اندر سے کانپ اٹھا۔

''پھر تو کچھ بھی محفوظ نہیں ہے'' میں نے پرتشویش لہجے میں کہا'' ہماری دفاعی اور ایٹمی تنصیبات اور سرگرمیاں بھی ان کی نظروں میں ہوں گی!''

''زمین کی سطح پر جو کچھ ہوتا ہے وہ دیکھ لیتے ہیں۔'' جنرل نے پرزور لہجے میں کہا'' بہت سے سرکاری بقراط میری ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دیے بیٹھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امریکا سب کچھ جانتا ہے تو آئے دن ہماری تنصیبات کے بین الاقوامی معائنے کے مطالبے کیوں کرتا رہتا ہے۔''

''اس وقت بالکل یہی سوال میرے ذہن میں ابھرا تھا!'' اس نے کہا۔

''میں بتاتا ہوں'' جنرل نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنی ہتھیلیاں میز کی سطح پر ٹکا دیں اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا'' وہ ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت کچھ یا شاید سب کچھ جانتے ہیں مگر جب ہم سرکاری طور پر کہتے ہیں کہ پاکستان میں ایسی کسی فورس کا وجود نہیں ہے تو وہ ہماری بات مان لیتے ہیں' انہیں ہمارا اندر کا حال خوب معلوم ہے ہماری ساری خوبیاں اور خامیاں ان کی نگاہوں میں ہیں۔ جب وہ ہمیں دبانا یا جھکانا چاہتے ہیں کہ تو کوئی حسّاس مطالبہ کر بیٹھتے ہیں ہمارے لیے اسے تسلیم کرنا ممکن نہیں ہوتا' پس پردہ ڈوریاں ہلتی ہیں اور پھر وہ مطالبہ سرد خانے کی نذر ہوجاتا ہے وہ ہم سے کھیلتے رہتے ہیں۔''

اس کی وہ چشم کشا باتیں روح فرسا تھیں۔ امریکا نے طاقت اور سائنسی برتری کے زعم میں تقریباً پوری دنیا کو اپنے دالان میں تبدیل کرلیا تھا۔

''سر! میں ایک بات کہوں!'' اول خان نے پہلی مرتبہ زبان کھولی اور بولنے کی اجازت چاہی۔

جنرل کی استفسار طلب نگاہیں پھسل کر اس کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

''سب کچھ اسی طرح ہے تو وہ لوگ یہ اعلان کیوں نہیں کردیتے کہ اب وہ ہر کارروائی سے باخبر رہتے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی ملک اپنی روایتی یا غیر روایتی طاقت بڑھانے کی کوشش نہ کرے دنیا بھر میں ان کی بالادستی قائم ہوجائے گی۔'' اول خان نے کہا۔

''یہ بھی ایک فطری سا سوال ہوسکتا ہے'' جنرل بہت اعتماد سے' ماہرانہ انداز میں اپنے رائے دے رہا تھا۔'' کھلے اعلان کے بعد وہ جوڑ توڑ کرنے کے سارے مواقع کھو دیں گے۔ پہلے خلا کے غیر فوجی استعمال کا بہت غلغلہ تھا۔ روس ٹوٹنے کے بعد وہ دب گیا' اعلان ہوا تو فرانس' جرمنی اور بعض دوسرے یورپی ملک چیخ اٹھیں گے کہ امریکا خلا سے خلوت کی حرمت پامال کررہا ہے۔ ان کی طرف سے اعلان کو اقرار جرم تصور کیا جائے گا۔ امریکیوں سے نفرت کی لہر بہت زیادہ زور پکڑ جائے گی یہ الجھی ہوئی اور بہت لمبی باتیں ہیں..... میں جذبات کی رو میں آکر بہک گیا' بات یہ ہورہی تھی امریکی ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت زیادہ جانتے ہیں'' آخری فقرے اس نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہے تھے۔

''ہاں! یہی بات ہورہی تھی'' میں نے مسکرا کر اس کی تائید کی'' اس کی باتوں نے مجھے بہت زیادہ پریشان کردیا تھا۔''

''ایسی باتیں پہلے بھی میرے کانوں تک پہنچتی رہی ہیں میں ان کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ یہ بتاؤ کہ اس نے ہمارے مالی معاملات کے بارے میں کیا کہا تھا۔''

''وہ سب میں اول خان کو من وعن بتا چکا ہوں'' میں نے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''میں اول خان کی رپورٹ سن چکا ہوں' اس کی روشنی میں کچھ دوررس فیصلے بھی کئے جا چکے ہیں۔ میں تمہاری زبان سے ان باتوں کا اعادہ چاہتا ہوں۔'' اس نے اصرار کیا۔

میں نے چند ثانیوں کے لیے خاموش رہ کر اپنے ذہن پر زور دیا پھر کہا'' الفاظ میں ردوبدل ہوسکتی ہے مگر اس نے کہا تھا کہ ایس ٹی ایف کے سربراہ کے ذاتی اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے آتے جاتے رہتے ہیں یہی حال ہر اسٹیشن کمانڈر کے بینک اکاؤنٹ کا ہے۔ ان کے ماہرین ورجینیا میں بیٹھے بیٹھے بینکوں کے کمپیوٹرز میں نقب لگا کر ان کھاتوں کی فائلیں بناتے رہتے ہیں اسے اپنے اس ریکارڈ پر بہت ناز ہے۔''

''اس کی یہ باتیں میرے لیے ناقابل یقین ہیں۔'' جنرل کی آواز تشویش زدہ ہوگئی۔'' بینکوں کا کمپیوٹر سسٹم بہت محفوظ اور فول پروف ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو عالمی بینکاری کا نظام چند سیکنڈ میں بیٹھ جائے۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے بینکوں کے ریکارڈ تک کس طرح رسائی حاصل کی ہوگی۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہم پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہو۔'' میں نے پرامید انداز میں ایک امکان کی نشان دہی کی۔

''نہیں ڈینی! ایسا نہیں ہے۔'' اس نے مجھے سمجھایا'' وہ حقائق کی بات کررہا ہے برسوں تک سب کچھ اسی طرح تھا جیسا اس نے کہا تھا۔ ایس ٹی ایف ایک منظم فورس ہے وہ اس میں کسی فرد واحد کو نشانہ نہیں بنا سکتے لیکن اس ریکارڈ کی وجہ سے گیارہ افراد کے سروں پر خطرے کی تلوار لٹکنے لگی ہے۔ مجھ سمیت وہ جسے چاہیں بدترین مشکلات میں مبتلا کرسکتے ہیں میں اور میرے دس اسٹیشن کمانڈر بہ یک وقت ان کے نشانے پر آگئے ہیں۔''

''مجھے فی الحال ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آرہا'' میں نے انجان بن کر کہا۔ میں اس بارے میں جنرل کی زبان سے زیادہ تفصیل سننے کا متمنی تھا۔

''تنظیمیں ہوا میں معلق نہیں ہوتیں۔ افراد سے تشکیل پاتی ہیں۔ افراد کی سرکوبی کردی جائے تو تنظیمیں خود بہ خود مجہول ہوجاتی ہیں مجھ سے اول خان تک وہ کسی بھی فعال شخص کو تاک سکتے ہیں۔ ریکارڈ کی صحت سے بینک انکار نہیں کرسکتے اگر وہ لوگ ہمارے خلاف کسی بدمعاشی پر تل جائیں تو ناقابل تصور مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ ایس ٹی ایف کے لیے فنڈز فراہم کرنے والے ہمیں زنداں میں ڈال کر یہ پوچھنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ ہمارے پاس وہ سرمایہ کہاں سے آرہا تھا۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے لوگ یوں آنکھیں پھیر سکتے ہیں۔''

''وہ یقیناً ایسا نہیں کرنا چاہیں گے لیکن انہیں ناقابل تردید ثبوتوں کے ساتھ لاجواب کردیا جائے گا تو وہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوجائیں گے' اتنا کالا دھن صرف ہیروئن کے دھندے سے آسکتا ہے۔ دنیا بھر میں منی لانڈرنگ کا شور مچا ہوا ہے۔ یہ مالیاتی اسکینڈل ہماری جھولی میں آسکتا ہے ہمیں ہیروئن مافیا کا ساتھی قرار دے کر قربانی کا بکرا بنا دیا جائے گا۔''

''اوپر سے یہ یقین دہانی حاصل کی جاسکتی ہے کہ گیارہ میں سے کسی فرد کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''زبانی سب کچھ کہا جارہا ہے۔ کوئی بات ضبط تحریر میں نہیں ہے۔ ہم پر برا وقت آیا تو مہرے بدل جائیں گے۔ زبانی یقین دہانیاں کرانے والے اپنے منہ چھپالیں گے' نئے چہرے سامنے آکر بال کی کھال نکالنا شروع کردیں گے۔ اس وقت ہم بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''یہ صورت حال ان لوگوں کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے جو دوسرے خفیہ منصوبوں پر کام کررہے ہیں اور انہیں خفیہ فنڈز فراہم کئے جارہے ہیں!'' میں نے سوچتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ ایٹمی منصوبوں پر بھی چوری چھپے کام ہورہا ہے۔ خلاؤں سے ان کی نگرانی ہورہی ہے خدا ان لوگوں کو ہر برے وقت سے محفوظ رکھے۔''

''یہ بہت بڑا مسئلہ ہے، ایس ٹی ایف کو میدان سے ہٹالینا اس کا حل نہیں ہے'' میں نے حوصلہ کرکے جنرل سے وہ چبھتی ہوئی بات کہہ ڈالی۔

جنرل نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا' اس کی چمکیلی نگاہیں ایک مرتبہ پھر میرے چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔

''ایس ٹی ایف کو میدان سے نہیں ہٹایا گیا یہ ایک.....'' جنرل نے بولنا شروع کیا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کہیں قریب ہی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا ایک خوفناک بارودی دھماکا ہوا اور دفتر کے درودیوار لرز کر رہ گئے۔ کمرے میں تیز جھونکے کے ساتھ گرد وغبار کا ایک طوفان گھس آیا تھا۔ ہم تینوں میں سے کوئی اپنی جگہ ٹکا نہیں رہ سکا تھا۔ دھماکے کے ساتھ میں اپنی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے چنگل میں پھنس گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر خفیہ کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا، بس پر چی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردکارروائیوں کا تشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ کے طور پر مجھے اور خان بابا کو بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کچے چٹھے بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقابلہ کر رہا تھا۔ جسے انٹیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کے ستم ظریفی کہ ہم دونوں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہو گئے۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد ادارے انٹروسرچ کی ہنرپرشی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارزنامی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مطعون ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی ہے۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنٹ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالآخر وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میزائل کا رکھ دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے بک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ بن بھی ڈیلی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ بک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈیلی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے نوری کارروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے ہر ایک کا نام کوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑ بارے تھے جس سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے۔ تاہم یہاں ان کا رابطہ کوبرا سے تھا۔ اسی دوران میں مجھے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر بھی مل گیا۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کوبرا کے پردے میں ایک معزز اقلیتی سیاست دان چھپا ہوا تھا۔ میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوہبراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا نکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کامی کی تیاریوں کے ساتھ سوہبراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوہبراج کو فون کیا تو اس نے مخلفات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوہبراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوہبراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں بک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوہبراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر بک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیلی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوہبراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت درکار ڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوہبراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوہبراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوہبراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوہبراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت بک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ ہوٹل میسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک بک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے گرفتار کرنے پر مجبور کر دیا۔ بک کے بقول اس کا افسر ڈیلی کے معاملے پر تنہا گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چیز آمد کر کی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن بک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیلی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوہبراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈو نکلے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوہبراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوہبراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوہبراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے مکمنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے مگر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب روبیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ بک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے بک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ بک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران بک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیلی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوہبراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیلی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوہبراج پر حملہ

Downloaded from https://paksociety.com

کرلیا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سہیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سہیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چھاپا مار کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کرلی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہوچکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار یک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے پر تلا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کردوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جارہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں یک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے یک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کردیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے یک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کرلیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کردیا یوں یک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہوگیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ دیرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہوگئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ دیرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور دیرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو چنگل میں پھنسانے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آگیا۔ اب سوبھراج کے مخبر ہمارے گھر کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف یک کی موت کو ڈیل کے کھاتے میں ڈالا جارہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق بال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں دیرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی کھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور دیرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر ل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سہیل کی خوبرو بیوی نے فون کرکے بتایا کہ سہیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کردی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صوفہ مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سہیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہوگیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مار کر سوبھراج اپنی نظافت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آگیا۔ اس وقت اول خان نے مجھے بتایا کہ اس کا پاس کرا چکی میں تھا اور مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ ہماری ملاقات اسٹیشن فور میں ہوئی اور ابھی گفتگو کا ابتدائی مرحلہ تھا کہ اسٹیشن فور میں ایک دھماکا ہوا اور میں اپنی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا۔

اب آپ قسط نمبر 234 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

جو کچھ ہوا' وہ اس قدر غیر متوقع اور حیران کن تھا کہ اپنی کرسی سے اچھل کر دور جا گرنے کے بعد میں کئی ثانیوں تک سکتے کی حالت میں اسی پوزیشن میں پڑا رہا' جس پوزیشن میں کرسی سے اچھل کر گرا تھا۔

وہ دھماکا ایک لحاتی واقعہ تھا جو رونما ہوچکا تھا لیکن کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے بارودی دھماکے کی روح فرسا بازگشت میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ سب کچھ ہوجانے کے باوجود میرا ذہن یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ ہمارے دشمن اسٹیشن فور کی محفوظ ترین حدود میں گھس کر کوئی تخریبی کارروائی کرسکتے ہیں۔

وہ بے یقینی کی ایک لحاتی کیفیت تھی جو زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ مجھے اپنی پشت میں درد کی لہریں کروٹیں لیتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ کرسی سے اچھل کر بے ڈھب انداز میں اچانک پشت فرش پر گرنے کے سبب میری کمر میں خاصی ضرب آئی تھی۔ اسی کے ساتھ مجھے اپنی کہنیوں میں شدید جلن اور پھر خون کے رساؤ کا احساس ہوا۔

باہر سے چیخ وپکار اور متعدد لوگوں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ دھماکا اس دفتر کے باہر ہوا تھا اس لیے اسٹیشن فور پر موجود عملے کی ساری توجہ اسی طرف مرکوز تھی۔

کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس دھماکے کے نتیجے میں دفتر والوں پر بھی اچانک برا وقت آگیا تھا۔

میں بدقت تمام اپنی ساری توانائیاں مجتمع کرکے فرش سے اٹھا تو کمرے کی غبار آلود فضا میں مجھے جنرل وقار اور اول خان بھی کسی اچھی حالت میں نظر نہیں آئے۔

دھماکے نے انہیں بھی ان کی کرسیوں سے اڑا کر بے رحمی سے کنکریٹ کے پختہ فرش پر پٹخ دیا تھا اور وہ دونوں فرش سے اٹھنے کی جدوجہد کررہے تھے۔

بادی النظر میں اول خان کی حالت زیادہ بری نہیں تھی لیکن میجر جنرل وقار اس کی میز کے پیچھے والی کرسی پر براجمان تھا۔ اس کے اردگرد چوبی ریک وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اس ناگہانی حادثے کے نتیجے میں اس کی پیشانی کسی ٹھوس اور سخت چیز سے ٹکرا کر لہولہان ہوگئی تھی۔ گرد وغبار سے اٹی ہوئی فضا میں جنرل کا خون میں ڈوبا ہوا چہرہ کچھ زیادہ ہی بھیانک نظر آرہا تھا۔

سر یا پیشانی کی چوٹ فوری طور پر حواس مختل کردیتی ہے۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا۔ میں تیزی سے ریٹائرڈ جنرل کی طرف لپکا اور اسے بغلوں میں سہارا دے کر اس کے قدموں پر سیدھا کھڑا کردیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''کیا ہوا..... یہ دھما کا کہاں ہوا؟'' اوسان قدرے بحال ہوتے ہی جنرل وقار کی زبان سے بے ساختہ وہ الفاظ برآمد ہوئے اور وہ جھپٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس دوران میں اول خان بھی سنبھالا لینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ہم دونوں جنرل کے پیچھے دفتر سے باہر نکلے تو بیرک کے سامنے ہوش اڑا دینے والا ایک منظر ہماری نظروں کے سامنے تھا۔

میری گاڑی سمیت وہاں کل چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں اول خان کی سرکاری لینڈ کروزر بھی شامل تھی۔ دھما کے کے نتیجے میں ان چاروں گاڑیوں کے چیتھڑے اڑ چکے تھے اور کچے میدان میں دور تک بکھرے ہوئے پرزوں میں جابہ جا آگ لگی ہوئی تھی جو ان گاڑیوں کی ٹنکیوں میں بھرے ہوئے آتش گیر ایندھن کا نتیجہ تھی۔

گاڑیوں کے مڑے تڑے ہوئے' تباہ حال ڈھانچے شعلوں کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے۔ ایس ٹی ایف کے بہت سے سادہ پوش نوجوان اضطراب اور بے بسی کے عالم میں تلملائے ہوئے پھر رہے تھے۔ اپنے گھر میں نازل ہونے والی اس تباہی کو وہ روک سکے تھے اور نہ اس پر قابو پانے پر قادر تھے۔ پیٹرول اور ڈیزل کی بھڑکی ہوئی آگ پر قابو پانا ان کے بس سے باہر تھا۔

چند جوشیلے جوان اپنے ہاتھوں سے ریت اور مٹی اس آگ پر اچھال رہے تھے۔ ان کوششوں کا آگ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ فضا میں دھول اڑ رہی تھی۔

''چھوڑ دو!'' جنرل وقار نے وہ تماشا دیکھتے ہی تحکم آمیز لہجے میں کہا ''جو نقصان ہونا تھا' وہ ہو چکا۔ اب یہ آگ خود ہی ٹھنڈی ہوگی۔ اس سے مزید کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہے۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر واپس جاؤ۔''

وہ خود زخمی تھا۔ اس کی پیشانی کے زخم سے بہہ نکلنے والی خون کی کئی لکیریں اس کے چہرے پر جمتی جا رہی تھیں جن کے نتیجے میں اس کا چہرہ بھیانک نظر آ رہا تھا۔ ذہنی طور پر بھی وہ پریشان اور بوکھلایا ہوا تھا لیکن اس نے جائے وقوع پر پہنچتے ہی بہترین قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالکل صحیح فیصلہ صادر کیا تھا۔

ایس ٹی ایف مقاصد کی خاطر اپنی جان لڑا دینے والوں کی ایک منظم فورس تھی۔ اللہ کے ان غازیوں کے دلی جذبات کبھی احکام سے متصادم نہیں ہوتے تھے۔ وہ بدترین حالات میں بھی اپنے سینوں پر پتھر کی سل رکھ کر اپنی فورس کے کڑے ڈسپلن کی پابندی کرنے کے عادی بنائے گئے تھے۔ جنرل وقار کے خاموش ہوتے ہی سب لوگ واپس جانے لگے۔ جو لوگ دور سے دوڑتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے' وہ اپنے ساتھیوں کے اشاروں پر راستے سے ہی لوٹنا شروع ہو گئے۔ چند لمحوں میں وہاں صرف ہم تینوں کھڑے رہ گئے۔

''سر! آپ کی پیشانی زخمی ہے.....'' اول خان نے بھیڑ چھٹ جانے کے بعد زبان کھولی ہی تھی کہ جنرل وقار نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

''اول خان! پیشانی کے بجائے اس زخم کو ٹٹولنے کی کوشش کرو جس نے ہمیں اندر سے لہولہان کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں ہیں؟''

''یہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے ہمارے لیے کھلا پیغام ہے کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں' ہمیں اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں'' میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کرتے ہوئے اس واقعے کی سنگینی پر روشنی ڈالی۔

''آثار بتا رہے ہیں کہ دھما کا میری گاڑی میں ہوا ہے'' جنرل وقار نے شعلوں میں دھڑا دھڑ جلتے ہوئے ڈھانچوں پر نظریں جما کر پُرخیال لہجے میں کہا ''ایسے خطرات سے بچنے کے لیے میں نے شہری نمبر پلیٹ والی ایک پرانی گاڑی اپنے استعمال میں رکھی تھی لیکن مجھے بدترین صدمہ ہے کہ میں خود کو اپنے دشمنوں کی نگاہوں سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''

''اس میں تمہاری کسی کوتاہی سے زیادہ دشمنوں کی ہوشیاری کا دخل ہے۔ گیری ہارٹ کی باتوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم امریکیوں کے لیے ایس ٹی ایف کوئی پراسرار معمّا نہیں رہی ہے۔ وہ لوگ فورس' اس کے سربراہ اور اس کے دس سینئر ماتحتوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ باخبر ہیں'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''دشمنوں کی کامیابی ہماری ناکامی ہے'' جنرل نے دوٹوک لہجے میں کہا ''اول خان کراچی میں رہتا ہے۔ تم یہیں شب و روز گزارتے ہو۔ تم دونوں ابھی تک ان کی گرفت سے محفوظ ہو۔ انہوں نے آتے ہی مجھے تاکا ہے۔''

''تمہیں دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں'' میں نے کہا ''یہ ان کا نفسیاتی حربہ ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو چھوڑ کر تمہاری گاڑی کو نشانہ بنایا ہے۔ وہ چاہتے تو گاڑی میں لگا ہوا بم اس وقت بھی پھٹ سکتا تھا جب تم گاڑی میں سفر کر رہے ہوتے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ صرف گاڑی کو تباہ کر کے تمہیں بلکہ ہم سب کو پیغام دیا گیا ہے۔ ابھی چند منٹ پہلے تم خلا میں زمین کے مختلف مقامات پر ٹھہرے ہوئے تین سو سے

Downloaded from https://paksociety.com

زائد مصنوعی سیاروں کا ذکر کررہے تھے جن لوگوں کو ایسے وسائل دستیاب ہوں ان سے لڑنا آسان کام ثابت نہیں ہوگا۔''

''سر!'' اس آواز نے بہ یک وقت ہم تینوں کو چونکا دیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اول خان کا اردلی تھا اور کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

''کہو آدم' کیا کہنا چاہ رہے ہو' جنرل نے پلٹ کر نرم آواز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ اسے اول خان کے اردلی کا نام معلوم اور یاد تھا۔

''سر! گاڑیوں میں کچھ نہیں تھا'' اس نے بہت محتاط لہجے میں اپنی بات شروع کی ''میں برآمدے سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ جنوب کی طرف سے سیاہ رنگ کا ایک ڈیڑھ فٹ لمبا راکٹ اڑتا ہوا آیا اور آپ کی گاڑی پر گرا تھا۔ اس کے گرتے ہی دھماکا ہوا اور میں اچھل کر دور جا گرا۔ یہ حملہ باہر سے ہوا تھا۔''

''دیری گڈ!'' جنرل نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''تم نے بہت اہم بات بتائی ہے۔ ہمیں اس نتیجے تک پہنچنے میں کئی گھنٹے لگ سکتے تھے۔''

''آگ سرد ہونے سے پہلے کچھ نہیں ہوسکے گا' آؤ اندر چلتے ہیں'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جنرل نے ہم سے کہا۔

اس کا عندیہ پاتے ہی آدم لپک کر ہم سے پہلے دفتر میں جا گھسا۔ ہم تینوں بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو آدم الٹی ہوئی کرسیوں کو سیدھا کرچکا تھا اور فرش پر بکھری ہوئی فائلوں اور دیگر اشیا کو یک جا کرنے میں مصروف تھا۔

''ان سب چیزوں کو بعد میں سمیٹ لینا'' اول خان نے اس سے کہا۔ اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی جنرل وقار بول پڑا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ سب کچھ الٹ پلٹ ہوگیا ہوگا۔ ممکن ہو تو مزے دار چائے پلانے کا بندوبست کرو۔ اس وقت اس کی ضرورت ہے۔''

آدم سر جھکا کر دفتر سے نکل گیا۔ اپنی فورس کے سربراہ کی زبان سے اپنا نام سننے کے بعد اس کے وجود میں ایک عجیب سا والہانہ جذبہ سرایت کرگیا تھا۔ یوں نظر آرہا تھا جیسے وہ اپنے باس کے ایک اشارے پر اپنی گردن بھی کٹوانے سے گریز نہیں کرے گا۔

''جنوب کی طرف ایک کشادہ سڑک ہے جو اکثر ویران پڑی رہتی ہے'' آدم کے چلے جانے کے بعد اول خان نے فکرمندانہ انداز میں لب کشائی کی ''آدم نے اس سمت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کسی نے وہیں رک کر راکٹ فائر کیا ہوگا'' لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر اس نے ایک گہرا سانس لیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اس کا نشانہ قابل رشک تھا۔ درمیانی رکاوٹوں کے باوجود زمین سے زمینی ٹارگٹ کو نشانہ بنالینا آسان نہیں ہوتا۔''

''ایسا بے خطا نشانہ لگانا انسانی بساط سے باہر ہے'' میں نے رسانیت سے اپنی رائے ظاہر کی ''آگ بجھ جائے اور ملبہ ٹھنڈا ہوجائے تو تھوڑی سی عرق ریزی کے بعد اس دھماکے کا راز بھی سامنے آجائے گا۔ میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ جنرل کی گاڑی کو بگ کردیا گیا تھا۔ اس پر گائیڈڈ راکٹ چلایا گیا ہے۔ کوئی اناڑی بھی صحیح سمت میں راکٹ چلادے تو وہ حساس آلات کے سہارے اپنا نشانہ خود تلاش کرلیتا ہے۔''

''گائیڈڈ میزائلوں کا شہرہ بہت سنا ہوا ہے۔ شارٹ رینج راکٹوں کے لیے اس ٹیکنالوجی کا استعمال میرے لیے نئی بات ہے۔ یہ سسٹم بہت مہنگا اور.....''

''نہیں' اول خان!'' جنرل نے اس کی بات کاٹ دی ''ڈینی صحیح سمت میں سوچ رہا ہے۔ سارے جدید آلات پچھلے چند برسوں میں بہت تیزی سے سستے اور عام ہوئے ہیں۔ انفراریڈ اور لیزر ٹیکنالوجی نے ہر طرف دھوم مچائی ہوئی ہے۔ اندھیرے میں دور تک دیکھ لینے والی دوربینیں' تاریکی میں واضح تصاویر لینے والے ننھے منے کیمرے اور وائرلیس مائیکروفون پر آوازیں سننے کے سسٹم ٹکے ٹوکرے ملنے لگے ہیں۔ اگر یہ مہنگے ہوتے تب بھی سی آئی اے اور ایف بی آئی والوں کی دسترس میں رہتے۔ وہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اخراجات کی پروا نہیں کرتے۔''

''میں معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ باتیں اہم ہیں لیکن ان سے بھی اہم تر بات کو تم نے سرے سے نظرانداز کیا ہوا ہے'' میں نے جنرل کے چہرے پر نظریں جما کر دھیرے سے کہا۔

جنرل وقار کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف مرکوز ہوگئیں۔

''تم دلیر اور بے خوف آدمی ہو'' میں نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''تمہیں اپنی پیشانی کے زخم کی ذرا بھی پروا نہیں ہے لیکن تم ایس ٹی ایف کے وقار اور عظمت کی علامت ہو۔ تمہارا رستا ہوا زخم اور چہرے پر جما ہوا خون تمہارے ماتحتوں کا مورال گرانے کا سبب بن سکتا ہے۔ اجازت ہو تو میں یہ سب صاف کردوں؟''

Downloaded from https://paksociety.com

جنرل نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''بعض اوقات تم خاصی زہریلی باتیں کہہ جاتے ہو۔ میں باتھ روم میں جا کر خود یہ کام کرسکتا ہوں۔''

وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ دھل کر نکھر آیا تھا۔ خون کی لکیریں اور دھبے صاف ہوگئے تھے لیکن پیشانی کے بائیں گوشے پر آئے ہوئے زخم کے دہانے پر خون کو لوتھڑا بدستور موجود تھا۔ وہ اسے صاف کرتا تو زخم سے تازہ خون رسنا شروع ہوجاتا۔ وہ آیا اور پورے اعتماد کے ساتھ دوبارہ اپنی جگہ پر جم کر بیٹھ گیا۔

''ہاں تو بات گائیڈڈ راکٹ کی ہورہی تھی'' اس نے میز کی سطح پر ہاتھ مار کر قدرے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''اس بارے میں تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔ میں نے محض ایک شبہ ظاہر کیا تھا۔ تم نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی تھی'' میں نے جواب دیا۔

''مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ میری تباہ ہونے والی گاڑی کے کسی حصے میں کوئی کثیر المقاصد چپ لگادی گئی تھی'' جنرل نے سنجیدگی کے ساتھ کہنا شروع کیا ''اس کی مدد سے میری نقل وحرکت پر نظر رکھی جارہی تھی' جب انہیں یہ پتا چلا کہ میں شہر بھر میں اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر یعنی اسٹیشن فور پر پہنچ چکا ہوں تو مجھے دہشت زدہ کرنے کے لیے انہوں نے میری گاڑی کی سمت میں گائیڈڈ راکٹ داغ دیا۔ اس راکٹ کے سرے پر کوئی نہ کوئی ایسا آلہ موجود رہا ہوگا جسے میری گاڑی میں پوشیدہ چپ سے رہنمائی مل رہی ہوگی۔ قریبی سڑک سے چلایا ہوا راکٹ فضا میں تیرتا ہوا سیدھا میری گاڑی پر آگرا۔''

''یہ گاڑی ابتدا سے تمہارے استعمال میں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں پرسوں کراچی آیا تھا۔ اس وقت سے وہی کار میرے زیر استعمال تھی۔ تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے؟'' جنرل نے چونک کر پوچھا۔

''وہ کسی وقت اسے بگ کر چکے تھے تو ان کے پاس اسے تباہ کرنے کے لیے کئی بہترین مواقع میسر تھے'' میں نے کہا ''یہ بات یقینی ہے کہ کراچی آمد کے بعد تم اہم ترین مقامات پر بعض کلیدی شخصیات سے ملتے رہے ہوگے۔ وہ دھماکے کے لیے موزوں ترین وقت ہوسکتا تھا۔ آخر انہوں نے اسٹیشن فور کا ہی انتخاب کیوں کیا؟''

''ہوں.....!'' جنرل ایک ہنکارا بھر کر خاموش ہوگیا۔

اس کی آنکھوں میں فکر وتشویش کے سائے لرزتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ میرے اٹھائے ہوئے نکتے نے شاید اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

میرے ساتھ جنرل کا رویہ بہت دوستانہ تھا۔ میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اسے دکھایا اور اس کے سر کی خفیف سی اثباتی جنبش پر پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگالی۔

''تمہاری ہر بات میں منطق اور استدلال کا گہرا دخل ہوتا ہے'' طویل خاموشی کے بعد جنرل نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی زبان کھولی ''یہ نکتہ واقعی اہم ہے کہ راکٹ فائر کرنے کے لیے انہوں نے میرے اسٹیشن فور پہنچنے کا انتظار کیوں کیا۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے یہ بات کہی تھی کہ حملے کے لیے انہوں نے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب میں گاڑی میں نہ ہوں۔ غور کرنے کے بعد یہ تمام نکتے صرف اور صرف ایک سمت کی نشاندہی کررہے ہیں۔''

وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ابھرنے والی علامات سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

اس دوران میں آدم چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ بھی لے آیا۔ اس نے اول خان کی میز پر قرینے سے اپنی ٹرے خالی کی اور واپس لوٹ گیا۔

اول خان اس کا ماتحت تھا۔ وہ جنرل کی طویل ہوتی خاموشی پر اسے لقمہ دینے کی جرأت نہیں کرسکا۔ میں اس کے خیالات کا تسلسل نہیں توڑنا چاہتا تھا اس لیے دانستہ خاموش رہا۔ اپنی پیالی سے چائے کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد جنرل بولا ''کسی کو اس کے گھر میں گھس کر مارنا دیدہ دلیری کی انتہا ہوتی ہے۔ انہوں نے وہی کیا ہے۔ ان کا مقصد محض دہشت گردی نہیں ہے۔ وہ مجھے یا ایس ٹی ایف کو سنگین پیغام دینا چاہتے تھے۔ یہ کام وہ کرگزرے ہیں۔ وہ ایس ٹی ایف کا خاتمہ چاہتے ہیں نہ فی الحال مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ بظاہر ان کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ ایس ٹی ایف ان کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے۔ ان کی اس وارننگ کو نظر انداز کیا گیا تو پھر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ان کا اگلا وار زیادہ تباہ کن اور مہلک ہوگا۔

''مجھے تمہارے تجزیے سے پورا اتفاق ہے'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ انہوں نے تمہاری گاڑی تک کیسے رسائی حاصل کرلی۔''

''میں زیر زمین دنیا کا کوئی پراسرار نقاب پوش نہیں ہوں'' اس نے مضمحل سی ہنسی کے ساتھ کہا ''تھوڑی بہت

Downloaded from https://paksociety.com

احتیاط ضرور کرتا ہوں لیکن کھلے بندوں گھومتا پھرتا ہوں۔ بہت سے لوگوں کو میری آمد و رفت کے پروگرام کا علم ہوتا ہے۔ ان طویل سلسلوں کی کوئی بھی کمزور کڑی ان کے لیے ایک سہارا بن سکتی تھی۔''

''ابھی تک ان لوگوں سے ایس ٹی ایف کا براہِ راست کوئی تصادم نہیں ہوا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ انہوں نے ہم کو دھمکی دینے کی ضرورت کیوں محسوس کی'' اول خان نے دھیمے لہجے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''وہ کراچی میں اپنے کئی اہم ترین اور تجربے کار آدمیوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں'' میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا ''انہیں پورا یقین ہے کہ ڈینی ایس ٹی ایف کی مکمل پشت پناہی کے ساتھ انہیں یہ زخم لگا تا رہا ہے۔ اب یہ سلسلہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگیا ہے۔ وہ ایس ٹی ایف کو سختی کے ساتھ روکنا چاہتے ہیں۔''

''اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تم پر ایس ٹی ایف کی مالی بے ضابطگیوں کا اظہار کیا ہے جس کا پورا ریکارڈ ان کی تحویل میں ہے'' اول خان نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یہ سب واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں'' میں نے جواب دیا ''میری چھٹی حس فضا میں خطرے کی بو سونگھ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ یہاں ہم سب سے آخری راؤنڈ لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہوں۔''

''اس وقت ان کا پانسا بھاری نظر آ رہا ہے'' جنرل نے مضبوط لہجے میں کہا ''لیکن حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ انہیں جدید ترین وسائل کی مدد حاصل ہے۔ مگر ان میں جذبے کا فقدان ہے۔ وقت بتائے گا کہ اللہ کی مدد اور اپنے سرفروشانہ جذبے سے ہم ان کے دانت کھٹے کر دیں گے۔ پاکستان آنے کے نام سے ان کے افسروں کو ہول آنے لگیں گے۔''

''پہلے یہی ہو رہا تھا۔ آج کے حالات مختلف ہیں'' میں نے نرمی سے کہا ''تم جوش اور روانی میں آ کر آج کے بدلے ہوئے حالات کو فراموش کر رہے ہو۔ اس وقت ناگزیر عالمی مجبوریوں کی بنا پر پاکستانی سرزمین پر امریکیوں کا خون بہانا ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ وہ اس رعایت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر تلے ہوئے ہیں۔''

''دشمن کو میدان سے بھگانے کے لیے ہمیشہ خوں ریزی ضروری نہیں ہوتی۔ بعض اوقات دوسرے حربے اس سے زیادہ بھیانک ثابت ہوتے ہیں'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا ''اسپیشل ٹاسک فورس ہر آئینی اور قانونی پابندی سے آزاد ضرور ہے مگر یہ حکومت کی بنیادی پالیسیوں کا پورا احترام کرتی ہے۔''

''لڑائی زور پکڑ رہی ہے'' میں نے تشویش ظاہر کی ''تازہ ترین دھماکے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دشمن کسی بھی لمحے ہمارے دروازے پر دستک دے سکتا ہے۔''

''یہ لوگ اپنے جدید ترین وسائل کے ساتھ جس طرح دنیا بھر کی چھوٹی قوموں کو دبانے پر تلے ہوئے ہیں' اس کے نتائج کچھ حوصلہ افزا نظر نہیں آتے'' اول خان نے مایوسانہ لہجے میں کہا ''ہم لوگ کب تک اور کہاں تک ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟''

''تم جنرل کے الفاظ بھول رہے ہو۔ ان کے پاس سب کچھ ہے مگر وہ جذبے سے عاری ہیں۔ وہ دوسروں کو کھا جانے کے لیے اپنے ملک سے نکلتے ہیں۔ ہم ان سے اپنی بقا کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ دیت نام سے افغانستان تک کی تاریخ دیکھ لو۔ طاقت کہیں بھی سرخ رو نہیں ہو سکی۔ ہمیشہ آخری فتح جذبے کی ہوتی ہے'' میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ دھماکا ہونے سے پہلے میں جنرل سے ایس ٹی ایف کے مستقبل کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ جنرل اور اول خان کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر میں نے قدرے توقف کے بعد جنرل سے مخاطب ہو کر اپنی بات جاری رکھی ''سچ پوچھو تو ایس ٹی ایف کو میدان سے ہٹا لینے کے فیصلے سے تمہارے آدمیوں میں بددلی اور مایوسی پھیلی ہے۔ ان کا اعتماد مجروح ہوا ہے۔ فورس کی بحالی کے بغیر اس رجحان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔''

''مالی نظام میں فوری تبدیلیاں لانے کے لیے یہ فیصلہ ناگزیر تھا'' جنرل نے ایک گہرا سانس لے کر بولنا شروع کیا۔ ہمیں نقد رقمیں فراہم کرنے کا نظام خطرناک تھا۔ اس بارے میں غیر ملکیوں کے باخبر ہونے کے بعد اس نظام کو فوری طور پر ترک کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ متبادل نظام فوری طور پر نہیں لایا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے وقت درکار تھا۔ اگر میں فورس کی معمول کی سرگرمیاں جاری رکھتا تو کل شام کو ہمارے سارے فنڈز ختم ہو چکے ہوتے' بیس میں جوانوں کو کھانا فراہم کرنے کے لیے بھی رقم نہ ہوتی۔ میں اگلی قسط نقدی کی صورت میں لینے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ گیری کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی تھیں۔''

''اور اب کیا صورت ہے؟'' اسے خاموش پا کر میں نے سوال کیا۔

''سارے آپریشنز روک دینے کے بعد ہم ایک ہفتے کی

Downloaded from https://paksociety.com

ضروریات پوری کرسکتے ہیں'' جنرل بولا۔ ''ہم لوگوں کے ناموں پر کھلے ہوئے سب بینک اکاؤنٹ پرسوں بند کردیے گئے تھے۔ ہر اسٹیشن بینک سے نکالی ہوئی رقوم سے چلایا جارہا ہے۔''

''ایک ہفتے میں یہ رقوم ختم ہوجائیں گی' پھر کیا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''بینک اکاؤنٹ بند ہونے کے بعد متبادل نظام پر کام شروع ہوچکا ہے۔ ہم لوگ اپنا آڈٹ کرارہے تھے۔ ایک ایک گولی کا حساب صاف ہے۔ اب ہمیں ایک قومی بینک کی دستخط کی ہوئی چیک بکس ملیں گی۔ ہمیں ان پر صرف رقم اور وصول کنندہ کا نام لکھنا ہوگا۔''

''ان چیکوں کی ادائی کس کھاتے سے ہوگی؟''

''یہ جاننا میرا کام نہیں ہے۔ امکان یہ ہے کہ سیکرٹ فنڈ سے ہماری ضروریات پوری کی جائیں گی۔ فنڈز کے لیے چیک بکس ملتے ہی ہم دوبارہ فعال ہوجائیں گے۔''

''اوہ!'' میں نے بے ساختہ کہا ''یہ ساری پیچیدگی فنڈز کی فراہمی کے طریقۂ کار میں تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ میری دانست میں یہ معاملہ اتنا سنگین نہیں تھا کہ سب کچھ معطل کردیا جاتا۔ برسوں سے چلتا ہوا نظام مزید ایک دو ہفتوں کے لیے جاری رکھا جاسکتا تھا۔ متبادل بندوبست ہوتے ہی اسے ترک کردیا جاتا۔''

''تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ ایس ٹی ایف کے سر پر کس کا ہاتھ ہے۔ گیری نے بہت سنگین معاملے کی نشاندہی کی تھی۔ وہ خبر سن کر سب ہل کر رہ گئے تھے۔ بات ہم گیارہ افراد تک محدود نہیں تھی۔ فنڈز کی فراہمی کے سلسلے میں ایسے ایسے نام بے نقاب ہوسکتے تھے کہ لوگ اپنے دانتوں میں انگلیاں دے لیتے۔ کوئی بھی آنے اور جانے والی رقوم کا حساب نہیں دے سکتا تھا۔ اس اسکینڈل کے انکشاف سے پورے ملک میں بھونچال آسکتا تھا۔''

''فنڈز اب بھی اسی مقدار میں آئیں گے۔ اس کی ذمے داری کس کے سر ہوگی۔''

''یہ باریکیاں شاید تمہاری سمجھ میں نہ آسکیں'' جنرل نے گہری سنجیدگی سے کہا ''پہلے یہ کام کسی ضابطے کے بغیر ہورہا تھا۔ لین دین کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ سیکرٹ فنڈ کو آئینی تحفظ حاصل ہے۔ وہ صوابدیدی فنڈ ہے جسے بااختیار شخص اپنی مرضی کے مطابق' جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ اس کا آڈٹ ہوتا ہے نہ کوئی باز پرس کی جاسکتی ہے۔''

''یہ محفوظ چینل موجود تھا تو ابتدا سے ہی اسے اختیار کیوں نہیں کیا گیا؟'' میرے ذہن میں اس منطقی سوال کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔

''ایس ٹی ایف کو بہت خفیہ رکھا گیا تھا۔ سرکاری اداروں اور محکموں سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے اس کا مالی نظام انتہائی غیر روایتی رکھا گیا تھا۔ برسوں بہت سی اہم شخصیات کو یہ علم نہیں ہوسکا کہ ملک میں ایسی کوئی فورس موجود ہے۔ اب بات اس حد تک کھل گئی ہے کہ ہمارے امریکی دوست سب کچھ جان چکے ہیں۔ اس مرحلے پر افراد کو قربانی کا بکرا نہیں بنایا جاسکتا۔ ان کی گردنیں بچانے کے لیے سیکرٹ فنڈ کا سہارا ضروری ہے۔''

''سیکرٹ فنڈ کے استعمال کے بعد یہ بات کہی جاسکے گی کہ حکومت ایس ٹی ایف کی پشت پناہی کررہی ہے'' میں نے الجھے الجھے انداز میں کہا۔

''یہ بات تو امریکی کہتے رہتے ہیں۔ ان کا موقف ہوتا ہے کہ سرکاری سرپرستی کے بغیر اتنی بڑی اور منظم فورس پنپ ہی نہیں سکتی۔ اس میں چھٹے ہوئے ریٹائرڈ افسر اور جوان بھرتی کیے جاتے ہیں جن کی کفالت حکومت کرتی ہے۔ اب ان کے اس دعوے میں زیادہ زور پیدا ہوجائے گا۔ اس سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ ہماری اور دوسروں کی گردنیں ضرور بچ جائیں گی۔''

''حیرت ہے کہ ایک طرف وہ یہ زہر اگلتے رہتے ہیں دوسری طرف ان کی حکومت یہ تسلیم کرتی ہے کہ پاکستان میں ایسی کسی فورس کا وجود نہیں ہے۔''

''یہ سیاسی منافقت ہے۔ سرکاری سطح پر وہ ہمارا وجود مانتے ہیں۔ غیر سرکاری طور پر زہر اگلتے رہتے ہیں۔ یہ بلیک میلنگ کے حربے ہیں۔''

''تمہاری ہر بات اپنی جگہ پر درست ہے مگر میرا ذہن یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ نظام کی تبدیلی کے لیے ایس ٹی ایف کا ایکا ایکی گراؤنڈ کیا جانا کیوں ضروری ہوگیا تھا'' میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

جنرل ہنس پڑا ''تمہارے ریکارڈ کی سوئی ابھی تک ایک ہی جگہ پر اٹکی ہوئی ہے۔ میں بتارہا ہوں کہ اس قصے میں ہم گیارہ افراد کے علاوہ بھی کئی بڑے پردہ نشینوں کے نام شامل تھے۔ بینکوں کے کھاتوں کا راز فاش ہوجانے کے بعد وہ ایک لمحے کا بھی رسک لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ میرے فیصلے میں ان لوگوں کی خواہشات کا بڑا دخل تھا۔''

بظاہر جنرل ہی ایس ٹی ایف کا کرتا دھرتا تھا۔ اس کی ہر کارگزاری اور ناکامی کی ذمے داری اسی کے سر آتی تھی لیکن

Downloaded from https://paksociety.com

وہ اس قدر خود مختار نہیں تھا جتنا نظر آتا تھا۔ ڈسپلن کے تقاضوں کے تحت وہ بھی کسی نہ کسی کو جواب دہ تھا۔

اس کے کہے ہوئے آخری فقروں میں اس کی مجبوری کھل کر سامنے آگئی تھی۔ اپنا بھرم رکھنے کے لیے وہ ساری ذمے داری اپنے سر لے رہا تھا لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ اوپر والے اپنی مصلحتوں کو خود ہی جانتے تھے۔ یہ ان کی خواہش تھی کہ ایس ٹی ایف کو پرانے نظام کے تحت فنڈز کی فراہمی فوری طور پر روک دی جائے اور جنرل دستیاب وسائل کے سہارے زیادہ سے زیادہ دنوں تک اپنا کاروبار چلاتا رہے تاکہ اس دوران میں ادائیگیوں کا کوئی بہتر متبادل نظام وضع کیا جاسکے۔

وہ بات سمجھ لینے کے بعد جنرل سے بحث میں الجھنا بے سود تھا۔ وہ دوسروں کے کیے ہوئے فیصلے کا بھرپور دفاع کرنے پر مجبور تھا۔

میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ جو کچھ ہوا تھا' وہ کسی بڑی بربادی کا نکتۂ آغاز نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کی سرگرمیوں کا تعطل ایک عارضی اقدام تھا۔ کسی بڑی بربادی اور ناکامی سے بچنے کے لیے وہ عارضی پسپائی بہتر تھی۔ آنے والے چند دنوں میں اس کی سرگرمیاں پہلے کی طرح بحال ہونے والی تھیں۔

''میرے ریکارڈ کی سوئی کو تم نے ایک مقام پر اٹکایا ہوا تھا'' میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ آخری جھٹکے سے یہ آگے چل پڑی ہے۔ گیری کو ایس ٹی ایف کے عارضی تعطل کا علم ہوگا تو وہ شیر ہوجائے گا۔''

''اسے ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ ایسا کوئی قدم اٹھایا گیا ہے۔ تم ہماری صفوں کے آدمی ہو۔ اگر تم نے بھی کل سنیل کو اسٹیشن فور لانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو تمہیں اپنا پاس ورڈ بتانے کے بعد یہ تفصیل معلوم نہ ہوتی۔ دو چار دنوں تک تم الجھے رہتے۔ اس دوران میں سب نارمل ہوجاتا'' جنرل نے چائے کی پیالی خالی کرکے اطمینان سے جواب دیا ''تم اس گمان میں رہتے کہ ہم سب کسی خاص مشن پر کہیں مصروف ہوگئے تھے۔''

''یعنی مجھے اعتماد میں نہیں لیا جاتا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''میں غیر ضروری سنسنی خیزی سے گریز کرتا ہوں۔ از خود تمہیں کچھ بتایا جاتا نہ تم سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہماری اس ملاقات کے دو مقاصد تھے۔ تم سے ذاتی تعارف حاصل کرنا اور گیری کے حوالے سے کھل کر بات کرنا۔ جنرل گہری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا ''دونوں کام ہوچکے ہیں۔ میں نے بعض ایسی باتیں بھی بتادی ہیں جو ابھی تک اول خان کے علم میں بھی نہیں تھیں۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میرے دل میں تمہاری کتنی وقعت ہے۔''

''تم کو معلوم ہے کہ آج کل گیری اور کرنل داور میں گاڑھی چھن رہی ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''میرا موبائل فون نمبر اس کے پاس ہے۔ اگر اس نے حالات نارمل ہونے سے پہلے مجھ سے رابطہ کرکے کچھ کریدنے کی کوشش کی تو میرا ردِعمل کیا ہونا چاہئے؟''

''کم آن ڈینی! اب کھیلنے کی کوشش نہ کرو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اسے کیسے ٹالا جاسکتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنے دشمنوں کو بہت فراخ دلی سے اپنا موبائل فون نمبر دینا شروع کردیا ہے۔''

''میں نے اپنی ضرورت کے تحت صرف تین حریفوں کو یہ نمبر دیا ہے'' میں نے بھرپور اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔ گیری' سوبھراج اور شیبا۔ موبائل اول خان کے نام پر ہے۔ ان میں سے کوئی بھی نمبر کے سہارے مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے فائدے ہم سب کے سامنے ہیں۔ شیبا نے میرے موبائل پر مخبری کرکے سنیل کو پکڑوادیا۔ سوبھراج کے ذریعے مجھے جلال کے مشن کی ناکامی کی خبر قبل از وقت مل گئی۔ گیری' کرنل داور کو اپنا نرم چارہ سمجھ کر گاہے گاہے اپنے دل کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ میرے فیصلے بہت سوچے سمجھے ہوتے ہیں۔ اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے سے بہتر ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے دشمنوں سے بھی رابطہ استوار رکھا جائے۔''

''مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ آئی بی والوں نے رات گئے' سوبھراج کی تلاش میں مدن لال نامی ایک مقامی کے گھر پر چھاپا مارا تھا لیکن وہ مکھن میں سے بال کی طرح صاف بچ کر نکل گیا۔ وہ کیا قصہ تھا؟'' سوبھراج کا نام آتے ہی جنرل متجسس ہوگیا۔

''اسٹیشن فور سے کورا جواب ملنے کے بعد میرے پاس آئی بی والوں کے سوا کوئی متبادل نہیں رہا تھا۔ میں نے سنیل کو ان کے حوالے کردیا۔''

''ابھی تم نے شیبا کی مخبری کا حوالہ دیا تھا'' اول خان نے کہا ''کیا سنیل کو اسی نے تمہارے ہاتھوں پکڑوایا تھا۔''

ان دونوں کے لیے وہ نئی کہانی تھی۔ اول خان سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے اختصار کے ساتھ انہیں پورے واقعات سے آگاہ کردیا۔ آئی بی والوں کے طریقۂ کار اور اس کے نتیجے میں اپنی طبیعت کی بدمزگی کا تذکرہ میں نے دانستہ حذف کردیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''کاش وہ خبیث نکلنے میں کامیاب نہ ہوا ہوتا!'' جنرل نے حسرت سے کہا ''آئی بی والے اسے پکڑنے میں کامیاب ہوجاتے تو یہ سہرا بھی تمہارے سر رہتا کیونکہ سوبھراج کے دست راست کو بے دست و پا کر کے تم نے ان کے حوالے کیا تھا۔''

''میں کام پر یقین رکھتا ہوں۔ مجھے سہروں کی کبھی پروا نہیں رہی۔''

''مجھے معلوم ہے'' جنرل ہنستے ہوئے بولا ''مجھے بتایا گیا تھا کہ مکاؤ میں تمہاری شادی خوف اور افراتفری کے عالم میں ہوئی تھی۔ کسی مافیا کے ڈان نے چین سے اغوا کیے ہوئے مولوی سے تمہارا نکاح پڑھوایا تھا۔ اس وقت بھی تم سہرے سے محروم رہے ہوگے۔''

''وہ واقعی ایک عجیب تجربہ تھا'' ماضی کی وہ یاد تازہ ہونے پر میں ایک جھرجھری لے کر رہ گیا ''یہ غنیمت تھا' ڈان کو انگ فو نے میرا نکاح غزالہ سے پڑھوایا۔ وہ چاہتا تو اپنے قیدی کو کسی بدصورت لٹیری کے پلے بھی باندھ سکتا تھا۔ تمہیں وہ باتیں کس نے بتائیں؟''

''پاکستان کے لیے قابلِ رشک کارنامے سرانجام دینے کے بعد اب تمہارا کچھ بھی اپنا نہیں رہا۔ ان دنوں میں حاضر سروس میں تھا۔ میس میں اکثر تمہاری ذات موضوعِ سخن بنی رہتی تھی۔ وہیں تمہارا ماضی بھی زیرِ بحث آتا تھا۔ تم نے یہاں جمی لائیڈ سے بروقت بغاوت کر کے اس کے قدم نہ اکھاڑے ہوتے تو آج یہاں کولمبیا سے زیادہ برے حالات ہوسکتے تھے۔''

''سوبھراج نے رات کا بقیہ حصہ کنکریٹ کے پائپ میں بسر کیا ہوگا'' اول خان نے پرخیال انداز میں رائے زنی کی ''یہ شخص شہر میں گنڈا راج کی سب سے بڑی علامت بن کر ابھرا ہے۔ اب اس کا آخری وقت قریب نظر آرہا ہے۔''

''نام اور روپ بدلتے رہتے ہیں' شیطانی حرکتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں'' میں نے اس کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ''سوبھراج اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا تو کوئی نیا نام اس کی جگہ سنبھال لے گا۔ نیکی اور بدی کی یہ جنگ ازل سے جاری ہے اور ابد تک چلتی رہے گی۔ جس روز دنیا سے بدی کا نام و نشان مٹ گیا' اچھائیوں کی پہچان ختم ہوجائے گی۔''

''تم بہت دلچسپ آدمی ہو'' جنرل کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی ''کبھی نثر میں شاعرانہ الفاظ استعمال کرتے ہو اور کبھی خشک فلسفہ بگھارنے لگتے ہو۔ تمہارے ذہن میں خیالات بہت روانی سے آتے ہیں اور تمہاری زبان سے بہتے چلے جاتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ میں بے سروپا باتیں نہیں کرتا' ہمیشہ محتاط رہتا ہوں۔''

''یہی تو کمال کی بات ہے۔ روانی سے بولتے رہنے کے باوجود تم کہیں نہیں بہکتے۔ تمہاری کہی ہوئی باتیں مربوط اور خیال انگیز ہوتی ہیں۔ زیادہ بولنے والوں کی گفتگو میں یہ خوبی شاذ و نادر ہی مشاہدے میں آتی ہے۔''

''ایس ٹی ایف کے تعطل کا دور کب تک ختم ہونے کی توقع ہے؟ اس صورت احوال سے مجھے سخت گھٹن ہورہی ہے'' میں نے اس کے توصیفی الفاظ کو نظر انداز کر کے سوال کیا۔

''ہم دونوں پچھلی رقوم کا حساب کتاب دے کر فارغ ہوچکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو تین روز میں چیک بکس مل جائیں گی اور سارا کاروبار چل پڑے گا۔ مجھے کچھ شبہ سا ہورہا ہے کہ سیل والے معاملے میں تمہیں آئی بی والوں کے ساتھ کام کر کے خوشی نہیں ہوئی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے'' میں نے بلاتوقف اس کی تردید ضروری سمجھی ''ان کا ایک لگا بندھا طریقہ کار ہے۔ میرا ان کے ساتھ چلنا مناسب نہ ہوتا۔ میں نے سیل کو ان کے سپرد کیا اور لوٹ آیا۔ خوشی یا ناخوشی کا سوال اس وقت پیدا ہوتا جب میں ان کے ساتھ رہنے پر اصرار کرتا۔ مجھے ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔''

جنرل ذہین آدمی تھا' بھانپ گیا کہ میں اس موضوع پر متنازع باتوں سے گریزاں تھا۔ اس نے فوری طور پر موضوع بدل دیا ''تمہارا شہر خوب صورت ہے۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد اب میں دیکھوں گا کہ یہاں رات گئے تک لوگ سڑکوں پر کیوں نظر آتے ہیں۔''

''دھماکے کے بعد تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ شہر نوردی بعد میں بھی ہوسکتی ہے۔''

''تمہارے ہمدردانہ مشورے کا شکریہ مگر ایک مسلمان اور پھر سپاہی کی حیثیت سے میرا ایمان ہے کہ جب تک میرا وقت پورا نہیں ہوگا' دشمن میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکے گا۔ وقت آگیا تو چلتے پھرتے کوئی ہارٹ اٹیک ہوگا اور قصہ ختم!''

''میں نے سب کچھ سن لیا اور مان بھی لیا مگر ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے۔ دارالحکومت اسلام آباد ہے۔ سارے بڑے اور اہم ملکی معاملات وہیں طے ہوتے ہیں۔ تمہارا ہیڈ کوارٹر بھی وہیں ہے پھر تبدیلیوں کے انتظار میں تم کراچی میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ اصولی طور پر یہ سارے معاملات اسلام آباد ہی میں طے ہوجانے چاہیے تھے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم نے اس اہم نکتے کو کیوں فراموش کیا ہوا ہے'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''یہ بات شروع سے مجھے پریشان کررہی تھی'' میں نے کہا۔

''اسلام آباد مرکزی شہر ہے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھی جاتی ہے۔ ایس ٹی ایف کو وہاں کے سرکاری حلقوں سے دور رکھنے کے لیے کراچی میں مرکزی وزارت خزانہ کا ایک خاص ونگ قائم کیا گیا ہے۔ وہ لوگ تبدیلیوں پر کام کررہے ہیں۔ ایک بار سب کچھ طے ہوگیا تو پھر ہمارا ان سے اس حد تک رابطہ رہ جائے گا کہ استعمال ہونے والی چیک بکس کے کاؤنٹر فائل انہیں لوٹا کرنئی چیک بکس لیتے رہیں۔''

میں نے وہاں کافی وقت گزار لیا تھا۔ میری بعض سنگین الجھنیں دور ہوچکی تھیں۔ اس دوران میں کاروں کی تباہی کا خوفناک واقعہ بھی رونما ہوچکا تھا۔ آدم کے ذریعے اس تباہ کن دھماکے کا سبب سامنے آگیا تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ جلی ہوئی گاڑیوں کا ملبہ ٹھنڈا ہونے پر وہ لوگ بہت احتیاط اور باریک بینی سے باقیات کا جائزہ لے کر اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کی کوشش کریں گے جس کے لیے وقت درکار تھا۔ میری موجودگی میں وہ اپنی کارروائی کا آغاز نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے ان کے سروں پر مسلط رہنے کے بجائے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن جنرل نے اصرار کرکے مجھے روک لیا۔ وہ اس پہلی ملاقات میں میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا خواہاں نظر آرہا تھا۔

آخرکار گیارہ بجے میں ان سے روانگی کی اجازت لینے میں کامیاب ہوگیا۔ وہاں ہونے والے دھماکے میں میری گاڑی بھی تباہ ہوچکی تھی۔ برآمدے میں نکلنے کے بعد اول خان کو احساس ہوا کہ وہاں میری واپسی کے لیے کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ اول خان کی سرکاری لینڈ کروزر بھی دھماکے کی خوراک بن چکی تھی مگر اس کی ذاتی گاڑی اسٹیشن فور کے کسی دورافتادہ مقام پر محفوظ حالت میں موجود تھی۔

اس نے آدم کے ذریعے فون پر اپنے کسی آدمی کو پیغام بھجوایا۔ ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک شخص اول خان کی گاڑی لے کر چند منٹ میں وہاں آگیا۔

جلتی ہوئی گاڑیوں کے شعلے دم توڑ چکے تھے لیکن ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ملبے میں چنگاریاں دہک رہی تھیں۔ جن سے کثیف دھواں فضا میں پھیل رہا تھا۔ اس دھوئیں میں تاروں اور گاڑیوں کے مختلف حصوں میں لگی ہوئی پلاسٹک کی اشیا جلنے کی بہت تیز اور ناگوار بو رچی ہوئی تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ پانی کے وافر استعمال کے بغیر وہ ملبہ شام سے پہلے ٹھنڈا نہیں ہوسکے گا۔

اول خان خود بھی گاڑی سے محروم ہوچکا تھا۔ جنرل کی کار دھماکے کا براہِ راست نشانہ بنی تھی۔ ان دشواریوں کا احساس کرتے ہوئے میں نے اول خان کی گاڑی لے جانے سے لاکھ انکار کیا لیکن وہ نہ مانا۔ میری گاڑی اسٹیشن فور کی حدود میں تباہ ہوئی تھی۔ وہ اس نقصان کی اخلاقی ذمے داری کے بوجھ تلے دبا جارہا تھا۔ اس نے اپنی ذاتی گاڑی کی چابی زبردستی میرے حوالے کردی۔

میں وہاں سے واپس روانہ ہوا تو اندر سے میرا دل اداس تھا۔ اسٹیشن فور کی حدود میں ہر طرف سناٹے اور ویرانی کا راج تھا۔ عملے کو وہاں محدود ضرور کیا گیا تھا لیکن ان لوگوں کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی تھی۔ پھر بھی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سمٹے ہوئے تھے۔

وہ لوگ میدان میں مردانہ وار زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوکر اس کا سر کچلنے کے سارے حربی طریقوں کے تربیت یافتہ تھے۔ میدان سے سب کی واپسی اور پھر تعطل نے ایس ٹی ایف کے سارے عملے کو شدید مایوسی میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ رہی سہی کسر راکٹ کے اس خوفناک دھماکے نے پوری کردی تھی جس کے نتیجے میں دیکھتے ہی دیکھتے چار قیمتی گاڑیاں شعلوں کی لپیٹ میں آگئی تھیں۔

اداسی اور بددلی کی اس مایوس کن فضا کو اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر الوداع کہہ کر میں نے گاڑی سڑک پر ڈالی اور تیزی سے واپس روانہ ہوگیا۔

وہاں سے لوٹتے ہوئے میرے لیے صرف ایک خیال طمانیت کا باعث تھا کہ اس تاریک سرنگ کے آخری سرے پر امید کی روشنی نظر آرہی تھی۔ آنے والے چند دنوں میں ایس ٹی ایف کی مکمل بحالی ہونے والی تھی۔

☆☆☆

''ہمارا ایک چھت کے نیچے رہنے کا کیا فائدہ ہے!'' گھر پہنچتے ہی ویرا میرے اوپر پھٹ پڑی ''ہمیں یوں اجنبیوں کی طرح رہنا ہے تو ہم الگ الگ بھی رہ سکتے ہیں۔''

میرے لیے اس کے وہ تیور غیر متوقع تھے۔ میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سلطان شاہ کا منہ تکنے لگا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ اس نے میرے خلاف ویرا کے کان بھرے ہوں گے۔

''تم ان بے سروپا باتوں پر دھیان نہ دو!'' سلطان شاہ نے بے پروایانہ انداز میں مجھے دلاسا دیا۔ ''ہم ایک چھت کے نیچے بھی الگ الگ رہتے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی گود

Downloaded from https://paksociety.com

میں نہیں چڑھا رہتا۔ ہر ایک کو سونے کے لیے الگ کمرا میسر ہے۔ تمہاری اور غزالہ کی بات الگ ہے۔ میاں بیوی زیادہ دیر تک الگ الگ رہیں تو تشویش ہونے لگتی ہے۔''

''تم اپنی زبان بند رکھو!'' ویرا نے بات کاٹ کر اسے ڈانٹ دیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی باتیں تلخ تھیں لیکن لہجہ دھیما ہی تھا۔ سلطان شاہ کو چپ کرانے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگئی۔ ''میں پوچھ رہی ہوں کہ تم نے کیا چکر چلایا ہوا ہے؟''

''پتا نہیں تم کس چکر کے چکر میں ہو'' میں نے اطمینان سے ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا ''اگر اول خان سے میری ملاقات کو تم چکر سمجھ رہی ہو تو اس بارے میں شام ہی کو سب کو معلوم ہوگیا تھا۔ میں صبح سویرے تمہیں نہیں اٹھا سکتا تھا۔ تم گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں۔''

''تم گرامر کی غلطی کر رہے ہو'' سلطان شاہ نے اسی لمحے مجھے ٹوک دیا ''مردگدھے گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں۔ قواعد کی رو سے عورتوں کو گدھیاں اور گھوڑیاں بیچ کر سونا چاہئے.....''

''قواعد کے بچے!'' تم خاموش نہیں رہو گے؟'' ویرا نے اسے گھور کر کہا۔

''میں تم سے نہیں' ڈینی سے بات کر رہا تھا'' سلطان شاہ نے معصومانہ سنجیدگی سے کہا ''تم کو سات خون معاف ہیں لیکن ڈینی پاکستانی ہے۔ میں اسے مادر پدر آزاد اردو بولنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''ذرا سی دیر کے لیے تم خاموش رہو'' میں نے ہاتھ اٹھا کر سلطان شاہ سے کہا۔ میں نے ویرا کے تیور خراب ہوتے دیکھ لیے تھے۔ میں ان دونوں کے درمیان مداخلت نہ کرتا تو ان کے درمیان باقاعدہ جھڑپ کا آغاز ہوسکتا تھا۔

میری ہدایت پر سلطان شاہ نے سختی سے اپنے دونوں ہونٹ بھینچ کر سعادت مندانہ انداز میں اپنا سر جھکا لیا۔ میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے ویرا سے پوچھا ''ہاں' تم چھت کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں؟''

''رات کو فون پر تم نے سوبھراج اور جلال سے بات کی تھی؟''

''یکے بعد دیگرے ان دونوں کے فون آئے تھے۔ یہ رات کی نہیں' صبح سویرے کی بات ہے۔ اس وقت میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔''

''ان دونوں سے تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟'' ویرا نے اگلا سوال داغ دیا۔

''میں بتا چکی ہوں کہ سوبھراج نے اپنے فرار کی خبر دی تھی۔ بعد میں جلال نے اس کی تائید کردی' مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔

''گویا تم ان دونوں کے آقا ہو۔ انہوں نے اتنی سی بات بتانے کے لیے تمہاری نیند خراب کی تھی!'' ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا ''ان ادھوری باتوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ غزالہ سے پوچھو تو اسے کچھ ہوش ہی نہیں ہوتا۔ اس نے دونوں فون کالز کو ایک چھوٹے سے جملے میں نمٹا دیا۔ آگے پیچھے کی باتیں اسے نہیں معلوم۔ سیدھا سا جواب مل جاتا ہے کہ تم آؤ گے تو تفصیل بتا دو گے۔ اندر سے جل جل کر میرا خون سیاہ ہوگیا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو'' سلطان شاہ نے سر ہلا کر طنز سے کہا۔ ''یہ سیاہی تمہارے گلابی شہابی چہرے سے بھی جھلک رہی ہے۔''

''اتنی سی بات پر تم کیوں کڑھ رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ غزالہ ان باتوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتی۔ سلطان شاہ کو بھی زیادہ تفصیل نہیں معلوم لیکن یہ ہشاش بشاش ہے۔ تمہاری طرح جل بھن نہیں رہا'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''غزالہ زیادہ قصوروار نہیں ہے۔ وہ گہری نیند سے اٹھی تھی' اس نے صرف میرے مکالمے سنے ہوں گے۔ اسے کیا پتا کہ دوسری طرف سے کیا کہا جا رہا تھا۔ اس نے وہ خلاصہ سنا دیا جو میں نے اسے بتایا تھا۔''

''یہ بات غزالہ بھی اسی پیرائے میں بتا سکتی تھی'' ویرا نے شکوہ کیا۔ ''لیکن یہ میرے سوالوں پر یوں چڑ رہی تھی جیسے جانتے ہوئے بھی مجھے کچھ نہ بتانا چاہ رہی ہو۔''

''یہ تمہارا قصور ہے۔ بعض اوقات تم اس طرح دوسروں کے سر پر سوار ہونے کی کوشش کرتی ہو کہ اچھے خاصے آدمی کو تمہارے اوپر تاؤ آنے لگتا ہے۔ اگر کراچی یونیورسٹی نے بھی چڑانے کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے اجرا کی منظوری دی تو اس کی سب سے پہلی حق دار تم ہوگی۔ تمہیں اپنے رویوں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔''

''مانے لیتی ہوں کہ غزالہ کے ساتھ میرا رویہ درست نہیں رہا ہوگا لیکن تمہارے ساتھ میں نے کون سی بدسلوکی کی ہے جو تم اتنی دیر سے مجھے ٹال رہے ہو'' اس بار ویرا نے اپنے لب و لہجے پر قابو رکھنے کی شعوری کوشش کی تھی۔

''اس سے بڑی بدسلوکی کیا ہوگی کہ تم نے ڈینی سے تجریدی انداز میں بات شروع کی تھی۔'' سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر بول پڑا ''چھت' اجنبی' الگ الگ' چکر..... یہ سب بے سروپا باتیں تھیں۔ تمہیں براہ راست پوچھنا چاہئے تھا کہ سوبھراج کیا بک رہا تھا اور جلال نے کیا فرمایا تھا۔ تمہیں

Downloaded from https://paksociety.com

جواب مل جاتا۔''

''تم بہت آسانی سے مشتعل ہوجاتی ہو۔ سلطان شاہ تمہاری اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ سلسلہ دراز ہوجاتا ہے'' میں نے کہا۔

''دوسروں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ایسے لٹھ مار انداز میں بات کرتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میری کھوپڑی سنک جاتی ہے'' ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

''میں خان زادہ ہوں'' سلطان شاہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا ''میں کھسیس نکال کر عورتوں کی خوشامد نہیں کرسکتا۔''

''دیکھو! یہ مجھ سے ایسی بکواس کرتا رہتا ہے'' ویرا نے مجھ سے شکایت کی۔

''تم لوگ مل کر مجھے پریشان کردیتے ہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج اول خان کے دفتر کے سامنے ایک راکٹ گرا ہے جس نے میری گاڑی سمیت چار گاڑیاں جلا ڈالیں'' میں نے ان کی زبانیں بند کروانے کے لیے اکتائے ہوئے انداز میں وہ خبر سنادی۔

''یہ کیسے ہوا؟''

''یہ واردات کس کی جانب سے کی گئی ہے؟''

''پھر آپ یہاں تک کیسے آئے ہیں؟''

وہ خبر سن کر ان تینوں کے اوسان خطا ہوگئے۔ ان کے بے ساختہ سوالوں پر میں افسردگی سے مسکرا کر رہ گیا۔

چند ثانیوں بعد میں نے انہیں اسٹیشن فور کی روداد سنادی جس میں سوبھراج اور جلال کا ذکر بھی شامل تھا۔ وہ تینوں حیرت اور بے یقینی سے منہ پھاڑے وہ تفصیل سن رہے تھے۔

''اس وقت میدان میں صرف دو حریف ہمارے سامنے ہیں'' میرے خاموش ہوتے ہی ویرا نے اپنی عادت کے مطابق تجزیہ نگاری شروع کردی ''سوبھراج پہلا اور پکا دشمن ہے لیکن وہ ہر طرف سے اپنی چمڑی بچانے کے چکروں میں الجھا ہوا ہے۔ اپنے بچاؤ کی فکر میں وہ کسی جوابی وار کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ صبح سویرے وہ مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کنکریٹ کے پائپ میں گھسا ہوا تھا۔ اس کے پاس حملے کے لیے وقت تھا اور نہ وسائل یہ کام صرف اور صرف گیری کا ہوسکتا ہے۔ اس وقت وہ لوگ ہاتھ دھو کر ایس ٹی ایف کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے منتخب کیے ہوئے وقت پر جنرل کی گاڑی کو نشانہ بنایا ہے۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فوجی چوکیوں پر کڑی نگاہ بھال کے باوجود کوئی شخص میزائل اور لانچر سمیت چھاؤنی کی حدود میں کیسے داخل ہوا؟'' غزالہ بولی۔

''کوئی حادثہ ہوتا ہے تو چند روز کے لیے کڑی جانچ پڑتال شروع ہوجاتی ہے جو رفتہ رفتہ معمول کی سرسری دیکھ بھال تک محدود رہ جاتی ہے'' میں نے جواب دیا ''یہ میری سنی سنائی نہیں ذاتی تجربے کی بات ہے۔ چوکیوں کے گارڈز ہم جیسے انسان ہوتے ہیں۔ مسلسل ایک جیسا کام کرتے کرتے اکتا جاتے ہیں۔ گاڑیوں پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر راستہ دے دیتے ہیں۔ کسی پر شبہ ہوجائے تو اسے تفصیلی تلاشی کے لیے روک لیتے ہیں۔''

''گیری کو کیسے پتا چل گیا کہ جنرل اسٹیشن فور میں موجود ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''حیرت ہے کہ تم میرے تازہ ترین تجربات کو بھول رہی ہو۔ گیری نے میری گاڑی میں چپ ڈال کر اپنے آدمی میری راہ پر لگادیے تھے۔ یہی کچھ جنرل کے ساتھ ہوا ہوگا۔ جس چپ سے گاڑی کی پوزیشن کی نشان دہی ہورہی تھی اسی سے راکٹ کی رہنمائی کی گئی۔''

''تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' سلطان شاہ کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئی تھیں۔ سنجیدہ باتیں شروع ہوتے ہی وہ ویرا کو بھلا بیٹھا تھا۔

''جنرل سے میری ملاقات کا وقت نو بجے کا تھا لیکن وہ آٹھ بجے اسٹیشن فور میں پہنچا ہوا تھا۔ دھماکا ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ ہوا۔ اس ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے میں ان کا کوئی آدمی اطمینان سے وہاں پہنچ کر راکٹ فائر کرسکتا تھا۔''

''اس دھماکے کے نتیجے میں پوری چھاؤنی میں ہلچل مچ گئی ہوگی۔'' غزالہ نے پھریری لے کر کہا۔

''ایس ٹی ایف والوں میں بے چینی کی لہر دوڑی تھی۔ دوسروں نے اس دھماکے پر دھیان بھی نہیں دیا ہوگا۔ وہ چھاؤنی کا علاقہ ہے۔ وہاں فائرنگ اور ہلکی گولا باری کی آوازیں معمولات میں شامل ہیں۔ دن میں چاند ماری کی مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''یہ تصدیق ضروری ہے کہ جنرل کی گاڑی پر ایف بی آئی کی طرف سے حملہ ہوا ہے۔'' ویرا بڑبڑائی۔

''واقعات کھلی نشان دہی کررہے ہیں۔ مزید تصدیق ہو بھی گئی تو ہم کیا کرلیں گے!'' میں نے کہا۔

''وہ خود چھیڑ چھاڑ پر اتر آئے ہیں تو انہیں منہ توڑ جواب دینا ضروری ہوگیا ہے۔ احتیاط کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان سے دست بستہ مار کھاتے رہیں۔''

''اس بارے میں جنرل یا اول خان نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا!'' میں نے دل ہی دل میں ویرا کے اٹھائے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے نکتے کو سراہتے ہوئے اپنی تشویش ظاہر کی۔

''ان کے گھر میں ڈاکا پڑا ہے۔ ان کے اوسان ٹھکانے پر نہیں رہے ہوں گے۔ تمہارے آجانے کے بعد انہوں نے اس حملے پر مکمل کر بات کی ہوگی۔''

''چاہو تو تم کھوج لگا سکتے ہو۔'' سلطان شاہ بولا ''ڈینی بن کرتم نے سوبھراج سے دوستی گانٹھی ہوئی ہے۔ کرنل داور کے روپ میں تم گیری کے دوست ہو۔ اسے ایک فون کیوں نہیں کر لیتے۔ اس سے تمہارا رابطہ ٹوٹے دو دن ہو رہے ہیں۔''

گیری ہارٹ کے ایما پر اس سے میری آخری ملاقات اولڈ کاٹن پر ہوئی تھی جہاں اس نے میری گاڑی میں بیٹھ کر ایس ٹی ایف کے خلاف اس قدر زہر اگلا تھا کہ اس کی معلومات سے خوف زدہ ہو کر مقتدر قوتوں نے فوری طور پر اس فورس کی ساری سرگرمیاں معطل کرنے کا بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی دوران میں گیری نے کمینگی اور اپنی دانست میں چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری گاڑی میں ایک چپ ڈال دیا تھا جس کی مدد سے شام کو دو امریکی ہمارے رہائشی علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

سلطان شاہ نے اتفاق سے انہیں نہ دیکھ لیا ہوتا تو ہمارے لیے وہ رات بہت بھاری ہو سکتی تھی۔ گھر سے فرار کے بعد جب ہم چپ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو گیری کی بدنیتی کھل کر سامنے آ گئی۔

ایک طرف وہ ایس ٹی ایف کے خلاف زہر فشانی کر رہا تھا دوسری طرف میرے خلاف اپنے مذموم عزائم کو پروان چڑھا رہا تھا۔

اگلے روز میں امریکی قونصل خانے میں اپنی شکایت لے کر اس سے ملا تھا اور وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ نک ہاروے کی موت ان کے لیے ایک گہرا گھاؤ ثابت ہوئی تھی۔ اسے اس کے گھر میں گھس کر مارا گیا تھا۔ قاتل رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ان کے تمام دعوؤں کے برعکس، سوبھراج نے اخبارات سے رابطہ کر کے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ نک کو اس نے مروایا تھا۔ سوبھراج ان کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے عین مطابق ہم لوگوں سے نک کے خون کا بدلہ لینے پر تل گئے تھے۔

گیری کی ساری حرکتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پاکستان میں جلد از جلد کوئی بڑی کامیابی حاصل کر کے نک کی موت کے نفسیاتی اثرات کا ازالہ کرنا چاہ رہا تھا۔

میں نے اپنے ذہن میں ماضی قریب کے ان واقعات کا اعادہ کیا اور پھر گیری سے گفتگو کا ایک اجمالی خاکہ ترتیب دے ڈالا جس کی روشنی میں اس کا ذہن پڑھنے میں خاصی مدد مل سکتی تھی۔

''سوچ کیا رہے ہو۔ اس وقت سلطان شاہ کی فکمی کھوپڑی میں کام کی بات آئی ہے۔ اس پر اسی وقت عمل کر ڈالو!'' ویرا نے مجھے خاموش پا کر کہا۔

''اب اسے ہرگز فون نہ کرنا۔'' سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر اتنی برجستگی سے کہا کہ میں حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگا۔

''عورت کسی بات کی تائید کرے تو سمجھ لو کہ وہ بات بالکل غلط ہے۔'' سلطان شاہ نے اپنی بات جاری رکھی ''اس کے خلاف عمل کرنے میں فائدہ حاصل ہوگا۔''

''یہ اوندھا سبق تم نے کہاں سے سیکھ لیا؟'' غزالہ نے ترشی سے پوچھا۔

''یہ سبق میں نے تجربوں سے سیکھا ہے۔ تم خاموش بیٹھی رہو۔ تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں دوسری قسم کی عورتوں کی بات کر رہا تھا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا دوسری قسم سے؟'' ویرا آنکھیں نکال کر بولی ''کیا میں کوئی گئی گزری عورت ہوں جو تم میرے بارے میں یہ بدگمانی بک رہے ہو؟''

''ابھی تم کہاں گزری ہو، زندہ ہو اور بول رہی ہو۔ یقین کرو کہ تم گزر گئیں تو میں تیسرے ہی دن سے تمہاری قبر پر چراغ جلا کر قوالی شروع کرا دوں گا۔ تمہارے گزر جانے سے بہت سے لوگوں کو فیض حاصل ہوگا.....''

''شٹ اَپ!'' سلطان شاہ کی زبان جس روانی سے چل پڑی تھی اس میں لکنت کے کوئی آثار نہ پا کر مجھے اسے پھٹکارنا پڑ گیا ''تمہیں ذرا سا خیال نہیں رہتا کہ کب کیا بات ہو رہی ہے۔ ہر وقت اپنی خرمستیوں میں لگے رہتے ہو۔''

''یہ ہے تمہاری اوقات!'' ویرا نے خوش ہو کر اس پر طنز کیا ''صحیح خوراک مل گئی۔ اب کئی گھنٹوں کے لیے راہِ راست پر رہو گے!''

''تم بھی ہوش میں رہو!'' دونوں کے درمیان توازن برقرار رکھنے کے لیے میں نے ویرا کو بھی جھاڑ دیا ''تم بلاوجہ اس کے منہ کیوں لگتی ہو۔''

''میں اس جھاڑ کے کانٹے کے منہ نہیں لگتی۔ تم خاموش بیٹھے سوچ چار ہے تھے۔ بس میرا ایک مشورہ دینا قیامت ہو گیا اور اس کی زبان چل پڑی۔''

''گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں!''

Downloaded from https://paksociety.com

سلطان شاہ نے چھت کی طرف منہ اٹھا کر وہ مصرع پڑھا پھر غزالہ سے بولا ''سیاہ جنون والی گلابی عورت کو اس مصرع کا مفہوم سمجھا دینا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' اپنی بات پوری کرتا ہوا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

''خس کم جہاں پاک!'' اس کے جانے کے بعد ویرا... بڑبڑائی۔

''اب اس کے بارے میں ایک لفظ نہ کہنا۔'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا ''خود فساد کی داغ بیل ڈالتی ہو پھر شور مچاتی ہو کہ وہ زیادتی کر رہا ہے۔''

''اس وقت میں نے کیا کیا تھا۔ وہ بلاوجہ مجھ سے الجھا تھا۔''

''اتنی دیدہ دلیری اچھی نہیں ہوتی۔ نکی کھوپڑی کہہ کر تم نے پہل کی تھی۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئی۔

میں گیری سے بات کرنے کے بارے میں اپنا ذہن بنا چکا تھا لیکن ویرا اور سلطان شاہ کی جھڑپ نے میری طبیعت مکدر کر دی تھی۔ میں نے وہ ارادہ ملتوی کر کے سگریٹ سلگائی اور پاؤں پسار کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ غزالہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

''کیا گیری کو فون نہیں کرو گے؟'' چند منٹ کی بوجھل خاموشی کے بعد ویرا نے دھیرے سے پوچھا۔

''تم دونوں نے میرے دماغ کو اس قابل کہاں چھوڑا ہے کہ میں کسی سے ڈھنگ کی بات کر سکوں۔ تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ اس وقت ہم ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمیں ہر وقت ذہنی یکسوئی اور ارتکاز کی ضرورت ہے۔''

''پتا نہیں کبھی کبھی تمہیں کیا ہو جاتا ہے۔ ہلکی پھلکی نوک جھوک انسان کو ہر وقت چاق و چوبند رکھتی ہے۔ موقع ملنے پر وہ چوکتا ہے نہ میری زبان رکتی ہے۔''

''چاق و چوبند رہنے کا اتنا شوق ہے تو اسے اپنے کمرے میں بند کر کے تلخ کلامی کر لیا کرو۔ ہر وقت کے تماشے بھی کبھی مجھے گراں گزرنے لگتے ہیں۔'' میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

''ریفری کے بغیر زبانی لڑائی میں مزہ نہیں آتا۔ وہ میرے ساتھ اکیلا ہوتا ہے تو بھیگی بلی بنا رہتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی عقل چوپٹ ہو کر رہ گئی ہو۔''

میں بے بسی سے ہنس پڑا ''ویرا! تم بہت ڈھیٹ ہو گئی ہو۔ جاؤ اور کچھ دیر کے لیے مجھے تنہا چھوڑ دو۔ اس نے تمہاری بات سن لی تو وہ اعتراض کرے گا کہ تمہاری باتوں میں تذکیر و تانیث کی غلطی ہے۔ وہ بھیگا بلا بن سکتا ہے، بلی نہیں۔''

''تم کہتے ہو تو چلی جاتی ہوں۔'' وہ اٹھ گئی پھر جاتے جاتے رک کر بولی ''سچ بات یہ ہے کہ مجھے اس پر غصہ نہیں آتا۔ اسے چڑانے اور سلگانے میں لطف آتا ہے۔''

ویرا کے کچھ کہے بغیر بھی میں وہ بات جانتا تھا۔ میں نے کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے خاموشی میں اپنی عافیت جانی اور وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

سگریٹ ختم کر کے میں کچھ دیر کے لیے آنکھیں موندے پڑا رہا۔ خلوت اور خاموشی کے وہ لمحات میرے لیے سکون آور ثابت ہوئے۔ رفتہ رفتہ میرا ذہن اعتدال پر آ رہا تھا۔

نک کی موت کے سوگ کے تین دن پورے ہو چکے تھے۔ قونصل خانہ کھل جانا چاہیے تھا۔ ویسے بھی گیری ضروری کام نمٹانے کے لیے سوگ کی چھٹیوں میں بھی اپنے دفتر آتا رہا تھا اور اسی دوران میں، میں اس سے مل چکا تھا۔ اسے ہر حال میں اپنے دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد میں نے اپنے گھر والے فون سے گیری کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملایا۔ میں یہ بات پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ میرے کمرے میں فون کی لائن سے منسلک سی ایس ڈی آن تھی۔ پہلی گھنٹی پر مجھے گیری کی تحکم آمیز ہیلو سنائی دی۔

''گیری! کیا حال ہے..... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

''اوہ! داور! تم اس وقت کہاں ہو، خاصے مطمئن اور خوش معلوم ہو رہے ہو!'' میری توقع کے مطابق اسے میرے اطمینان پر اچنبھا ہوا تھا۔

''ایک دوست کے پاس آیا ہوں۔ وہ لنچ کی تیاری کے لیے بازار کی طرف نکلا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر تم سے بات کر لوں۔''

''بہت اچھا کیا۔ یہ سناؤ کہ کیا خبریں ہیں؟'' اس کی آواز میں ہلکا سا اضطراب پنہاں تھا۔ وہ یقینی طور پر میری زبان سے ایس ٹی ایف کے قلب میں ہونے والے دھماکے کی خبر سننے کا خواہاں تھا۔

''کسی خبر کا نہ ہونا سب سے اچھی خبر ہوتی ہے'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم کافی دیر سے اپنے آدمیوں سے کٹے ہوئے ہو۔ کسی نے تمہارے اپریٹس یا موبائل فون پر تمہیں ایک بری خبر سے آگاہ کرنے کی زحمت نہیں کی!''

''میں صبح سویرے اس خبر سے واقف ہو چکا تھا'' میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اس کی بات کا رخ گھما دیا ''یہ بہت برا ہوا کہ مدن لال کے گھر پر ہونے والی کارروائی ناکام ثابت ہوئی اور سوبھراج وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔''

''وہ بھی آج کی بہت بری خبر تھی لیکن میں ایک اور واقعے کا تذکرہ کررہا تھا۔''

''میں اس کے علاوہ کسی اور واقعے سے بے خبر ہوں۔ برسوں بعد مجھے دو دن کی چھٹی ملی ہے۔ میں اسے بے خبر رہ کر ہنسی خوشی گزارنا چاہتا ہوں۔''

''تم جیسا ذمے دار افسر چھٹی پر ہوتے ہوئے بھی اپنے دفتری معاملات سے غافل نہیں رہ سکتا۔ کچھ دیر پہلے اسٹیشن فور کی حدود میں ایک زوردار دھماکے کے ساتھ شعلے بلند ہوتے ہوئے دیکھے گئے ہیں' وہاں کیا ہوا ہے؟''

''میں لاعلم ہوں'' میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا۔ ''کیا تمہارے آدمی اسٹیشن فور کی نگرانی کررہے ہیں؟''

''نن..... نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے'' اس نے بوکھلائی ہوئی آواز میں جلدی سے کہا۔

''پھر تمہیں دھماکے اور آگ کی اطلاع کس نے دی؟''

''مجھ سے یوں جرح مت کرو'' میرے سوال پر وہ تلملا اٹھا ''میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ تم سے صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس خبر میں کتنی صداقت ہے؟''

''تم تو یوں چڑ رہے ہو جیسے وہ دھماکا تم ہی نے کروایا ہو اور اب مجھ سے اس کی تصدیق چاہ رہے ہو'' میں ہلکے پھلکے لہجے میں گہرا طنز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''کل رات سے میں اپنے دوست کے پاس ہوں' اسٹیشن فور سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں تمہاری خبر کی تصدیق یا تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ تم نے مجھے متفکر کردیا ہے۔ اب مجھے وہاں کی صورتِ احوال جاننے کے لیے فون کرنا پڑے گا۔''

''حیرت ہے کہ تمہیں اپنے گھر کی خبر نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ سوبھراج کو پکڑنے کی کوشش ناکام ہوگئی!'' اس کی طنزیہ آواز میں گہری کاٹ تھی۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سوبھراج میری کمزوری بنا ہوا ہے۔ یہ کوئی خفیہ خبر نہیں ہے۔ پورے شہر کو معلوم ہے کہ ایک سرکاری ایجنسی اسے پکڑنے میں ناکام رہی ہے۔''

''میں اس بارے میں تم سے ضرور بات کروں گا لیکن پہلے میں اسٹیشن فور کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہاں کیا ہوا ہے'' سوبھراج کے قصے کی اہمیت کو تسلیم کرلینے کے باوجود اس کا ذہن اسٹیشن فور میں الجھا ہوا تھا۔

اس کا حد سے بڑھا ہوا تجسس میرے لیے حیران کن تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ دھماکا ان لوگوں کے ایما پر کیا گیا تھا۔ ان کی دلی مراد پوری ہوگئی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ وہ مجھ سے اس واقعے کی تصدیق کیوں چاہ رہا تھا۔

ذہن پر ذرا سا زور دیتے ہی سارے پردے سرک گئے اور بات یکایک میری سمجھ میں آگئی۔

گیری ہارٹ اور اس کے سارے رازداں امریکی نژاد تھے۔ ان سفید فاموں کے لیے کسی حساس علاقے میں گھسنا تقریباً ناممکن تھا۔ وہ کسی حیلے بہانے سے کہیں گھسنے میں کامیاب ہوجاتے تو دھماکے جیسی کارروائی کرکے ان کا بچ نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔

پاکستان میں اپنی تخریبی کارروائیاں جاری رکھنے کے لیے انہیں ہر لمحے مقامیوں کی مدد درکار تھی۔ اس کام کے لیے انہوں نے سوبھراج کو پالا ہوا تھا۔ پاکستان کی آستین میں پلنے والا وہ ناگ' نقاب پوش کو برا کے روپ میں مقامی مجرموں سے گہرے روابط رکھتا تھا اور انہیں معقول معاوضے پر اپنے آقاؤں کے لیے استعمال کرتا تھا۔

سوبھراج کے یکایک زیرِ زمین چلے جانے سے وہ خانہ خالی ہوگیا تھا اور امریکی مفلوج ہوکر رہ گئے تھے۔ وہ کراچی میں بہت کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن کچھ بھی نہیں کرپا رہے تھے۔

مقامی مجرموں سے براہِ راست رابطے ان کے لیے اتنے ہی خطرناک ثابت ہوسکتے تھے جتنا ان کا جرائم میں خود ملوث ہونا۔ اس مشکل کا توڑ کرنے کے لیے شاید گیری نے اسٹیشن فور پر راکٹ فائر کرنے کے لیے کسی مقامی کو اپنے اعتماد میں لیا تھا۔

اس مقامی ذریعے نے شاید گیری کو اپنی کامیابی کی اطلاع دے دی تھی اور وہ طے شدہ معاوضہ طلب کررہا تھا۔ گیری کے لیے معاوضے کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس کے چنے ہوئے آدمی نے ایک مشکل ہدف کو واقعی حاصل کرلیا تھا یا وہ جھوٹ بول کر رقم اینٹھنے کے چکر میں پڑا ہوا تھا۔

وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی میں نے اس سے کہا ''تم ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں اپنے موبائل پر پتا کرکے تمہیں بتاتا ہوں۔''

''ویری گڈ..... میں تم سے اسی تعاون کا خواہاں رہتا ہوں' میری پیشکش سن کر وہ خوش ہوگیا۔

میں نے موبائل فون پر اپنا ہی نمبر ملایا تو مجھے اپنے ریسیور

Downloaded from https://paksociety.com

پر موبائل کے خلل انداز ہونے کی آوازیں سنائی دیں جو گیری کے کانوں تک بھی پہنچ رہی ہوں گی۔

میرا فون مصروف تھا۔ موبائل پر ریکارڈنگ بجنے لگی لیکن میں نے چونکے ہوئے انداز میں گفتگو کا انداز اختیار کیا اور چند مکالموں کی ادائیگی کے بعد موبائل فون بند کر دیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے تھے'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ''وہاں کچھ دیر پہلے ایک راکٹ گرا ہے۔ کئی گاڑیاں تباہ ہو گئیں مگر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔''

''اتنی سی دیر میں انہوں نے یہ پتا بھی لگا لیا کہ وہاں راکٹ گرا ہے'' اس کے بے ساختہ فقروں سے مسرت اور غصے کا امتزاج جھلک رہا تھا۔

''اب یہ نہ کہنا کہ یہ ایس ٹی ایف کے نامعلوم دشمنوں کا کام ہے۔ تمہارا لب ولہجہ چغلی کھا رہا ہے کہ اس واقعے کے پیچھے تمہارا دماغ کام کر رہا تھا'' میں نے اسے سوچنے سمجھنے کا کوئی موقع دیے بغیر وہ بات کہہ ڈالی۔

''وار کامیاب ہوا ہے تو مجھے بھی یہ ماننے میں عذر نہیں ہے کہ یہ ہمارا کام ہے۔ اب ہم تمہیں..... تم ہمارے دوست ہو۔ میرا مطلب ہے کہ ہم ایس ٹی ایف کو عقل کے ساتھ ساتھ طاقت سے بھی کچلیں گے۔ انہیں ہمارے آڑے نہیں آنا چاہئے۔''

''ابھی تک ایس ٹی ایف نے تمہارے ساتھ براہ راست تصادم کی راہ اختیار نہیں کی'' میں نے پرزور لہجے میں احتجاج کیا ''تم کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو؟''

''یہ غلیظ فورس ڈینی کو تحفظ کی چھتری فراہم کر رہی ہے'' اس کی آواز تلخ ہو گئی ''ہمیں ہر قیمت پر ڈینی درکار ہے..... زندہ یا مردہ..... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' آج کا دھماکا صرف ایک وارننگ تھا۔ یہ اس وقت بھی ہو سکتا تھا جب تمہارا جنرل اس کار میں سفر کر رہا ہوتا۔ وقت کا انتخاب میں نے کیا تھا اور آئندہ بھی یہ انتخاب میرا ہو گا۔''

''تو کیا جنرل کی گاڑی کو نشانہ بنایا گیا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ کئی دنوں سے کراچی میں ہے مگر مجھے کل شام کو اس کی شہر میں موجودگی کی اطلاع ملی ہے'' وہ پرغرور لہجے میں بتانے لگا ''وہ چوہے کی طرح چھپا رہ سکتا ہے لیکن دوسروں کی زبانیں بند نہیں رکھ سکتا۔ رات ہم نے ایک فون پر ہونے والی باتیں پکڑیں اور پتا چلا کہ جنرل آج صبح اسٹیشن فورس میں ہو گا۔ شہر میں اس رتبے کے کسی آدمی کا سراغ لگانا مشکل نہیں ہوتا۔ رات کے دو بجے اس کی گاڑی میں موت کا بگ لگا دیا گیا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا' ہمیں پل پل کی خبر ملتی رہتی۔ وہ اسٹیشن فور پہنچا اور تھوڑی دیر بعد ہمارے نشاندہی وہاں پہنچ چکے تھے۔''

''یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟'' میں واقعی الجھن میں پڑ گیا تھا۔

''تم اپنی فورس میں خاصے سینئر ہو۔ ہمیں جانتے ہو اور ڈینی کی بدمعاشیوں سے بھی واقف ہو۔ تم اپنے جنرل کو سمجھا سکتے ہو کہ وہ غلط راستے پر ہے۔ ایک شخص کو تحفظ دینے کے لیے اتنی بڑی فورس کو تباہی کے دہانے میں ڈال دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ ڈینی اگر تمہارے ہاتھ میں نہیں آ رہا تو جنرل کو اس کے گلے میں رسی ڈال دینی چاہئے۔''

''جنرل ٹیڑھا آدمی ہے۔ میں اس سے یہ سب نہیں کہہ سکتا'' میں نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا ''تم خود اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ دھماکے کا واقعہ تازہ ہے۔ وہ تمہاری بات سننے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''یہ ناممکن ہے۔ میں اپنی حکومت کے موقف سے انحراف نہیں کر سکتا۔''

''اس میں انحراف کی کیا بات ہے۔ تم مجھ سے جو کچھ کہہ رہے ہو وہی اس سے براہِ راست کہہ ڈالو۔ نتیجہ سامنے آ جائے گا۔''

''سرکاری سطح پر امریکا قائل ہے کہ پاکستان میں اسپیشل ٹاسک فورس نام کی کوئی قوت موجود نہیں ہے۔ میں سرکاری ملازم ہوں۔ جنرل سے میرے رابطے کا مطلب ہو گا کہ میں نے سرکاری پالیسی کو نظر انداز کیا ہے۔ تمہارے جنرل نے کسی ذریعے سے یہ شکایت کر دی تو مجھے ملازمت سے برطرف بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''مجھے استعمال کرنے کی صورت میں تم ان ممکنہ نتائج سے بچے رہو گے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کوئی میرا نام نہیں لے سکے گا۔ سانپ مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔''

''کیا یہ دور خی حکمت عملی نہیں ہے'' رفتہ رفتہ اس کا اصل مفہوم میری سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔

''تمہاری مرضی ہے۔ تم اس پالیسی کو جو نام چاہو دے سکتے ہو'' گیری کی آواز سے بے پروائی مترشح ہو رہی تھی۔

''یہ دوغلا پن ہے۔ سرکاری سطح پر تم ایس ٹی ایف سے الجھنے سے گریز کر رہے ہو۔ دوسرے طریقوں سے تم اسے تباہ کر دینا چاہتے ہو۔''

''پاکستان ہمارا دوست ملک ہے۔ ہم اس سے کوئی بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ تمہیں میرے رویے میں اس خلوص اور

Downloaded from https://paksociety.com

نیک نیتی کا تسلسل ملے گا۔''

''دوستی پورے وجود سے ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ تم اپنے دوست سے کہو کہ مجھے تمہارا پورا وجود بہت عزیز ہے لیکن تمہاری بائیں ٹانگ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ دوستی کے نام پر اسے کٹوا کر الگ پھینک دو۔ غیر سرکاری طور پر تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف پاکستان کے لیے کتنا کام کر رہی ہے۔ اس کے خلاف قدم اٹھا کر تم پاکستان کو نقصان پہنچانے کی تیاری کر رہے ہو۔''

ریسیور پر اس کی ہلکی سی تکبّر آمیز ہنسی کے بعد آواز آئی ''فورس سے تمہاری روزی وابستہ ہے اس لیے تم جذباتی ہو رہے ہو۔ مجھے فورس کے خاتمے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا ٹارگٹ صرف ڈینی اور ویرا ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ آ جائیں تو میں تمہاری فورس کو بھول جاؤں گا۔ تمہارے بڑوں کی حماقت سے یہ ٹوٹ گئی تو تم خاطر جمع رکھو ہم تمہیں اس سے بہتر اور پرکشش ملازمت دیں گے۔ میرا ہم خیال بن کر تم نے اپنے شاندار مستقبل کی ضمانت حاصل کر لی ہے۔''

''مجھے بات بڑھتی ہوئی نظر آ رہی ہے'' میں نے تشویش سے کہا۔

''تم میرا پیغام جنرل تک پہنچا دو۔ بات ختم ہو جائے گی!'' اس کا لہجہ پرزور تھا۔

''میں اپنی فورس میں اتنا سینئر نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو'' میں نے بے بسی کا لہجہ اختیار کر لیا۔ ''وہ میری رسائی سے باہر ہے۔ تم بتا رہے ہو کہ جنرل کئی دن سے کراچی آیا ہوا ہے۔ میں فورس میں ہوں اور مجھے اس کی آمد کی بھنک نہیں ملی۔ وہ اسٹیشن فور آیا ہوا ہے' میں دو روز کی چھٹی پر ہوں۔ یہ پیغام رسانی میری بساط سے باہر ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ سوبھراج کیوں راندۂ درگاہ ہوا ہے؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی سخت اور کھردری آواز ابھری۔ اس کا لہجہ بالکل بے لوچ تھا۔

''اس نے ویرا کے بارے میں تمہارے پیش رووں کو اندھیرے میں رکھا۔ اسے پکڑا اور پھر کھو دیا۔ اس کا یہ جرم تم لوگوں کے نزدیک غداری کے برابر ہے۔''

''دیکھ لو۔ وہ پناہ کی تلاش میں دربدر مارا مارا پھر رہا ہے اور اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی۔''

''اس وقت کچھ دوسری قوتیں بھی اس کا پیچھا کر رہی ہیں۔''

''میری یہ بات لکھ لو کہ آخرکار وہ ہمارے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے گا۔''

''اس وقت تم نے اس کا ذکر کیوں چھیڑا ہے؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''تم نے ڈینی کو پکڑا اور اپنی حماقت سے کھو دیا'' اس کی چبھتی ہوئی آواز ذو معنی تھی ''ڈینی ہمارے نزدیک ویرا سے بڑا اور خطرناک مجرم ہے۔''

''تم میرا اور سوبھراج کا موازنہ نہیں کر سکتے'' میں نے تیز احتجاجی لہجے میں کہا ''وہ تمہارا تنخواہ دار ملازم تھا' میں نے آج تک تم سے ایک دمڑی نہیں لی۔ اس نے بدنیتی سے ویرا کو چھپا لیا تھا' میں نے نک کو بتا دیا تھا کہ میں نے ڈینی کو پکڑ لیا ہے' سوبھراج لوٹ آئے تو میں ڈینی کو اس کے حوالے کر دوں گا۔ وہ اداچھا وار کر کے سوبھراج کو بھڑکانہ دیتا تو وہ ڈیل آسانی سے طے ہو جاتی۔ مہلت سے فائدہ اٹھا کر ڈینی بھاگ گیا۔''

''میں تمہارا اور سوبھراج کا موازنہ نہیں کر رہا'' اس کی سرد آواز سے بے رحمی مترشح تھی ''صرف اتنا بتا رہا ہوں کہ واقعات میں کتنی گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ اب تم ڈینی پر دوبارہ ہاتھ ڈال کر اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کر سکتے تو جنرل کو رام کرو۔ اپنی فورس کی بقا کے لیے اسے ڈینی سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔''

''نہیں گیری..... یہ ناممکن ہے'' میں نے اسے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا ''میری زبان سے کوئی کچی بات سنتے ہی وہ سمجھ جائے گا کہ میں تم لوگوں سے مل گیا ہوں۔ وہ سخت گیر اور سفّاک ہونے کی شہرت رکھتا ہے۔ بے دریغ مجھے گولی مار دے گا۔ تمہاری ایف بی آئی کی طرح ایس ٹی ایف بھی اپنے غداروں سے ذرا بھی رورعایت نہیں کرتی۔''

''تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ میں اب تک تم پر اپنا وقت برباد کرتا رہا؟''

''جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔ ویسے یہ تمہاری نہیں' میری کال تھی۔ تم نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔''

''میں تم کو فون کرنا چاہ رہا تھا مگر تذبذب میں تھا۔ مجھے انتظار تھا کہ کسی اور ذریعے سے اسٹیشن فور والی اطلاع کی تصدیق ہو جائے۔ تھوڑی دیر تک تمہارا فون نہ آتا تو میں خود تم سے رابطہ کرتا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں' حقیقت ہے۔''

''اتنی شدت سے تصدیق کی ضرورت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب تمہارے پاس قابلِ اعتماد آدمیوں کی کمی ہے۔ کام کرنے والوں کی دی ہوئی اطلاعات تمہارے لیے قابلِ اعتبار نہیں ہیں' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اسٹیشن فور کی حدود میں جنرل کی گاڑی کو راکٹ کا

Downloaded from https://paksociety.com

نشانہ بنانا آسان کام نہیں تھا۔ دوسرے ذرائع سے اس اہم خبر کی تصدیق ضروری تھی۔''

''سوبھراج کے ہٹ جانے کے بعد ان مشکلات کا پیدا ہونا فطری بات ہے'' وہ کھل کر بات کررہا تھا اس لیے میں نے بھی بے دھڑک ہوکر وہ بات کہہ ڈالی ''کوبرا کے روپ میں وہ شہر کے ناپسندیدہ لوگوں سے ہر کام لے لیا کرتا تھا۔ وہ وسیلہ ختم ہوگیا ہے۔ اب تم کو یہ کام خود کرنا پڑرہا ہوگا۔ وہ لوگ آسانی سے کسی کے قابو میں نہیں آتے۔ موقع ملتے ہی چونا لگانے کی فکر میں رہتے ہیں۔''

''تک نے تمہیں پیش کش کی تھی کہ تم چاہو تو سوبھراج کی جگہ لے سکتے ہو۔ وہ پیش کش آج بھی برقرار ہے۔'' اس کی آواز میں بے آرامی اتر آئی ''تم کچھ ہی عرصے میں دولت میں کھیلنے لگو گے۔''

''عزت کی روزی کو لات مار کر میں یہ سب نہیں کرسکتا۔ وہ دولت آج سوبھراج کے کس کام آرہی ہے؟ وہ ذہنی سکون اور تحفظ کھو چکا ہے۔''

''یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔ لالچ اور سنگین غلطیوں کو کوئی آجر معاف نہیں کرتا۔ تم انکار کرو گے تو ہمیں جلد ہی سوبھراج کا کوئی نہ کوئی متبادل مل جائے گا۔ کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے دنیا کا کوئی کام نہیں رکتا۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں بعد تمہارے خیالات میں تبدیلی آجائے۔ فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ ڈینی اور ویرا کے معاملے میں تم میرے ساتھ ہو۔''

''تم اس معاملے کو اپنی عینک سے دیکھتے ہو۔ میرا نظریہ تم سے مختلف ہے۔ میں ڈینی کی آزادروی اور حد سے بڑھی ہوئی خودمختاری سے نالاں ہوں اس لیے اسے لگام دینا چاہتا ہوں۔ تمہارا اور اس کا معاملہ بالکل مختلف ہے.....''

''اسباب کچھ بھی ہوں'' وہ میری بات کاٹ کر بولا ''یہ بات طے ہے کہ تم اسے پسند نہیں کرتے۔ یہ مشترک جذبہ اسی طرح برقرار رہنا چاہیے۔ اب یہ بتاؤ کہ سوبھراج کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے۔ ڈینی اور ویرا کے بعد وہ میری ترجیحات میں سب سے اوپر ہے۔''

''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ آج پھر بچ نکلا۔'' میں نے اختصار سے کہا۔

'اس کا نصیب اس کا ساتھ دے رہا ہے ورنہ اب تک اسے ملک عدم کا راہی ہوجانا چاہیے تھا۔ مجھے بھی اڑتی اڑتی خبر ملی ہے کچھ دیر میں تفصیلات سامنے آجائیں گی۔''

''تمہاری خواہش بہت فطری ہے' وہ تم لوگوں کے بہت سے رازوں کا امین ہے۔ ابھی اس نے صرف تک کو مروایا ہے۔ وہ زبان کھولنے پر تل گیا تو تمہارے لیے خاصی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔''

''گھر کا کوئی بھیدی غداری پر تل جائے تو اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کوئی اور نہیں ہوسکتی۔''

سوبھراج کے بارے میں اس سے کوئی نئی بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی' میں نے گفتگو کو طول دینے کے بجائے وہیں ختم کردیا۔

گیری سے میری وہ گفتگو ہر لحاظ سے نتیجہ خیز رہی تھی' بات قیاس سے بڑھ کر یقین کی حد میں داخل ہوگئی تھی کہ جنرل کی گاڑی پر ان ہی لوگوں کے ایما پر راکٹ چلایا گیا تھا۔ دوسری اہم بات یہ سامنے آئی تھی کہ ایس ٹی ایف کے بارے میں چشم پوشی کا سرکاری رویہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ امریکی حکومت پاکستان کے ساتھ کھلی محاذ آرائی کے لیے آمادہ نہیں تھی لیکن سرکاری اہل کاروں کو یہ چھوٹ دے دی گئی تھی کہ وہ اپنے طور پر اس فورس کے خلاف جو کچھ کرسکتے ہیں وہ کرتے رہیں۔

غنیمت یہ تھا کہ گیری نے اپنے جملہ مذموم مقاصد کو میری اور ویرا کی ذات سے مربوط کردیا تھا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہم دونوں کی سرکوبی کے بعد اسے فورس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔

جنرل وقار چوری چھپے کراچی آیا تھا نہ اس کی آمد کا ڈھنڈورا پیٹا گیا تھا۔ وہ مخصوص مقصد کے لیے کراچی آیا تھا اور اپنا کام پورا کر کے خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ یہ شرمناک بات تھی کہ ایک دوسرے پر اپنی باخبری کا رعب جھاڑنے کے لیے سرکاری افسران فون پر ایک دوسرے سے حساس موضوعات پر بات کرنے کے عادی ہوچکے تھے۔

اگر ایف بی آئی والوں نے اپنے موثر اور جدید ترین مواصلاتی آلات پر دو افسروں کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سنی ہوتی تو انہیں کانوں کان بھی جنرل کی آمد کا پتا نہ چلتا اور اسٹیشن فورکا سانحہ وجود میں نہ آتا۔

مشکل یہ تھی کہ افسروں کی وہ عادتیں کسی حکم نامے سے تبدیل نہیں کی جاسکتی تھیں۔ ان کا تعلق لوگوں کے انفرادی مزاج اور قومی شعور سے تھا' کسی کو یہ احساس نہیں تھا کہ کون سی بات کہاں کی جاسکتی ہے اور اس کے مضمرات کیا ہوسکتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔

وہ افسوسناک صورت احوال تھی جس کا مداوا کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

''تم نے شاید ایک اہم بات نوٹ نہیں کی۔'' گیری سے ہونے والی گفتگو پر تبادلہ خیال کے دوران ویرا نے کہا ''اپنی طویل باتوں میں گیری نے ایک بار بھی زہریلی باتوں کو نہیں دہرایا جو اس نے فورس کے مالی معاملات کے بارے میں تم سے کہی تھیں۔''

مجھے اولڈ کافٹن پر ہونے والی وہ گفتگو لفظ بلفظ یاد تھی۔ میں نے کہا ''راکٹ فائر ہونے کے بعد اب وہ نئی راہ پر چل نکلا ہے' سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس سلسلے کا اختتام کہاں ہوگا۔''

''ہوجائے گا۔'' ویرا سر ہلاتے ہوئے بولی ''نک کے بعد اب گیری کی باری آنی چاہئے!''

نک کے ستارے خراب تھے کہ شیر دل ہمارے جال میں پھنس گیا اور بعد میں سوبھراج نے تیتی میں آکر نک کے خون کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ ہر بار ایسے اتفاق رونما نہیں ہوسکتے۔'' میں نے قدرے سختی سے کہا۔ ''گیری کا خون ہمیں مہنگا پڑ جائے گا۔''

''تم اسی سوچ بچار میں الجھے رہو۔ وہ اپنا کام کرتے رہیں گے یہ نہ بھولو کہ ان کا اصل نشانہ تمہاری ذات ہے۔ انہیں اسی طرح ڈھیل دی جاتی رہی تو ایک دن وہ تمہارے گریبان پر ہاتھ ڈال دیں گے اور ہم ان کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔''

''وقت گزر رہا ہے' میرا خیال ہے کہ اب میرا نرمل کمار کے دفتر جانا بے سود ہے.....'' چند ثانیوں کا سکوت آتے ہی غزالہ نے اپنی بات کہہ ڈالی۔

میں اس کے خیال سے سو فیصد متفق تھا۔ نرمل کمار بساط کا ایک معمولی مہرہ تھا اس کی اہمیت اسی وقت تک تھی جب تک سوبھراج کا سراغ نہیں ملا تھا۔ وہ فرار ہوگیا تھا۔ نرمل اپنے باپ' مدن لال سمیت آئی بی والوں کے قبضے میں تھا اس کے دفتر جانا لاحاصل تھا۔

میرے ذہن پر ایک بوجھ سا سوار تھا۔ ویرا کی بات ایک گرہ کی طرح دماغ میں اٹک گئی تھی' گیری کے بارے میں میرا تجربہ تھا کہ وہ بہت جارحانہ مزاج کا مالک تھا۔ ڈھیل دینے سے اس کا حوصلہ بڑھ سکتا تھا یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اسے جنرل کی گاڑی پر حملے کا بھرپور جواب دیا جائے۔

اس بارے میں جنرل اور اول خان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا' وہ دونوں اپنے مسائل میں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ ویسے بھی وہ کسی سخت قدم کی حمایت نہیں کرسکتے تھے مجھے جو کچھ کرنا تھا اپنے طور پر کرنا تھا۔ نتائج سامنے آجانے کے بعد کوئی مجھ سے اختلاف نہیں کرسکتا تھا۔

گیری کے بارے میں سوچتے سوچتے میری ذہنی رو سہیل اور شیبا کی طرف بہک گئی۔ وہاں پیش آنے والے واقعات ایک ایک کر کے میرے ذہن میں تازہ ہونے لگے اور پھر یکایک میں پریشان ہوگیا۔

اس وقت میں تلوار کی باریک دھار پر چل رہا تھا۔ گیری سے میں کرنل داور بن کر ملتا رہا تھا۔ سوبھراج سے میں نے ڈینی کی حیثیت سے رابطہ استوار رکھا ہوا تھا' میرا وہ خطرناک کھیل اسی وقت تک جاری رہ سکتا تھا جب تک وہ دونوں کردار ایک دوسرے سے الگ نظر آتے رہتے۔

سہیل کے گھر پر ایک گڑبڑ ہوچکی تھی' شیبا مجھے مہیش اگروال کے نام سے جانتی تھی اپنی بیوی کے منہ سے میرا وہ نام سن کر سہیل نے بہت تلملائے ہوئے انداز میں اسے پھٹکار کر بتایا تھا کہ میرا اصل نام مہیش نہیں' کرنل داور تھا۔

یہ بات شیبا کے ذہن میں ایسی بیٹھی تھی کہ سوبھراج کا فون آنے پر اس نے یہی بتایا کہ کرنل داور اس کے شوہر کو اٹھا لے گیا تھا۔

اس بیان کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی تھی کہ سوبھراج کی تلاش میں مدن لال کے گھر کا رخ کرنے والے ایس ٹی ایف کے آدمی تھے جب کہ میں نے گیری سے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ سوبھراج والے قصے کا فورس سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کام کسی اور ایجنسی نے کیا تھا۔

اس تضاد پر پردہ ڈالنے کے لیے ضروری تھا کہ شیبا کی زبان بند کردی جائے یا پھر اسے کچھ عرصے کے لیے غائب کر دیا جائے کچھ دنوں بعد معاملہ ٹھنڈا ہوجاتا تو شیبا کو رہا کیا جاسکتا تھا۔

پہلی اور ضروری بات یہ تھی کہ شیبا کی اپنے گھر میں موجودگی کا یقین کرلیا جائے!

میں نے بلا توقف اس کے گھر کا نمبر ملالیا۔ پہلی چند گھنٹیوں کے بعد مجھے امید تھی کہ وہ ریسیور اٹھالے گی لیکن پھر گھنٹیاں بجتی چلی گئیں' دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے مایوس ہوکر فون بند کردیا' شاید وہ خوف زدہ ہوکر اپنے گھر سے کہیں اور منتقل ہوگئی تھی۔ اس کے نئے ٹھکانے کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔

چار بجے غیر متوقع طور پر جلال آن وارد ہوا۔ وہ سہ پہر کی فلائٹ سے کراچی پہنچا تھا۔ اور صدف مینشن سے ہوتا ہوا میرے پاس پہنچا تھا۔

''میں صرف تمہاری دل جوئی کے لیے کراچی آیا ہوں۔'' اس نے مجھ سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا ''کل رات تم صدف مینشن والوں سے ناراض معلوم ہورہے تھے۔''

''میں کسی سے ناراض نہیں تھا۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا ''مجھے تمہاری اور ان کی مجبوریوں کا علم ہے مجھے اس بات کا قلق تھا کہ میں ان کے ساتھ نہیں چل سکوں گا۔ یہ میرے اپنے مزاج کی خامی یا خرابی ہے جس کی ذمے داری دوسروں پر نہیں ڈالی جاسکتی۔''

''صدف مینشن میں یکا یک بہت رونق ہوگئی ہے' اس کیس کے چار قیدیوں کے آجانے سے سارے سیل آباد ہوگئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

میں چونک پڑا۔ ''سنیل' نرمل اور مدن کے علاوہ چوتھا قیدی کہاں سے آگیا۔''

''شیبا!'' اس نے مسکرا کر بتایا۔'' وہ سنیل کے اغوا کی چشم دید گواہ تھی تمہیں پہچانتی ہے اور تم نے اس سے ناموں کا بھی کچھ چکر چلایا ہوا تھا' تم نے اسے چھوڑ دیا تھا میں نے صبح اٹھوالیا۔''

''وہ رنگین مزاج تتلی ہے وہاں کے ماحول سے دہشت زدہ ہوکر مرجائے گی۔''

''فکر نہ کرو اسے بہتر اور روشن کمرا دیا گیا ہے وہاں چمگادڑوں کی رسائی نہیں ہے۔ ان کی آسیبی آوازیں شیبا کو اسی کمرے میں محدود رکھیں گی۔''

جنرل وقار کی گاڑی پر راکٹ کے حملے کی خبر بہت سختی کے ساتھ دبادی گئی تھی لیکن جلال اپنے حساس منصب کی بنا پر اس خبر سے واقف تھا۔ میں نے اسے اس واقعے کی ان تمام تفصیلات سے آگاہ کردیا جو مجھے گیری سے معلوم ہوئی تھیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ گیری کیا چاہ رہا ہے!'' اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''وہ اپنے مجرموں تک رسائی کی دھن میں پاگل ہوا جارہا ہے۔'' میں نے جواب دیا ''ان کوششوں میں وہ جنگلی سور کی طرح ہر طرف منہ مار رہا ہے۔''

میں نے آئی بی والوں کے ہاتھوں شیبا کے پکڑے جانے کی اطلاع پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن مجھے خوشی ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنی مستعدی سے کام لے کر میری ایک ضرورت پوری کردی تھی۔

''حملے کی خبر نے سب کو فکر مند کردیا ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا۔'' یہ ہم سب کے لیے سبکی کی بات ہے کہ اب دشمن ایس ٹی ایف کے گھر میں گھس کر حملہ کرنے کی پوزیشن میں آگیا ہے۔''

''خبر کی تشہیر ہو یا نہ ہو' دشمن کو اپنی کامیابی کا علم ہوچکا ہے۔ گاڑیوں کے ملبے سے کچھ نہ کچھ ایسے شواہد ضرور مل جائیں گے جن کہ بنا پر ذمے داری کا تعین کیا جاسکے گا۔ میری خواہش ہے کہ اس واقعے کے بارے میں ان کے سفارت خانے سے احتجاج کر کے یہ بتادیا جائے کہ ان کے آدمیوں کے غیر قانونی حرکات کے سنگین نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔''

''یہی کیا جارہا ہے' آج رات ماہرین کی ایک ٹیم کراچی میں جمع ہورہی ہے۔ کل صبح وہ باریک بینی سے ہر چیز کا جائزہ لیں گے، راکٹ اور گائیڈنگ ڈیوائس کے کچھ نہ کچھ حصے مل جائیں گے۔ سائنس اتنی ترقی کرگئی ہے کہ اب راکھ سے بھی چیزوں کی اصل ماہیت کے بارے میں بہت کچھ پتا چل سکتا ہے۔''

''ایک طرف تم جنرل وقار سے بالکل لاتعلق ہو' دوسری طرف اندر کی باتیں بتارہے ہو' یہ کیا چکر ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''جنرل سے میرا تعارف ہے اور نہ کوئی رابطہ!'' اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''میں وہ باتیں بتارہا ہوں جو اسلام آباد میں میرے علم میں آتی رہی ہیں۔ میری میز پر نجی اور سرکاری ذرائع سے روزانہ کم و بیش ایک ہزار رپورٹیں آتی ہیں جن سے بہت کچھ سامنے آجاتا ہے۔''

''اب ان رپورٹوں میں میرے بارے میں کوئی ٹیڑھی بات آجائے تو اسے نظر انداز کردینا۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس سے مطالبہ کیا۔

''کیوں؟ تمہارے کیا عزائم ہیں؟'' اس نے سر اٹھا کر سوال کیا۔

''گیری کی رفتار تیز ہے اسے روکنا ضروری ہوگیا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔''

''وہ تمہارا معاملہ ہے۔'' اس نے جلدی سے وہ بات وہیں ختم کردی ''یہ خیال رکھنا کہ تمہاری روک ٹوک کے نتیجے میں کوئی بڑا مسئلہ نہ کھڑا ہوجائے۔''

''تم بے فکر رہو۔'' میں نے اسے یقین دہانی کرائی پھر پوچھا۔ ''مدن لال کیا بتا رہا ہے۔''

''وہ بہت خوف زدہ ہے کسی بڑے مجرم کے ساتھ چھوٹے موٹے تعاون کو لوگ جرم نہیں گردانتے ان کو صرف اسی وقت ہوش آتا ہے جب تباہ کن نتائج سامنے آتے ہیں۔'' .... وہ بتانے لگا ''مدن لال کا نام ایک عرصے سے ہماری چیک لسٹ پر تھا۔ وہ سوبھراج کو انتخابی مہم اور دوسرے مقاصد کے لیے اکثر بڑی بڑی رقمیں دیتا رہتا تھا۔ اس طرح پروان چڑھنے والی دوستی کے نتیجے میں سوبھراج بھی اسے مراعات دلواتا رہتا تھا۔ وہ پناہ کے لیے سنیل کے ہمراہ مدن لال کے گھر پہنچا تو وہ انکار نہیں کرسکا۔ ایک دوست کو اس کے آڑے وقت میں سہارا دینے کے خیال سے اسے رکھ لیا۔ مدن لال کا بیٹا سرکاری افسر ہے' سوبھراج نے کچھ فرضی باتیں بتا کر اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ نرمل کمار قسمیں کھا کر کہہ رہا ہے کہ اس نے ایک مظلوم بیوہ کا پیغام سن کر سوبھراج تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے سوا اس نے اپنے باپ کے دوست کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔''

''دونوں کے جرائم سنگین ہیں۔ اخبارات میں سوبھراج کے خلاف مسلسل کہانیاں آرہی ہیں۔ ہر طرف اس کے کرتوتوں کا شور ہے۔ ان کو پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں! ایک سرکاری افسر ایسے معاملات میں کچھ زیادہ حساس ہوتا ہے۔''

''ان کی بہت مناسب دیکھ بھال کی جارہی ہے لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک سوبھراج کے نئے ٹھکانے کے بارے میں کوئی کارآمد بات نہیں بتا سکے ہیں۔''

''وہ اپنی برادری میں گھوم رہا ہے۔'' ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا ''مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کسی راج کپور کے پاس چلا گیا ہوگا۔''

''شاید ایسا نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''وہ بہت چالاک آدمی ہے اب اپنی برادری سے دور رہے گا۔ اس کے ذہن میں کوئی متبادل ٹھکانا ہوتا تو وہ صبح کنکریٹ کے پائپ میں نہ ہوتا۔ مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کہیں اور پناہ گزین ہوگیا ہوتا۔''

''تم اس کی بات کا یقین کر رہے ہو' ہوسکتا ہے کہ وہ کسی آرام دہ بستر پر دراز ہوکر تمہیں پائپ کی کہانی سنا رہا ہو' ایسے آدمی کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔''

ویرا سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ سوبھراج نے مجھے یعنی ڈینی کو اپنا خیر خواہ تصور کیا تھا۔ میری دانست میں اسے مجھ سے ایسا کھلا جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اپنی نئی کمین گاہ کے انتخاب کے سلسلے میں وہ واقعی محتاط تھا۔

جلال کے پاس سنیل اور سوبھراج کے بارے میں خبریں تھیں میں اسٹیشن نور میں ہونے والے دھماکے کا چشم دید گواہ تھا۔ ہمارے درمیان کافی دیر تک جزئیات پر سرگرمی سے باتیں ہوتی رہیں۔ ہم صرف ایک دوسرے کی معلومات میں اضافہ کرتے رہے تھے' ان میں کوئی بات نتیجہ خیز نہیں تھی۔

سنیل آئی بی والوں کے لیے بہت سخت جان ثابت ہوا تھا' جلال کے آدمیوں کا خیال تھا کہ میں صدف مینشن سے نکلنے کے بعد دوبارہ جا کر نرمل کمار کے بارے میں سوال نہ کرتا اور اس کا اضطراری ردِعمل سامنے نہ آتا تو شاید وہ مر کر بھی سوبھراج کے بارے میں اپنی زبان نہ کھولتا۔ میری زبان سے نرمل کمار کا نام سن کر اس کے اوسان جاتے رہے تھے۔ اسے یہ یقین ہوگیا تھا کہ اس نے کچھ نہ بتایا تب بھی وہ لوگ نرمل کمار اور سوبھراج تک پہنچ جائیں گے۔ بھرپور شکست کے اسی خوف نے اسے کچھ ہی دیر میں زبان کھولنے پر مجبور کردیا تھا۔

سوبھراج کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں تھا لیکن اپنے مضبوط اقلیتی گروپ کی سربراہی کرتا تھا۔ وہ لوگ چڑھتے سورج کے پجاری تھے اور اقتدار میں رہ کر اپنی برادری کی بہبود کے لیے کام کرنے کے نام پر ہمیشہ حکومت وقت کا ساتھ دیتے چلے آئے تھے۔

سیاست کا چسکا لگ جانے کے بعد سوبھراج نے تیسرے درجے کی غنڈا گردی ترک کر دی تھی لیکن وہ دوسرے غیر قانونی کاموں میں گردن تک غرق تھا۔

پلاٹوں اور پرمٹوں کی سیاست اس قدر عام ہوچکی تھی کہ اسے بددیانتی اور جرم کے زمرے سے خارج کر کے سیاست کے چلن شمار کیا جانے لگا تھا۔ سوبھراج شہر بھر میں پھیلے ہوئے گرگوں کے ذریعے جوئے کے اڈے اور منشیات

Downloaded from https://paksociety.com

کے ٹھکانے چلاتا تھا' ریکروٹنگ کی آڑ میں انسانوں کی اسمگلنگ کے گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھا۔ ایسے دھندے اس کے آدمی چلاتے تھے اور خاموشی سے اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اسے پہنچا دیتے تھے' ان چکروں میں اس کا نام کبھی سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کے آدمی پکڑے جاتے تھے تو وہ انسان دوستی اور ہمدردی کے نام پر سفارشوں کے ذریعے انہیں آزاد کرا دیتا تھا۔

سہیل کی نظروں میں اس کے مالک کے وہ جرائم سنگین تھے لیکن ہمارے لیے ان کی زیادہ وقعت نہیں تھی۔

را' بلیک کیٹس' سی آئی اے اور ایف بی آئی کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے سوبھراج ایسے غدارانہ جرائم کا مرتکب ہوتا رہا تھا جن کی معافی ممکن ہی نہیں تھی۔

سوبھراج کے ان جرائم سے سہیل بڑی حد تک لاعلم تھا۔ اس نے صرف یہ بتایا تھا کہ اس کا مالک اکثر اپنے کمرے میں بند ہو کر سیٹ لائٹ فون پر نامعلوم لوگوں سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ اگر اس کے سیٹ لائٹ فون پر کوئی کال آجاتی تھی تو وہ سہیل کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنے قریب نہیں ٹھہرنے دیتا تھا۔

راج محل میں سیاسی رہنماؤں سے لے کر شہر کے لفنگوں تک کی آمد و رفت رہتی تھی۔ آبادی کے نچلے طبقات میں سوبھراج کے وہ روابط اس کے ماضی کا حصہ تھے۔ اس کی صرف ایک ہی خوبی تھی کہ اپنا سیاسی قد کاٹھ نکال لینے کے باوجود اس نے اپنے در پر آئے کسی شخص کو نہیں دھتکارا تھا۔ حتی الامکان ہمیشہ اور ہر شخص کے کام آنے کی کوشش کرتا تھا جسے اس کے مداح اور حواری اس کی غریب پروری کا نام دیتے تھے۔

سوبھراج عام ملاقاتیوں سے کھلی کچہری کی صورت میں ملتا تھا جہاں سہیل کسی ہم زاد کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا اور اپنے مالک کی ضروری ہدایات نوٹ کرتا رہتا تھا۔ کچھ مشتبہ لوگ فارغ اوقات میں اس سے ملنے کے لیے آتے تھے' وہ ملاقاتیں مکمل تخلیے میں ہوتی تھیں۔

سہیل اپنے مالک سے کچھ پوچھنے کی جرأت کر سکتا تھا نہ سوبھراج نے کبھی اسے اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن سہیل نے اپنے طویل تجربے کی بنا پر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ان اہم اور پراسرار مقامیوں اور غیر ملکیوں کی آمد سیاسی ضرورتوں سے زیادہ مجرمانہ مقاصد کے لیے ہوتی تھی۔

سہیل اپنے مالک کے شب و روز کی زندہ اور متکلم ڈائری کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسے سب کچھ معلوم تھا' بس یہ معلوم نہیں تھا کہ سوبھراج نے اپنے مقام سے بہت نیچے گر کر شیبا کو اپنی داشتہ بنایا ہوا تھا۔

سہیل کے اس دعوے پر جلال کو یقین تھا نہ مجھے اعتبار آیا تھا۔ دوسری باتوں کی طرح وہ سوبھراج اور شیبا کے تعلقات سے بھی پوری طرح آگاہ تھا لیکن اس کا اعتراف کر کے روسیاہی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد جلال واپس چلا گیا۔ اسلام آباد والوں کا کراچی میں جماؤ شروع ہو چکا تھا۔ جنرل وقار پہلے سے کراچی میں تھا' جلال سہ پہر کو آ گیا تھا۔ اس نے خبر دی تھی کہ رات تک بموں اور آتش گیر مادوں وغیرہ کے ماہرین کی جماعت بھی کراچی پہنچنے والی ہے۔ وہ آثار بہت حوصلہ افزا تھے امید بندھ رہی تھی کہ گیری کے دھماکے کے جواب میں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔

شام ڈھلے میرے موبائل پر سوبھراج کی کال آ گئی۔ وہ سیٹ لائٹ فون استعمال کر رہا تھا۔ میں اس کی آواز سن کر حیران رہ گیا مجھے اس کی طرف سے اتنی جلدی دوبارہ رابطے کی توقع نہیں تھی۔

''ڈینی!'' میں اس وقت سخت پریشان ہوں' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں!'' رسمی مزاج پرسی کے بعد اس کی بھرائی ہوئی آواز آئی۔

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ سوبھراج کا وہ لب و لہجہ میرے لیے اجنبی تھا۔ صبح سویرے بدترین حالات میں بھی اس کی آواز اتنی کمزور نہیں ہوئی تھی۔

''کہیں سے بھی شروع کر دو۔ میں تمہارا مقصد سمجھ لوں گا۔'' میں نے اضطراری انداز میں جواب دیا۔ ''بس خبر اچھی ہونی چاہیے!''

''مشکل یہی ہے..... میرے پاس تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے.....''

''تم کہاں ہوں؟ کوئی ٹھکانا ملا یا ابھی تک اسی پائپ میں پڑے ہوئے ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا۔

''میں سر چھپانے کے لیے ایک محفوظ جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں لیکن اب یہ سیٹ لائٹ فون مجھے اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

گلے پڑتا ہوا نظر آرہا تھا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا کہ میں انہیں چھوڑنا چاہوں تب بھی وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''تم کس کی بات کررہے ہو..... کیا ہوا ہے؟'' میں نے برہمی سے کہا۔ اس کے پس وپیش پر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔

''ابھی تک میں ایف بی آئی والوں سے چھپتا پھر رہا تھا اب راوالے میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔''

''راوالے..... وہ کہاں سے آگئے؟'' اس کا انکشاف سن کر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔

''وہ آج ہی کراچی پہنچے ہیں اور میری مدد کے طلب گار ہیں تم یقین کرو کہ میری نیت صاف ہے۔ میں نے ان سے صاف انکار کر دیا ہے۔ کہہ دیا ہے کہ اس وقت میں خود مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔ ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا مگر وہ مجھ سے ملنے پر مصر ہیں۔''

''کیا تم پہلے بھی راوالوں سے ملتے رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کوبرا کاروپ ان ہی کے لیے دھارا گیا تھا'' اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا'' وہ مجھے اسی نام سے جانتے ہیں۔''

''صبح تک ان کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اب وہ اچانک کہاں سے نازل ہوگئے!'' میں نے برہمی سے سوال کیا۔ اس غیر متوقع خبر نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔'' تم میرے ساتھ کیا چکر چلانے کی کوشش کررہے ہو۔''

''مجھے ڈر تھا کہ تم یہی کہو گے! میں ان سے الگ تھلک ہوں۔ میرے ہاتھ صاف ہیں وہ دونوں شہر میں کوئی گڑبڑ کریں گے تو میری کوئی ذمے داری نہیں ہوگی۔ میں پہلے سے تمہیں ان کے بارے میں آگاہ کررہا ہوں۔'' اس کا انداز سراسر مدافعانہ تھا۔

''وہ تم سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں؟'' چند ثانیوں کے سکون کے دوران میں نے اپنے ابال پر قابو پانے کے بعد پوچھا۔

''وہ خانماں برباد خانہ بدوشوں کے روپ میں تھرپارکر کے علاقے سے سرحد پار کر کے آتے ہیں۔'' وہ بتانے لگا۔'' ان کے پاس رقم ہوتی ہے نہ ہتھیار یہ سب انہیں کراچی آنے کے بعد ملتا تھا۔ وہ اسی مقصد کے لیے مجھ سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔ میرے صاف انکار کے باوجود دو مرتبہ مجھے فون پر تنگ کر چکے ہیں۔''

''حیرت ہے کہ سیتا کانت اور گوپال کے قصے کی دھول بیٹھنے سے پہلے یہ لوگ آپہنچے.....''

''وہ بلیک گیٹس تھے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا'' سیتا ماری گئی تھی' گوپال قیدی بنالیا گیا تھا۔ سنا ہے کہ تمہارے سات آدمیوں کے بدلے انہوں نے گوپال کو واپس لے لیا ہے۔ وہ قصہ ختم ہوگیا اب یہ نئی پارٹی آگئی ہے مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔''

''یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ کچھ اپنی عقل بھی استعمال کرو۔'' میں نے غصے سے جواب دیا۔

''میری عقل کام کررہی ہوتی تو تمہیں کیوں فون کرتا۔ اس وقت روئے زمین پر تم میرے اکلوتے ہمدرد رہ گئے ہو آج صبح تم سے بات کرتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم میرے بدخواہ نہیں ہو اسی لیے میں تم کو پوری بات بتا رہا ہوں۔''

''کیا تمہارے پاس کوئی اور متبادل بھی تھا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''دس متبادل تھے۔ میری ذات سے بڑے بڑے فائدے اٹھانے والے آج مجھ سے کترا رہے ہیں لیکن ان کے دلوں میں بھارت سے آنے والوں کے لیے نرم گوشے موجود ہیں۔ میں ایک فون کر کے ان دونوں کو کہیں بھی بھیج دیتا تو ان کے مسئلے حل ہوجاتے لیکن میں نہیں چاہتا کہ دوسرے گڑبڑ کرتے پھریں اور تم میری طرف سے بدگمان ہوجاؤ۔''

''سوبھراج! مجھے گھسنے کی کوشش مت کرو!'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہ گھسنے والی بات نہیں ہے میں یہ بات جانتا ہوں کہ جو شخص مجھے موت کے خطرے سے بروقت آگاہ کر کے بچا سکتا ہے وہ مجھے آسانی سے مار بھی سکتا ہے۔ ایف بی آئی والے اندھیروں میں بھٹکتے رہ جائیں گے لیکن تم میرا کام تمام کردو گے۔''

'اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو تمہارے تعاون کے بغیر ان کا مشن کبھی پورا نہیں ہوسکے گا۔ وہ مسلسل تمہیں تنگ کرتے رہیں گے!'' میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ دہلی سے ان کے کسی بڑے کا فون آجائے۔ ایسے رابطوں کے لیے میں ہمیشہ ان کے کام آیا

Downloaded from https://paksociety.com

کرتا تھا۔'' باتوں باتوں میں وہ راکے طریقہ کار پر روشنی ڈال رہا تھا کسی پوچھ گچھ کے نتیجے میں وہ باریک باتیں میرے علم میں نہیں آسکتی تھیں۔

''ان سے ان کا پتا معلوم کرواور کہہ دو کہ موقع ملنے پر تم خود ان سے ملنے کے لیے پہنچو گے۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہاری مشکل آسان ہوجائے۔''

''کیا تم انہیں ماردو گے؟'' سوبھراج نے بے ساختہ پوچھا۔

''میں نے یہ نہیں کہا۔ ویسے ضرورت ہوئی تو یہ کام بھی کیا جاسکتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے وطن کے معاملے میں بہت حساس ہوں' یہاں کے امن وامان کی شرط پر میں نے تم کو چھوٹ دی ہوئی ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ قیدیوں کے تبادلے کے بعد یہاں آنے والے غیر ملکی خون کی ہولی کھیلیں اور اطمینان سے واپس چلے جائیں۔''

''تم نے گول مول جواب دیا ہے کھل کر نہیں بتایا کہ تم ان کے ساتھ کیا کرو گے۔''

''انہیں بھگانے کی کوشش کروں گا۔ وہ نہ بھاگے تو پھر مارے جائیں گے۔''

''نہیں ڈینی..... رہنے دو۔'' وہ میرے بیان سے ڈر گیا''میں خود ان سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تمہارے تیور مجھے اچھے نظر نہیں آرہے۔''

میں ہلکی سی بھیانک آواز میں ہنس پڑا۔''تمہیں معلوم ہے کہ میرا نام ڈینی ہے میں ہر ایک پر اتنا مہربان نہیں ہوسکتا جتنا تم پر ہوں۔ راواالوں کے بارے میں مجھ سے مشورہ کر کے تم انتخاب کا حق کھو بیٹھے ہو۔ اب ان کا فیصلہ میں خود کروں گا۔ تمہیں ان کا پتا معلوم کر کے مجھے بتانا ہوگا یہ میرے ساتھ تمہارے خلوص کا امتحان ہے۔ میں تمہارے کئی امتحانوں میں پورا اتر چکا ہوں اب تمہاری باری ہے یہ کام آج ہی ہوجانا چاہئے۔''

''تم بہت سخت آدمی ہوں۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس کی تھکی ہوئی آواز آئی۔

''باتوں میں نہ بہلاؤ' مجھے تمہارا جواب درکار ہے۔'' میں نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس ان کا فون نمبر نہیں ہے ان کی جیبیں خالی ہیں۔ پتا نہیں وہ کہاں پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کے فون کا انتظار کرنا ہوگا وہ رابطہ کریں گے تو میں کچھ پوچھ سکوں گا۔''

اس کے لہجے سے سچائی کی بو آرہی تھی میں نے سخت لہجے میں کہا''تمہارا یہ عذر میرے دل کو نہیں لگ رہا مگر میں اسے تسلیم کیے لیتا ہوں وہ زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ کل تک ان کا فون آجانا چاہئے۔ دشمن کی سرزمین پر آنے والے سیکرٹ ایجنٹ بلاوجہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے۔ ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ وہ جلد از جلد اپنا مشن پورا کر کے واپس جانا چاہیں گے۔''

''ٹھیک ہے پہلے میں نے تمہاری بات پر کان نہیں دھرے تھے لیکن اب مجھے رہ رہ کر تمہاری بات یاد آرہی ہے۔ ایف بی آئی اور را میرے گلے کی چھچھوندریں بن گئی ہیں' ان کی طرف سے فون آنے میں دیر ہوسکتی ہے میں تاخیر نہیں کروں گا۔''

''یہ تمہارا وعدہ تھا کہ تم ان دونوں کا ساتھ چھوڑ دو گے۔ میرے اور تمہارے سمجھوتے کی یہ اکلوتی شرط تھی اور تم نے ان دونوں کو سنبھالنے کی ذمے داری لی تھی۔''

''ذمے داری لیتے ہوئے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کتنا مشکل کام ثابت ہوگا۔ ہر جگہ مافیاؤں کا راج ہے ان میں گھسنا اتنا مشکل نہیں ہوتا لیکن واپسی بہت مشکل یا شاید ناممکن ہوتی ہے۔''

''یہ سب دیکھنا تمہارا کام ہے۔'' میں نے بے رخی سے جواب دیا''مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے یہ یاد رکھنا کہ ہم دونوں بہت دیر میں ایک دوسرے کو سمجھ پائے ہیں' تمہاری ذرا سی لغزش سے یہ مفاہمت خاک میں مل سکتی ہے۔''

''تم بے فکر رہو' میں نے اپنی زندگی کی پہلی اور سب سے بڑی ٹھوکر کھائی ہے میری طرف سے کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ یہ مفاہمت دن بدن بڑھتی رہے گی ہوسکے تو مجھے ایک بات اور بتا دو۔ میرے پاس اخبارات اور ٹیلی وژن کے سوا خبروں کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اب یہ ذرائع بھی آسانی سے دستیاب نہ ہوں' نک کی موت کے بعد اب وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''

''بری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں' خوف زدہ ہیں اور چپ سادھ کر بیٹھ گئے ہیں۔'' میں نے اس کو خوش فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے بے پروائی سے جواب دیا''تمہاری کارروائی نے ان کے حوصلے توڑ کر رکھ دیے ہیں۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''اس کی جگہ کون کام کر رہا ہے؟'' سوبھراج نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم!'' میں نے اس پر لاعملی کا اظہار مناسب سمجھا۔

''کہا جاتا ہے کہ تم ایجنسیوں کے آدمی ہو۔ تمہیں ملک بھر کے واقعات کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ اس معاملے میں تم اتنے بے خبر کیوں ہو۔''

''یہ ان کے اندر کے معاملات ہیں جب تک کوئی کھل کر میدان میں نہیں آئے گا' یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ نک کا جانشین کون ہے۔'' میں نے کہا ''اس کی جگہ کوئی بھی ہو' تم کو اس سے کیا لینا ہے۔''

''ان سے میری ٹھن گئی ہے' یہ بات تم نہیں سمجھ سکو گے۔'' وہ مجھ پر واقعی پوری طرح اعتبار کر بیٹھا تھا اور اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا' وہ بولتا رہا ''انہوں نے غدار قرار دے کر میری موت کا پروانہ جاری کر دیا ہے۔ نک کی موت سے اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی جگہ آنے والا بھی اسی کی طرح میرے لہو کا پیاسا ہوگا خود کو بچائے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ میں آنے والوں کو مارتا رہوں۔''

''اس وقت تم پر برا وقت آیا ہوا ہے' تم کسی کو کیا مارو گے!''

''یہ نہ کہو' پیر کے نیچے آئی ہوئی چیونٹی کاٹ لیتی ہے تو اس کے پھیلائے ہوئے زہر سے آدمی جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ میرے لیے کسی کو مردانا اب بھی زیادہ مشکل نہیں ہیں۔ بس نام سامنے ہونا چاہیے۔''

''مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے آدمیوں کے حوصلے دیکھ چکا ہوں۔ وہ جہانگیر کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے تھے۔''

''اپنی بات چھوڑ دو' ہر دشمن ڈینی نہیں ہوتا۔''

وہ خیال برا نہیں تھا' میں خود بھی ان لوگوں کو ہراساں کرنے کی فکر میں تھا اس ضمن میں اگر سوبھراج سے کوئی مدد مل سکتی تھی تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی تھی۔

''تمہیں اتنا زعم ہے تو نک کے جانشین کا نام بھی سن لو۔ اسے گیری ہارٹ کہا جاتا ہے وہ امریکی دفتر خارجہ کا ملازم ہے اور اب نک کی جگہ کام کر رہا ہے۔''

''یہ نام تم پہلے بھی بتا سکتے تھے!'' اس نے شکوہ کیا۔

''مجھے شبہ ہوا تھا کہ تم اس سے معافی کی درخواست کرو گے۔''

''اسے بھول جاؤ۔ ایف بی آئی کے بڑوں کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں' وہ نوکریاں چھوڑ دیتے ہیں اپنے فیصلے نہیں بدلتے۔ وہ بھول کر بھی مجھے معاف نہیں کریں گے۔''

''کیا نک نے تمہیں تمہارے مقدر کے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ دغاباز لوگ ایسے فیصلوں سے آگاہ نہیں کرتے۔ گھیر کر دھوکے سے مارتے ہیں اگر تم نے بار بار میری مدد نہ کی ہوتی تو آج میں اس دنیا میں نہ ہوتا۔ یہ بات آج صبح میری سمجھ میں آئی ہے۔'' اس نے خیال انگیز آواز میں جواب دیا۔

''تم نک کے خون کا الزام اپنے سر لے چکے ہو۔ تم کامیاب ہو جاتے ہو تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ گیری بھی تمہارا نشانہ بنا ہے۔'' میں نے دور کی بات سوچتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

اسے ورغلانے میں وہ احتیاط ضروری تھی تاکہ اس خون کا الزام کسی اور کے سر پر تھوپ کر پاکستان کو بدنام نہ کیا جا سکے۔

ویسے وہ لوگ انتہائی درجے کے بدنیت تھے۔ سوبھراج کے اخباری اعلان کے باوجود اصرار کرتے رہے تھے کہ نک میرے ہاتھوں مارا گیا تھا لیکن سوبھراج کے اعتراف کی وجہ سے ان کی الزام تراشی زیادہ زور نہیں پکڑ سکی تھی۔

''تم بے فکر رہو' میں اپنا کریڈٹ کسی اور کو نہیں جانے دوں گا کچھ دنوں بعد وہ میرے نام سے بھی اسی طرح کانپنے لگیں گے جیسے تمہارے نام سے ڈرتے ہیں۔''

''وہ مجھ سے نہیں' میری سفاکی سے ڈرتے ہیں!'' میں نے کہا۔

''تمہاری سفاکی نے مجھے بھی خوف زدہ کر دیا تھا' تم سے الجھ کر میں نے کئی آدمی کھوئے ہیں ان میں شیر دل مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا تم نے اسے مار کر اچھا نہیں کیا۔''

''اس وقت میری اور تمہاری لڑائی چل رہی تھی۔ لڑائی میں زیادہ سے زیادہ کاری زخم لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تم سامنے ہوتے تو شیر دل سے پہلے تمہاری باری آ جاتی۔''

''اب یہ باتیں ختم کر دو' میں تمہاری دوستی کا خواہاں ہوں۔''

''تمہاری خواہش سے پہلے ہی میں تمہیں اتنی ڈھیل دیتا

Downloaded from https://paksociety.com

رہا ہوں جو تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔'' میں نے ذہن میں ایک نیا خیال آتے ہی بات کا رخ بدل دیا۔

''میں سب جانتا ہوں' تم نے کم از کم دو مواقع پر مجھے نک سے بچایا ہے۔''

''شاید تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کل بھی میں نے تمہیں چھوڑا ہے!''

''کل کہاں چھوٹ ملی' پچھلی رات میرے لیے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔''

''مدن لال کے گھر پر آنے والے دوسرے لوگ تھے' میں آتا تو تم بچ نہیں سکتے تھے۔''

''کیا تمہیں میری پناہ گاہ کا سراغ مل گیا تھا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے سب معلوم ہو گیا تھا۔ یہاں تک پتا چل گیا تھا کہ تم نے شیر دل کی بیوہ کو ایک بڑی رقم بھجوائی ہے تاکہ جرائم کی منڈی میں تمہاری ساکھ خراب نہ ہو۔''

''یہ تمہیں کس نے بتا دیا؟'' اس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

''میں دوسروں سے الگ رہ کر اپنی راہ بناتا ہوں۔ اس عورت سے نرمل کمار کا فون نمبر ملا اس کے ذریعے مدن لال میرے سامنے تھا۔ میں جب چاہتا اس کے گھر میں گھس کر تمہاری گردن ناپ سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ تم کو تمہارے حال پر چھوڑ دیا' یہ اور بات ہے کہ سنیل کو اٹھانے والوں نے صبر نہیں کیا اور وہاں چڑھ دوڑے۔''

میں نے وہ باتیں سوچ سمجھ کر دہرائی تھیں۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ کسی ذریعے سے مسز شیر دل سے رابطہ کر کے میری باتوں کی تصدیق کرتا۔ ویسے بھی وہ حقائق تھے صرف ویرا اور عورت فاؤنڈیشن کا ذکر غائب تھا۔ اس گفتگو کے ذریعے میں سوبھراج کے یقین کو پختہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس حد تک اسے اپنے اعتماد میں لے لوں کہ وہ سامنے آنے پر آمادہ ہو جائے۔

اس سے لڑائی بہت طول پکڑ گئی تھی۔ اس سے کھٹی میٹھی باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن اس خبیث سے میرا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی!

''تم یہ سب کرتے پھر رہے تھے۔ میرے خلاف مواد اکٹھا کر رہے تھے پھر ڈھیل کیوں دے رہے تھے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔''

''مجھے تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ تم میری طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہو اور کسی بھی وقت بھڑک کر تصادم پر تل سکتے ہو اس لیے تمہاری حرکتوں کا ٹریک رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ میری محفوظ چالیں تھیں مگر میں اپنے وعدے پر قائم تھا۔ جب تک تمہاری طرف سے وعدہ خلافی نہ ہوتی میں تم کو تمہارے حال پر چھوڑنے کا پابند تھا۔''

''اسی وجہ سے تم نے مدن لال کے گھر کا رخ نہیں کیا؟''

''رخ کیا تھا مگر باہر سے گھر کا جائزہ لے کر لوٹ آیا۔''

''یہ سب سنا کر تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں بھارت سے آئے ہوئے دونوں بدنصیب ایجنٹوں کے بارے میں تمہیں بتا دوں۔'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ ''وہ آج کی رات صدر کے نیو خان نامی سستے سے ہوٹل میں گزاریں گے۔''

''کچھ دیر پہلے تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں ان کے ٹھکانے کا علم نہیں ہے۔'' میں نے اپنے فوری اشتعال پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے کہا۔

''میں تمہاری طرح سنگ دل نہیں ہوں' سوچنے کے لیے وقت لینا چاہ رہا تھا!''

''اب ان کا پتا کیوں بتا دیا؟'' وہ سوال کرتے ہوئے میری کھوپڑی سلگ رہی تھی۔

میں تمہاری دیانت کا قائل ہو چکا ہوں۔''

''کچھ دیر پہلے تم روئے زمین پر مجھے اپنا اکلوتا ہمدرد قرار دے رہے تھے' کیا وہ ڈھکوسلا تھا؟'' اس بار میری آواز میں غیر ارادی طور پر ہلکی سی تلخی آ گئی۔

''تم میرے ہمدرد تھے لیکن را کے ایجنٹوں کے ہمدرد نہیں ہو سکتے تھے۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی۔ ''اب میں سمجھ چکا ہوں کہ میرے زندہ رہنے کے لیے ان دونوں کی بھینٹ ضروری ہو گئی ہے۔ تم جو چاہو کہتے رہو مگر مجھے یقین ہے کہ تم ان کو زندہ نہیں چھوڑو گے۔''

میں اسے باتوں کے داؤ پیچ میں الجھا رہا تھا تو وہ بھی مجھ سے کم نہیں تھا' اس کا نام سوبھراج تھا' چالاک آدمی کی طرح وہ ایک وقت میں اپنے سارے گھر کھیل جانے کا عادی نہیں تھا۔ رک رک کر اور سنبھل سنبھل کر مجھ سے کھل رہا تھا۔ ان باتوں پر اس سے الجھنا بے سود تھا۔ وہ ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا تھا میری کسی بھی بات سے اچٹ جاتا تو میری وہ

Downloaded from https://paksociety.com

ساری محنت پل بھر میں برباد ہو سکتی تھی۔

''تم بلاوجہ میری طرف سے بدگمانیوں میں مبتلا ہو۔ میں اتنا کٹھور انسان نہیں ہوں۔'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔ ''انسانوں کو گاجر مولی کی طرح نہیں کاٹا جا سکتا۔ ان کے بارے میں دیکھ بھال کر کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔''

''مجھے رہ رہ کر تمہاری باتوں سے خوف آ رہا ہے تم میری شہ رگ سے بہت قریب رہ رہے ہو۔ اگر تم نے شیر دل کی بیوہ کو بھیجی جانے والے رقم کا حوالہ نہ دیا ہوتا تو میرے لیے اب بھی تمہاری باتوں پر اعتبار کرنا مشکل ہوتا۔''

''آگ سے کھیلنے والے انگاروں سے نہیں ڈرا کرتے' اپنا دل بڑا کرو۔'' میں نے مربیانہ لہجے میں کہا ''مجھ سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ..... ہاں' اب ان دونوں کے نام بھی بتا دو۔''

''حسن اور ذکی ان دونوں کے نام ہیں۔'' میرے بے ساختہ سوال پر اسے سوچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

''وہ صرف نام کے مسلمان ہیں یا دوسرا کام بھی کرا کے آئے ہیں۔''

وہ میری بات سمجھ کر ہنس پڑا اور بولا ''پاکستان آنے والوں کے لیے ختنہ لازمی ہوتی ہے۔ ویسے بھی آج کل ایڈز سے بچاؤ کے لیے دنیا بھر میں اس کا رواج ہو گیا ہے' ان دونوں کے بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا روٹین کے مطابق ہر کام مکمل ہونا چاہیے۔''

سیتا اور گوپال کے بعد وہ نئی جوڑی تھی جسے دہلی والوں نے آنکھیں بند کر سوئے مقتل ہانک دیا تھا۔ وہ آ کر ہوٹل میں ٹھہرے ہی تھے اور سوبھراج میرے ساتھ ان کا سودا طے کر چکا تھا۔ وہ آنے والے برے وقت سے بالکل بے خبر تھے!

سوبھراج سے میری گفتگو خاصی طویل ہو چکی تھی لیکن نظریہ ضرورت کے تحت وہ جائز بلکہ ناگزیر تھی۔ میں مر کر بھی اس پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا لیکن مجھے گمان تھا کہ میں اپنی باتوں اور یقین دہانیوں سے اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ را کے دونو وارد ایجنٹوں کے نام اور پتے میرے علم میں آ چکے تھے۔

چند ثانیوں بعد میں نے وہ سلسلہ منقطع کر دیا۔

''تم اپنے دشمنوں کے ساتھ اتنی مغز زنی کرتے ہو۔ کیا تمہیں کوفت نہیں ہوتی؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔ وہ کئی منٹ پہلے وہاں آ چکی تھی۔

''ان باتوں سے عقل رواں ہوتی ہے.....''

''میری عقل رواں ہونے سے پہلے روانہ ہو گئی ہوتی۔'' وہ میری بات کاٹ کے بولی ''تم اتنی تیزی کے ساتھ جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہے تھے کہ میں حیران رہ گئی۔''

''میں نے کیا جھوٹ بولا؟'' میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

''تم نے کون سی چھوٹ دی ہوئی ہے'' ویرا نے پلٹ کر سوال کر ڈالا۔

''وہ اب تک زندہ ہے یہ سب سے بڑی چھوٹ ہے۔''

''تمہیں اس کا سراغ ہی نہیں مل رہا تو تم اسے کیا چھوٹ دو گے۔ پچھلی رات بلکہ آج صبح جلال کا فون آنے تک تمہارے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ نرمل کہاں رہتا ہے' تم بلاوجہ اس سے اتنی لمبی چوڑی باتیں کر رہے تھے۔''

''ان باتوں کے نتیجے میں را کے دو ایجنٹوں کا سراغ ملا ہے۔'' میں نے اس کے چڑچڑے پن سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''کھانے کے بعد ان پر کام شروع کر دیا جائے گا۔''

''یہ سوبھراج کا کوئی نیا فریب بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم وہاں پہنچو اور کسی طرف سے آنے والی گولی تمہاری خوبصورت کھوپڑی میں ہوا دان ایجاد کر دے۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' میں نے وثوق سے کہا ''میں جھوٹ اور سچ میں اتنی تمیز کر سکتا ہوں۔'' ویرا کو وہ جواب دیتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ ایجنٹوں کے پتے ٹھکانے سے لاعلمی ظاہر کر کے سوبھراج نے ایک مرتبہ مجھے فریب دے دیا تھا۔ اس وقت مجھے اپنی دانست میں اس کے لہجے سے سچائی کی بو آ رہی تھی اور میں نے اس کی بات پر یقین کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر اس نے خود ساری تفصیل اگلی تو میں اپنے غلط اندازے پر خفت محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''اور کیا بتایا ہے تمہارے چہیتے نے ان کے بارے میں؟'' ویرا نے پوچھا۔

''میرے ہوتے ہوئے کس چہیتے کی باتیں ہو رہی ہیں یہاں؟'' سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ہانک لگائی۔

''ابھی ابھی ڈینی کا ایک نیا چہیتا پیدا ہوا ہے جس کا نام

Downloaded From Https://paksociety.com

سوبھراج ہے۔'' ویرا نے شوخ لہجے میں اسے آگاہ کیا۔

''میری معلومات کے مطابق وہ چالیس پینتالیس سال پہلے پیدا ہو چکا تھا۔'' سلطان شاہ نے اپنی ناک بھوں پر زور دیتے ہوئے انکشاف کیا۔

''اس وقت یا شاید کچھ دیر بعد صدر کے نیو خان ہوٹل میں راکے دو ایجنٹ موجود ہوں گے۔'' میں نے ویرا کو نظر انداز کر کے سلطان شاہ کو بتانا شروع کر دیا۔ ''ان کے نام حسن اور ذکی ہیں وہ بھارت سے تازہ وارد ہوئے ہیں۔ سوبھراج کا کہنا ہے کہ اس وقت وہ رقم اور ہتھیاروں کی جستجو میں ہیں' ہمیں ان کو دیکھنا ہے۔''

''نیو خان ہوٹل!'' سلطان شاہ چٹکی بجا کر بولا ''وہ تو میرے گاؤں والے آدمی کا ہے۔ میں ابھی پتا کر لیتا ہوں کہ اس نام کے آدمی وہاں ہیں یا نہیں۔''

''ویری گڈ' اب کام آسان ہو جائے گا۔'' میرے لیے وہ اطلاع دل خوش کن تھی۔

''سوبھراج کی باتوں میں آ کر انہیں نہتا نہ سمجھ لینا۔'' ویرا نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''سیکرٹ ایجنٹ کبھی نہتا نہیں ہوتا۔ چند شعبدے ہر وقت اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے اطمینان دلایا۔ اس طرح وہ کنگال بھی نہیں ہوں گے۔ کراچی میں مخیر لوگوں کی کمی نہیں ہے انہوں نے مانگ تانگ کر اپنی ضرورت سے زیادہ رقم بٹورلی ہوگی' پرائے ملک کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی گزارے کے لیے بھیک بھی مانگ لے تو کوئی اسے رد کنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا۔''

''جعل سازوں کے ہتھے چڑھنے والے بعض تارکین وطن روزگار نہ ملنے کی صورت میں اس فارمولے پر عمل کرتے ہیں اور پھر اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔'' سلطان شاہ بولا۔ ''وطن واپس لوٹتے ہیں تو اپنی شان دار ملازمت کی کہانیاں سناتے ہیں۔''

''تم اس تجربے سے کب گزرے ہو؟'' ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''فکر نہ کرو' دونوں ساتھ چلیں گے میں اندھا بن جاؤں گا تم گوری ہو' آسانی سے کوڑھی بن سکتی ہو۔'' سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''لعنت ہے تم پر..... کیسی غلیظ باتیں کرتے ہو۔'' ویرا پھریری لے کر بلبلا اٹھی۔

''جاؤ!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے کہا ''نیو خان ہوٹل کا نمبر دیکھو اور فون کرو۔ ان دونوں کو بھنک نہیں ملنی چاہئے کہ ان کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ ہوئی ہے۔''

''تم فکر نہ کرو' وہ وہاں ہیں تو ان کا آملیٹ بن جائے گا۔'' وہ بائیں آنکھ دبا کر ہنستا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

ہوٹل کا نمبر سلطان شاہ کی ڈائری میں محفوظ تھا۔ وہ چند ثانیوں میں ڈائری لے کر لوٹ آیا۔ ہوٹل کا نمبر ملتے ہی اس نے چہک چہک کر گاڑھی پشتو میں باتیں شروع کر دی۔ شاید فون اس کے جاننے والے نے ہی اٹھایا تھا۔

اس گفتگو کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ ویرا غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

سلطان شاہ کو احساس تھا کہ دو افراد اس گفتگو کا نتیجہ جاننے کے لیے بے چین تھے۔ اس نے محض دس منٹ کی قلیل سی مدت میں اپنی وہ بے تکلفانہ گفتگو ختم کر دی جس کے دوران میں اس کے زندگی سے بھرپور قہقہے بھی کمرے میں گونجتے رہے تھے۔

''وہ دونوں اسی ہوٹل میں ہیں لیکن اس وقت کہیں گئے ہوئے ہیں۔'' اس نے ریسیور رکھتے ہی مسرت آمیز آواز میں اعلان کیا۔

''ویری گڈ..... اب ہم پوری تیاری کے ساتھ وہاں جائیں گے۔'' اسے وہ جواب دے کر میں ویرا کی طرف گھوما تو حیران رہ گیا وہ تیز نگاہوں سے مسلسل سلطان شاہ کو گھورے جا رہی تھی۔

''گھنے!'' سلطان شاہ نے نگاہیں چار ہوتے ہیں وہ زہریلے لہجے میں بولی ''تم ہر وقت بنتے رہتے ہو' اب پتا چلا کہ تم اندر سے کتنے گہرے ہو۔ اپنے دوست سے باتیں کرتے ہوئے تم یہ بات فراموش کر بیٹھے تھے کہ میں پشتو سے خوب واقف ہوں۔ مومن خان سے شی کے لیے ہیروئن کے سارے سودے میں ہی طے کرتی تھی۔''

ویرا کے وہ الفاظ سنتے ہی سلطان شاہ کا چہرہ تمتما اٹھا' ہونٹوں کے گوشے کانپنے لگے اور پیشانی پر تیزی سے پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔ وہ ویرا سے نظریں چرا رہا تھا۔ وہ اس کیفیت میں بس چند لمحوں کے لیے وہاں رکا پھر سخت ندامت کے عالم میں سر جھکا کر تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''یہ کیا باتیں کر رہا تھا اس سے؟'' میں نے حیران ہو کر ویرا سے پوچھا ''اچانک شرمندہ ہو کر یہاں سے کیوں بھاگا ہے۔''

''پشتو سیکھ لیتے تو یہ نازک اسباب تمہارے علم میں بھی آجاتے۔'' ویرا نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔ ''اب وہ مجھ سے آنکھ نہیں ملائے گا۔''

''یعنی تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی؟'' میں نے شکایت کی۔

''نہیں!'' اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ''یہ میری اور اس کی بات ہے۔ وہ واقعی بھول گیا تھا کہ میں پشتو جانتی ہوں۔''

''پھر بھی کچھ تو پتا چلے کہ موضوع کیا تھا!'' میرے دل میں تجسس جاگ اٹھا۔

''یہ دو مردوں کی باتیں تھیں۔ دونوں ہی کڑک پٹھان ہیں اور تجرد کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ اس کا دوست شاید رنگین مزاج ہے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ان کے درمیان کیسی کھلی کھلی باتیں ہو رہی ہوں گی۔''

''شرم کی بات ہے۔'' میں نے اسے لتاڑا ''تم کو ابتدا ہی میں پشتو میں اسے ٹوک دینا چاہئے تھا تاکہ وہ وہیں محتاط ہو جاتا۔''

''میں کیوں ٹوکتی۔'' اس نے اپنی آنکھیں مٹکائیں ''مجھے اس کی زبان سے وہ باتیں سن کر جہاں حیرت ہو رہی تھی وہاں مزہ بھی آرہا تھا یہ گھر میں ہر وقت بنا رہتا ہے اندر سے اتنا سیدھا نہیں تھا۔''

''اب اپنی زبان بند رکھو ورنہ وہ کئی دنوں تک میرے سامنے بھی نہیں آئے گا۔'' میں نے نیچی آواز میں سختی سے کہا۔

''ہائے!'' وہ آنکھ مار کر بولی ''جیسے وہ خان زادہ نہیں کوئی لچکیلی دوشیزہ ہو..... تم کو کیسا جوش آرہا ہے اس کی حمایت میں، کبھی میرے بارے میں بھی اتنی ہمدردی سے سوچ لیا کرو۔''

''اچھا' اٹھو اور اب اپنے کمرے میں جاؤ' اسے نہ چھیڑنا۔'' میں نے خفگی سے کہا ''مجھے اس کے ساتھ بیٹھ کر ہوٹل کا پروگرام طے کرنا ہے۔''

''تم راولوں سے نمٹ لو پھر دیکھنا کہ میں اس کی زندگی کیسے اجیرن کرتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے ایک ادا سے بولی ''تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کیا کیا بک رہا تھا۔''

''ہاں' ہاں یہ کوئی خاص بات نہیں ہے ساری دنیا کے بے تکلف مرد آپس میں ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔'' میں نے فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا ''تم نے اس کے ساتھ جو حرکت کی ہے وہ تمہیں ذرا بھی زیب نہیں دیتی۔''

وہ میری طرف ہاتھ لہرا کر ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔

میں نے ابرار کے ذریعے سلطان شاہ کو بلانے کا ارادہ کیا مگر پھر ملتوی کر دیا۔ اسے خاص طور پر بلانے سے بہتر تھا کہ کھانے کی میز پر سب کے یکجا ہونے کا انتظار کر لیا جائے۔ معمول کے مطابق جمع ہونے کی صورت میں سلطان شاہ کو زیادہ ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور جمود غیر محسوس طریقے پر ختم ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

ویسے تو صدر۔ شہر کا ایک مشہور اور قدیم علاقہ ہے جس کا ہر حصہ صدر کے نام سے پہچانا جاتا ہے لیکن تھوڑے سے مشاہدے کے بعد اسے آسانی سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جس میں سرفہرست زیب النسا اسٹریٹ اور اس سے ملحقہ گلیوں کا نام رہے گا جہاں لدی پھندی دکانوں میں قدم رکھتے ہوئے عام خریدار گھبراتا ہے۔ ان دکانوں کے بارے میں تاثر عام ہے کہ ان مہنگی دکانوں میں خریداری صرف امرا کے بس کی بات ہے' عام آدمی قمیص کی خریداری کا ارادہ کر کے ایسی کسی دکان میں چلا جائے تو ان داموں میں ایک بنیان خرید کر باہر آجائے گا۔

بوہری بازار' فریر روڈ' زینب مارکیٹ وغیرہ عوامی خریداری کے علاقے ہیں۔ جہاں ہر شخص بے خوف و خطر کسی بھی دکان میں گھس کر آزادی سے مول تول کر سکتا ہے۔ سودا نہ بنے تو کسی خریداری کے بغیر باہر آنے میں بھی سبکی نہیں ہوتی۔

تیسرا علاقہ ایمپریس مارکیٹ اور اس کے سامنے والی سڑکوں پر مشتمل ہے۔ یہ صدر کا سب سے سستا علاقہ ہے جہاں شہر کے مضافات سے آنے جانے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ نیو خان ہوٹل ایسی ایک سڑک پر قدرے آگے جا کر واقع تھا۔

اس کے محل وقوع سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ شہر کے قلب صدر میں واقع ہونے کے باوجود نیو خان ہوٹل بہت سستا ہوگا۔

گھر چھوڑنے سے پہلے ہم نے دونوں ایجنٹوں کو زیر کرنے کے بارے میں دل کھول کر بحث کی تھی۔ اس دوران

Downloaded from https://paksociety.com

میں صحیح اندازے قائم کرنے کے لیے سلطان شاہ کو فون پر ایک بار پھر اپنے دوست سے رجوع کرنا پڑا تھا۔ اس بار وہ گفتگو میں بہت محتاط رہا تھا۔

حسن اور ذکی کے ناموں سے ٹھہرے ہوئے راوالوں پر ہاتھ ڈالنے کے دو ہی طریقے تھے انہیں نیو خان ہوٹل سے طاقت کے زور پر اٹھالیا جاتا یا پھر بہلا پھسلا کر وہاں سے نکال لیا جاتا۔

ہوٹل والے کو سلطان شاہ نے یہ بتادیا تھا کہ وہ دونوں آدمی مشتبہ اور قانون شکن تھے جن کو پولیس کے بجائے ایک ایجنسی اس کے تعاون سے اٹھانا چاہتی تھی۔

ہوٹل والے کی رائے تھی کہ وہ دونوں بہت صحت مند اور چاق و چوبند تھے۔ ہر وقت بھرے رہنے والے ہوٹل میں ان پر زبردستی ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ اگر فائرنگ وغیرہ کی نوبت آجاتی تو وہاں خاصا جانی نقصان ہوسکتا تھا جو ہوٹل کی ساکھ کے لیے تباہ کن ثابت ہوتا۔

اس مشورے کے بعد ایک ہی راہ باقی رہ جاتی تھی کہ انہیں کسی طرح دھوکا دے کر پھانسنے کی کوشش کی جائے۔

میرے ذہن میں تیسری اور آسان ترین تجویز نے سر ابھارا تھا۔ اگر ہوٹل کا عملہ ان دونوں کو چائے' پانی یا کسی اور مشروب میں کوئی خواب آور دوا ملا کر دے دیتا تو سارے مرحلے ہماری توقع سے زیادہ آسانی سے نمٹ سکتے تھے لیکن ہوٹل کی ساکھ کا ذکر سننے کے بعد میں نے اس تجویز کو اپنی زبان پر لانا بھی پسند نہیں کیا۔ ہوٹل والا اسے ہرگز قبول نہ کرتا۔

وہ کراچی کا بہت پرانا ہوٹل تھا اور خوب چلتا تھا' ہوٹل کا مالک سلطان شاہ سے دوستی کی خاطر اپنے چلتے ہوئے کاروبار کو تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ان دونوں کو خواب آور دوا دے کر بے ہوش کیا جاتا یا انہیں پکڑنے کے لیے وہاں ہنگامہ آرائی کی جاتی۔ دونوں صورتیں ہوٹل والے کے مفاد میں نہیں تھیں۔ اس کی یہی مہربانی کافی تھی کہ اس نے ہمیں ان کے بارے میں کچھ اہم معلومات فراہم کردی تھیں۔

آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ان دونوں کو دھوکے سے گھیرنا سب سے بہتر تھا۔ ہمارا طریقہ ناکام رہتا تب بھی ہم انہیں اتنے قریب سے دیکھ لیتے کہ اگلی بار انہیں دور سے پہچان لیا جاتا' بعد میں پیچھا کر کے انہیں گھیرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔

میری گاڑی اسٹیشن فور کے دھماکے میں تباہ ہوچکی تھی اول خان کی ذاتی گاڑی میرے استعمال میں تھی۔ میں نے اسے ایمپریس مارکیٹ کی بغلی سڑک پر پارک کردیا تھا۔

راکے دو خرانٹ ایجنٹوں کو پکڑنے کے لیے شروع کی جانے والی وہ مہم مجھے عجیب سی محسوس ہورہی تھی۔ ان کے بارے میں سوبھراج کی مخبری نے اس کام کو بظاہر بہت آسان بنادیا تھا۔ رہی سہی کسر سلطان شاہ کے دوست نے پوری کر دی تھی اس کے باوجود میرا دل مطمئن نہیں تھا۔ جب تک وہ دونوں ہاتھ نہ آجاتے اطمینان نہیں ہوسکتا تھا۔

کسی نے مجھ سے یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ کامیابی کی صورت میں' میں قیدیوں کو کہاں لے جاؤں گا لیکن وہ پہلو میری نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔

اسٹیشن فور کا تکنیکی تعطل بدستور جاری تھا' ادھر کا رخ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دوسرا ٹھکانا صدف مینشن تھا' را کے ایجنٹوں کے لیے وہی سب سے بہتر منزل تھی۔

مجھے توقع تھی کہ جلال کی کراچی آمد کے بعد مجھے صدف مینشن میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ میں آسانی کے ساتھ باز پرس کے سارے مراحل میں شریک رہ سکوں گا۔

ہم نیو خان ہوٹل پہنچے تو وہاں بیرونی ہال میں پڑی ہوئی ساری میزیں اور کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ فضا لوگوں کی ملی جلی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ ہم دونوں کرسیوں کے درمیان اپنا راستہ بناتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھے تو وہاں کیش پر بیٹھے ہوئے سرخ و سفید شخص نے رسمی انداز میں ہمارا استقبال کیا۔

پہلے سے دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس نے سلطان شاہ کے لیے کسی خاص گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''دونوں اندر ہیں۔'' اس نے کاؤنٹر پر موجود شخص سے رقم وصول کرنے کے بعد دھیرے سے کہا۔ ''کیا انہیں پیغام بھجواؤں؟''

سلطان شاہ نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی' اس نے اشارے سے ایک ویٹر کو اپنے پاس بلایا۔ اس کے کندھے پر صافی اور ہاتھ میں پانی کے کئی گلاس دبے ہوئے تھے۔ ہوٹل والے نے اسے ہدایت دے کر اندر بھیج دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آیا' ہمیں اندر بلایا جا رہا تھا۔

ہوٹل کے مالک کو اشارہ کر کے سلطان شاہ نے ویٹر سے ایک مرتبہ پھر ان دونوں کی موجودگی کے بارے میں تصدیق چاہی۔ اس نے بتایا کہ دونوں تین نمبر کمرے میں موجود تھے۔

ہم ویٹر کی رہنمائی میں اندر چل دیے۔ کچن کے برابر والی راہداری سے نکل کر ہم ہوٹل کے رہائشی حصے میں داخل ہو گئے۔

نیو خان ہوٹل صرف گراؤنڈ فلور پر واقع تھا اور خاصے وسیع رقبے پر مشتمل تھا۔ عقبی حصے میں پارٹیشن کھڑے کر کے چھوٹے چھوٹے رہائشی کمرے بنا دیے گئے تھے جو سستے کرائے کے متلاشی گاہکوں کے لیے اس علاقے میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھے۔

ویٹر نے اشارے سے تین نمبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بڑھ کر دروازہ پر دستک دی اور اندر سے جواب کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ میرے اندر گھسنے کے بعد ہی سے آجاؤ کی آواز ابھری تھی لیکن اندر قدم رکھتے ہی میرے قدم ٹھٹک کر رہ گئے۔

کمرے میں بستروں سمیت دو چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں ان کے درمیان بمشکل تین فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا۔

ان میں سے ایک چارپائی خالی پڑی تھی' دوسری پر کسرتی جسم والا ایک تنومند اور چالاک آدمی بیٹھا سپاٹ نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

ویٹر نے اس نام نہاد کمرے میں دو افراد کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ ملاقاتیوں کی آمد کی خبر پاتے ہی ان میں سے ایک باہر کھسک گیا تھا۔ وہ ان دونوں کی چالاکی اور ہوشیاری کی پہلی دلیل تھی۔

''تمہارا نام ذکی ہے؟'' میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے دھیمے' رازدارانہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

''وہ باہر گیا ہوا ہے میرا نام حسن ہے۔'' اس نے ڈھیلے انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا پھر پوچھا ''تم کون ہو؟''

اس دوران میں اس کی نگاہیں سر سے پیر تک میرا جائزہ لیتی رہی تھیں مجھے اس کی تیز اور چمکیلی نگاہیں اپنے بدن میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''ہم دوست ہیں' تمہیں لینے آئے ہیں۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے کھڑے کھڑے' اسی نیچی آواز میں کہا۔ اس اثنا میں اس نے سلطان شاہ سے بھی ہاتھ ملا لیا تھا مگر اس کی نظریں مسلسل مجھے ٹٹولے جا رہی تھیں۔

میرا جواب بہت مبہم اور ناکافی تھا۔ وہ پرائی زمین پر بیٹھا ہوا تھا میرا جواب سن کر اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی۔ اس نے نیچی آواز میں پوچھا ''تم کس کی بات کر رہے ہو؟ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''

میرے ذہن میں صرف کوبرا کا نام چکرا رہا تھا لیکن ان میں سے ایک کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے میرا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ ہم جس راستے سے اندر آئے تھے ادھر سے کسی کو باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا' وہ نظر آتا تو ویٹر اسے راستے میں ہی پہچان لیتا مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ ہوٹل کے وسیع گراؤنڈ فلور سے نکاس کا کوئی متبادل راستہ بھی موجود تھا یا دوسرا شخص کسی غسل خانے وغیرہ میں جا چھپا تھا۔

جب تک وہ دونوں ہمارے سامنے نہ آجاتے' کوبرا کا نام لینا مناسب نہیں تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ دوسرا آدمی آسانی سے اندر لوٹ آئے گا۔

''ہمیں اس کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے ذکی کو آنے دو پھر میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے میں چارپائی کے سرے پر ٹک گیا۔

اس بار بھی حسن نے کسی الجھن یا پریشانی کا مظاہرہ نہیں کیا' اطمینان سے بولا ''وہ غیر ذمے دار ہے پان والے کے پاس بیٹھ گیا ہوگا' تم یہیں رکو میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔''

ذکی نے وہ تجویز اتنے فطری انداز میں پیش کی تھی کہ میں اس سے اختلاف نہ کر سکا۔ اس نے چارپائی سے ٹانگیں لٹکا کر اپنی جوتیاں ٹٹولیں اور میری ٹانگوں سے پھنستا ہوا آگے نکل گیا۔

ذکی کے یکا یک غائب ہونے کے علاوہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی تھی مگر میری چھٹی حس نے خطرے کا اعلان کرنا شروع کر دیا تھا۔

جوں ہی حسن دروازے سے نکلا' میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔

میرے قدموں کی آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا لیکن ذرا بھی نہ گھبرایا اپنی معمول کی رفتار سے چلتا ہوا ہوٹل سے

Downloaded from https://paksociety.com

باہر نکلتا چلا گیا میں چند قدم کے فاصلے سے اس کے پیچھے تھا۔

ہوٹل سے باہر نکل کر اس نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ لمحہ بھر کے لیے اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر پوری وقت سے دوڑ لگا دی۔

وہ کھلی ہزیمت تھی' ہاتھ آیا ہوا شکار میری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلا جا رہا تھا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا مگر میں وہ تعاقب برقرار نہ رکھ سکا اچانک کسی نے پیچھے سے اڑنگا لگایا اور میں ہتھیلیوں کے بل سڑک پر گر کر دور تک گھسٹتا چلا گیا' گرتے ہوئے میں بس اتنا دیکھ سکا کہ ایک شخص اپنے کندھے پر کالا بیگ لٹکائے میرے برابر سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ہماری اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں سڑک پر بھگدڑ اور افراتفری کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ میں سنبھل کر اٹھا تو دور دور تک حسن کا کوئی پتا نہ تھا نہ کالے بیگ والا نظر آ رہا تھا وہ دونوں کسی گلی میں گھس گئے تھے یا انہوں نے سواری پکڑ لی تھی۔

سلطان شاہ کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔ حسن اس انداز میں اپنے کمرے سے نکلا تھا کہ سلطان شاہ رکنے یا اس کے پیچھے آنے کے بارے میں تذبذب میں پڑا رہ گیا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اس علاقے کی مصروف سڑک چکنی تھی جس کے نتیجے میں میری ہتھیلیوں پر گہری خراشیں نہیں آئی تھیں لیکن دونوں گھٹنوں میں خاصا درد ہو رہا تھا۔

نیو خان ہوٹل میں ہر حلیے کے لوگ موجود تھے۔ میں واپس ہال میں داخل ہوا تو کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی میں نے کاؤنٹر پر رک کر سلطان شاہ کو وہیں بلوا لیا' وہ میری حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ''یہ..... یہ کیا ہوا وہ دونوں کہاں ہیں؟''

''کس دوسرے کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے بدمزگی سے پوچھا۔

''جسے حسن بلانے گیا تھا۔'' اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''وہ کسی کو بلانے نہیں گیا تھا باہر پہنچتے ہی بھاگ نکلا کسی نے اڑنگا دے کر مجھے اس کا پیچھا کرنے سے روک دیا۔ ان کا سامان دیکھنا پڑے گا شاید کوئی سراغ مل جائے۔''

''میں اسی لیے رات کو کرایہ پیشگی لیتا ہوں۔'' کاؤنٹر والے نے فخریہ لہجے میں بتایا ''کیا پتا کون کب بھاگ جائے ان کنگلوں کے پاس ایک کالے بیگ کے سوا کچھ نہیں تھا۔''

میں نے دل میں ان کے سامان کی بھی فاتحہ پڑھ لی۔ ملاقاتیوں کی آمد کی خبر ملتے ہی ان میں سے ایک اپنا تھیلا لے کر نکل گیا تھا اور اسی نے مجھے پیچھے سے گرا کر تعاقب سے روکا تھا۔

ویٹر نے کمرا دیکھ کر تصدیق کر دی کہ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ بھی پتا چل گیا کہ کچن کا ساز و سامان لانے لے جانے کے لیے ہوٹل کے پچھلے حصے میں بھی ایک چھوٹا دروازہ تھا جسے بعض لوگ آمد و رفت کے لیے استعمال کر لیتے تھے۔

وہ مہم کسی ہتھیار کے استعمال کی نوبت آنے سے پہلے انتہائی خاموشی سے ناکام ہو گئی تھی۔

را کے ایجنٹوں کا آسانی سے ہاتھ آیا ہوا سراغ ضائع ہو چکا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں نیو خان ہوٹل کے بعد کہاں پڑاؤ ڈالیں گے۔

اس ناکام جدوجہد میں مجھ سے بس ایک عقل مندی سرزد ہوئی تھی کہ میں نے حسن کے سامنے کو برا کا نام نہیں لیا تھا۔ توقع یہ تھی کہ وہ دونوں فرار ہونے کے بعد پہلی فرصت میں سوبھراج سے رابطہ کر کے اپنے اس تجربے کی رپورٹ دیں گے تو اسے اپنے نئے ٹھکانے کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور بتائیں گے اور مجھے اپنی ابتدائی غلطی کا ازالہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

آثار یہ بتا رہے تھے کہ اس وقت سوبھراج عرف کو برا پوری طرح میری خیر خواہی کے طلسم میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس سے راداوں کے بارے میں دوسری مرتبہ بھی کوئی ایسا سراغ ملنے کی امید تھی جس کے سہارے انہیں گھیرا جا سکے۔

''وہ دونوں کون تھے تم ان کی طرف سے بہت پریشان نظر آ رہے ہو؟'' ہوٹل کے مالک نے میری موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے سلطان شاہ سے اردو میں پوچھا۔

کاؤنٹر خالی تھا۔ سلطان شاہ نے کہنیوں کے سہارے آگے جھک کر آہستہ سے کہا ''وہ دونوں غیر ملکی ایجنٹ تھے دہشت گردی کے لیے یہاں آئے ہیں۔''

''نہیں یار!'' اس نے بے اعتباری سے کہا ''دیکھنے میں دونوں مقامی لگتے تھے۔''

''کوئی اداکاری کرنے پر تل جائے تو بھارتی اور پاکستانی کے درمیان فرق محسوس کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

سلطان شاہ نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔ ''وہ دوبارہ نظر آئیں تو ان کا دھیان رکھنا بلکہ کسی کو پیچھے لگا کر مجھے بھائی کے موبائل نمبر پر خبر دے دینا۔ وہ دونوں بہت خطرناک آدمی ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے ہوٹل والے کو میرے موبائل فون کا نمبر لکھوا دیا۔

''وہ دونوں پکے خنزیر کے تخم ہیں۔'' ہوٹل والے نے نمبر لکھ لینے کے بعد سلطان شاہ سے اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا ''ایک آدمی ادھر سے نکلا تھا دوسرے کو میں نے جاتے نہیں دیکھا' وہ اپنا بیگ لے کر پیچھے سے نکلا ہوگا.....''

''تمہارے پاس ان کے شناختی کارڈ کی نقل ہے؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

گاہکوں کی کاؤنٹر پر آمد و رفت کی وجہ سے ہمیں اس سے بات جاری رکھنے میں خاصی رکاوٹ پیش آ رہی تھی۔ اس مختصر سی گفتگو میں دونوں فریقوں کو کئی بار اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہونا پڑا تھا۔

''نہیں! اس نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا ''ہم آنے والوں کا شناختی کارڈ دیکھتے ضرور ہیں' فوٹو کاپی نہیں دیتے دونوں خدائی خواروں کے پاس ادھر کے پکے کارڈ تھے۔ میں کارڈ کے بغیر کسی کو کمرا نہیں دیتا۔''

اسی لمحے کئی گاہک کاؤنٹر پر آ گئے۔ دیئر دور سے گاہکوں کی عجیب نشانیاں بتا کر ان کی رقمیں دہرا رہے تھے' ٹوپی والا بھائی انھارہ روپے' کرتا پاجامہ اکیس روپے' مولوی صاحب سے تیس روپے لینا۔

ان ملی جلی آوازوں کی وجہ سے ہوٹل کچھ دیر کے لیے مچھلی بازار بن گیا تھا۔ میرے لیے وہاں ٹھہرنا دشوار ہو رہا تھا۔ ویسے بھی اس شخص سے کوئی کارآمد بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی میں نے آنکھ سے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں اس سے ہاتھ ملا کر ہوٹل سے واپس روانہ ہو گئے۔

''یہ دونوں ہماری غلطی سے نکلے ہیں۔'' ہوٹل سے کچھ دور نکل آنے کے بعد میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''ایک ہماری کسی غلطی سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔ تم دوسرے کے بارے میں جو چاہو کہہ سکتے ہو۔'' سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔

''وہ جس وقت ذکی کو بلانے کے بہانے چلا تھا' مجھے اس کو زبردستی روک لینا چاہئے تھا مگر میں اس خیال سے اس سے اڑنے سے باز رہا کہ تمہارا دوست اپنے ہوٹل میں ہنگامہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔''

''اس کے تیور اچھے نہیں تھے' وہ تمہارے روکنے سے بھی نہ رکتا' مار دھاڑ ہوتی اور میرا دوست مجھ سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جاتا۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا ''یہ ہوٹل ان کی تیسری نسل چلا رہی ہے ان کے بڑوں نے بہت محنت سے یہ کاروبار جمایا تھا۔ پورے مردان میں کراچی کا ہوٹل اس خاندان کی شناخت بنا ہوا ہے۔''

''کمرا اس قدر تنگ تھا کہ وہاں اپنی مرضی سے ہلنے جلنے کی گنجائش نہیں تھی۔ مجھے پہلے سے اس کے فرار کا اندازہ ہوتا تو میں انگوٹھی کا رخ درست کر کے اسے خاموشی سے بے ہوش کر سکتا تھا۔ وہ اچانک اٹھا اور باہر نکل گیا۔

''یہ سب بعد کے پچھتاوے ہیں کام بگڑ جائے تو بعد میں بہت سی باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ یوں ہوتا تو یوں ہو جاتا۔ یہ سب بے کار ہے اصل بات وہ ہے جو وقت پر سوجھ جائے۔ وہ اپنی تیزی اور بے ساختگی سے ہمیں چکما دے کر نکل گیا۔ تمہیں ہوشیار ہونے میں بس پلک جھپکنے کی دیر ہوئی اور وہ کمرے سے باہر تھا' تم تقریباً اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلے تھے۔''

''میں ہوٹل ہی میں زقند لگا کر پیچھے سے اس کا کالر پکڑ سکتا تھا مگر بات وہی تھی کہ ہوٹل میں مار دھاڑ شروع ہو جاتی باہر پہنچنے تک وہ آگے نکل گیا تھا پھر اس نے دوڑ لگا دی۔''

''ان کے نکل جانے پر افسوس کرنے کے بجائے خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دیکھ لیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے وہ ہوٹل چھوڑ چکے ہوتے۔''

''مجھے بچوں کی طرح دلاسا دینے کی کوشش مت کرو!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''میرے لیے آج کا دن اچھا ثابت نہیں ہوا۔ صبح اسٹیشن فور میں دھاکا ہو گیا' کمر اور کہنیاں زخمی ہو گئیں اور اب گھٹنوں اور ہتھیلیوں کی باری آ گئی' بھاگتے ہوئے دشمن کو پیچھے سے اڑنگا مارنے کا خیال کسی بہت ہی چالاک اور پھرتیلے شخص کے ذہن میں آ سکتا تھا۔''

''کیسی مجبوری ہے کہ تم ان کے قصیدے پڑھ رہے

Downloaded from https://paksociety.com

ہو!'' وہ بے بسی سے ہنس پڑا۔

میں نے خاموشی اختیار کرلی' دشمن کے اتنے قریب جاکر ناکام ہوجانے کے خیال سے میرے ذہن میں انگارے سے دہک رہے تھے' سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جلد از جلد اس ناکامی کا کیسے ازالہ کرسکوں گا۔

دکھتے ہوئے گھٹنوں کے ساتھ طویل فاصلہ طے کرکے ہم گاڑی تک پہنچے تو میں نے چابی سلطان شاہ کی طرف بڑھادی۔'' اب تم ڈرائیونگ کروگے۔''

اس نے سرسری انداز میں میرے ہاتھ سے چابی لی اور بولا'' یہی بہتر ہے گھٹنوں پر زور پڑا تو تکلیف بڑھ جائے گی تمہیں آرام کرنا چاہئے۔''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا' مجھے اپنی چوٹوں کی ذرا بھی پروا نہیں تھی' میرے ذہن میں دونوں راداسے سوار تھے۔ میں ہر پہلو سے ان کے فرار کے مضمرات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

نیو خان ہوٹل آنے سے ان دونوں کے بارے میں سوبھراج کی کہی ہوئی کم از کم دو باتوں کی تصدیق ہوگئی تھی اور وہ دونوں ہی اہم تھیں۔

پہلی بات یہ تھی کہ ان کی مالی حالت پتلی تھی وہ کسی ڈھنگ کے ہوٹل میں قیام کرنے کے بجائے نیو خان ہوٹل کی ایک تنگ کوٹھڑی میں چارپائیوں پر گزارا کررہے تھے۔

دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ دہشت گردی کے مہلک ساز و سامان سے لیس نہیں تھے۔ ان کا کل اثاثہ کالے رنگ کے ایک چھوٹے سفری بیگ پر مشتمل تھا جس میں زیادہ چیزیں نہیں چھپائی جاسکتی تھیں۔ اپنی حفاظت کے لیے ان کے پاس کوئی پستول یا ریوالور موجود ہوتا تو دوسری بات تھی ورنہ وہ ان حالات میں شہر میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوئی کارروائی نہیں کرسکتے تھے۔

گاڑی صدر اور پھر ایم اے جناح روڈ کے گندے ٹریفک میں سسکتی اور آگے رینگتی رہی۔ ہم قائداعظم کے مزار سے شارع قائدین پر مڑے تو ٹریفک کی صورت حال بہتر ہوگئی۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

''کس سے بات کرنے کا ارادہ ہے؟'' سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''سوبھراج کو ہوشیار کرنا ہے۔ وہ دونوں کسی بھی وقت

معیاری نفسیاتی و علمی کتابیں

ان کتابوں کا مطالعہ آپ کی شخصیت کے نکھار نئے آپ کو صحت مند رکھنے اور کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے مدد گار ثابت ہوگا۔

ٹیلی پیتھی مستقبل بینی	40/-	دست شناسی کے نئے رخ	40/-
ٹیلی پیتھی کی جدید تحقیقات	40/-	تحریر اور شخصیت	30/-
ہپناٹزم	30/-	مسائل اور حل	40/-
ہپناٹزم کے عملی طریقے	50/-	باتجربی	25/-
ہپناٹزم کی جدید تحقیقات	60/-	چھ حیرت انگیز علوم	25/-
ذاتی ہپناٹزم	25/-	احساس کمتری	30/-
خوابوں کے اسرار	30/-	سگریٹ نوشی چھوڑیے	25/-
عورتوں کی نفسیات	60/-	کامیابی	25/-
مقناطیسیت	50/-	کرائے	50/-
ازدواجی نفسیات	60/-	مٹاپا اور اسکا سدباب	45/-
خوف، شرم اور اسکا سدباب	50/-	امتحان میں کامیابی	30/-

اندرون ملک ڈاک خرچ ایک یا دو کتابوں کا 23 روپے
3 یا 4 کتابوں کا ڈاک خرچ 29 روپے ہوگا

رقم صرف منی آرڈر، ڈرافٹ یا کراس بینک چیک سے ارسال کریں

بیرون ملک اخراجات

بیرون ملک ڈاک خرچ: مشرق وسطیٰ -/200 روپے فی کتاب، یورپ و مشرق بعید -/300 روپے فی کتاب آسٹریلیا و امریکا -/400 روپے فی کتاب۔ رقم پیشگی بذریعہ ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔ کسی قسم کی نقد رقم لفافے میں نہ بھیجیں۔ ڈرافٹ اس نام پر بنوائیں۔

مکتبہ نفسیات
پوسٹ بکس 944 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

اس سے رابطہ کر سکتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اسے ننھا سا بچہ نہ سمجھو۔ وہ بہت عیار ہے۔ ضروری نہیں کہ تمہاری ہر بات مان لے۔ تم سے مفاہمت کا دعویٰ کرنے کے باوجود وہ تمہیں چکر دیتا رہا ہے۔''

''خالی بیٹھ کر انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ کیا جائے اور کچھ نہیں تو فون ہی کیا جائے۔ پتا نہیں یہ نمبر کیوں نہیں مل رہا۔ تین بار کوشش کر چکا ہوں۔''

''جھنجلانے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی تکنیکی مسئلہ ہے۔ موبائل پر اس کا نمبر ملانے میں پہلے بھی تمہیں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ تمہارے موبائل کا نمبر ملا لیتا ہے۔''

میری یادداشت تازہ ہوگئی۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ میں نے اپنی کوششیں ترک کر کے فون جیب میں ڈال لیا۔

گھر پہنچتے ہی ویرا اور غزالہ نے سلطان شاہ کو گھیر لیا۔ میں سی ایس ڈی چیک کرنے کے بعد فون کے قریب آ بیٹھا۔

''یہاں شور نہ کرو!'' سلطان شاہ نے ان دونوں سے کہا ''ابھی سوبھراج سے بات ہونے والی ہے۔ آؤ، میرے کمرے میں آ جاؤ۔''

ویرا وہیں جمی رہی ''اس وقت سوبھراج اہم ہے۔ تمہاری کہانی بعد میں سن لیں گے۔''

دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنتے ہی میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کر دیا۔

میری آواز سنتے ہی سوبھراج بھڑک اٹھا ''مجھے پکا یقین ہے کہ تم ان دونوں کی طرف گئے تھے اور وہاں سے ناکام لوٹے ہو۔''

''تمہاری بات درست ہے۔ تمہیں یہ الہام کیسے ہوگیا؟''

''ابھی ابھی میں حسن سے بات کر کے فارغ ہوا ہوں۔ تم نے اس سے کیا کہا تھا۔''

''میں نے اس سے کہا تھا کہ ہم اسے لینے آئے ہیں۔ وہ ان سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے کسی تردد کے بغیر صحیح بات بتا دی۔ تین سے اس کی بات ہو جانے کے بعد میرے لیے زیادہ ہیر پھیر کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

''وہ کون؟'' سوبھراج نے تنک کر پوچھا۔

''اس نے بھی یہی پوچھا تھا۔ میں نے کہا کہ ہمیں اس کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے۔''

''تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس کا دھیان میری طرف گیا تھا۔''

''میں اس کے دھیان کا ذمے دار نہیں ہوں۔ میں تمہارا نام استعمال کرتا تو شاید وہ چون و چرا کیے بغیر میرے ساتھ ہو لیتا۔''

''پھر تمہارے ذہن میں کون تھا۔ اسے کس کے پاس لے جانا چاہ رہے تھے؟''

''کسی کے پاس نہیں۔ تم کو اندازہ ہو چکا ہے کہ مجھے را والوں سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ میں خود ہی اسے پرانے گودام میں لے جا کر تفصیل سے دیکھنا چاہ رہا تھا۔''

''یہ پرانا گودام کہاں ہے؟'' میری پرسکون باتیں اسے تاؤ دلا رہی تھیں۔

''وہی جہاں میں اپنے معزز مہمانوں کو رکھتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اب ان کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ وہ بہت چالاک اور مکار ہیں۔ ایک خطرے سے بال بال بچنے کے بعد وہ تمہارے کسی اور پھندے میں نہیں پھنسیں گے۔ انہیں مارنا اب تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مارنا ہوتا تو میں بات چیت کرنے کے بجائے اسے وہیں گولی مار دیتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''تم سے معاملات طے ہو جانے کے بعد ان کی مدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''پھر بتاؤ کہ اب وہ کہاں مل سکیں گے!'' میں نے مطالبہ کیا۔

''ابھی ان کے اوسان خطا ہیں۔ اس نے کسی پی سی او سے مجھے فون کیا تھا۔ ان کو کوئی سستا سا نیا ٹھکانا تلاش کرنا ہوگا۔ وہ پیسوں سے بری طرح ٹوٹے ہوئے ہیں۔''

''پتا بتا دو۔ میں انہیں دس پندرہ ہزار پہنچا دوں گا۔'' میں نے ازراہ مذاق کہا۔

''مجھے معلوم ہوگیا تو میں تمہیں بھی پتا بتا دوں گا۔ مجھے یہ اطمینان ہوگیا کہ تم انہیں مارنا نہیں چاہتے۔ مارنا ہوتا تو وہیں زہر سے مار دیتے۔''

''میں انہیں ہراساں کر کے یہاں سے واپس بھگانا چاہتا ہوں۔''

''میری بھی یہی خواہش ہے کہ وہ واپس لوٹ جائیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ جب تک یہاں رہیں گے، میرے اوپر دباؤ ڈالتے رہیں گے۔''

''اس بار اور کچھ نہ ہو سکا تو ان کی ٹھکائی ضرور ہوگی۔ انہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ کوئی ان کے پیچھے لگ گیا ہے۔ اس خوف کے بغیر وہ واپس بھاگنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ ان کے بارے میں تمہیں تیسری بار تنگ نہیں کروں گا۔''

''کچھ پتا چلے گا تو میں بتا دوں گا۔'' اس کی طرف سے جواب آیا ''تم ان کے ساتھ کیا کرتے ہو، یہ تمہیں اور تمہارے خدا کو ہی معلوم ہوگا۔ انہیں لنگڑا لولا کر دیا ویسے ہی یہاں سے بھگا دو۔ مجھے وہ پتا چلے گا جو تم بتاؤ گے۔''

''تم گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہو جاتے ہو۔'' میں نے قدرے چڑنے کی صدا کاری کی ''ابھی کہہ رہے تھے کہ مجھے مارنا ہوتا تو میں چھیڑ چھاڑ کرنے کے بجائے حسن کو زہر سے مار سکتا تھا۔ اب بے یقینی کی باتیں کر رہے ہو۔''

''اس پر لعنت بھیجو۔ میرا دل تم سے کچھ ایسی باتیں کرنے کو چاہ رہا ہے جو میں کسی اور سے نہیں کر سکتا۔'' اچانک اس کا لہجہ تبدیل ہو گیا۔

''شہر میں تمہارے بیسیوں ہمدرد اور غم گسار ہوں گے۔ یہ مہربانی تم مجھ پر کیوں کر رہے ہو؟'' میں نہ چاہتے ہوئے بھی روانی میں کہہ گیا۔ مجھے سکون سے اس کی بات سن لینی چاہیے تھی۔ میرے جواب سے وہ اچٹ سکتا تھا!

''میں تمہاری بات مانتا ہوں۔ میرے بہت سے دوست اور ساتھی ہیں مگر وہ سب مجھے اپنا لیڈر مانتے ہیں لیڈر ان سے ہلکی بات نہیں کر سکتا..... میں نے تمہیں بتایا تھا کہ نک والے مجھے بار بار فون کر رہے تھے۔ میں آواز سنتے ہی لائن کاٹ دیتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے اس سے بات کی ہے جانتے ہو وہ کون تھا؟''

اس بار میں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا اور دھیرے سے کہا ''میں اندازہ نہیں لگا سکتا تم کو بتانا ہوگا۔''

''وہی گیری ہارٹ تھا جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا۔'' اس کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ ''بہت چکنی چپڑی باتیں کر رہا تھا۔ تمہاری طرح وہ بھی مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''اسے مجھ سے نہ ملاؤ۔ یہ بات اب تمہاری سمجھ میں آ چکی ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ میں دوست ہوں، دوست اور دشمن میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

فرمائش

ہوائی جہاز میں پہلی مرتبہ سفر کرنے والے ایک صاحب کو الٹیاں آئے جا رہی تھیں۔ آخر ائر ہوسٹس ان کے قریب آئی اور ہمدردانہ لہجے میں بولی ''سر! میں آپ کے لیے کچھ لاؤں؟''

''ہاں.....'' ان صاحب نے ہانپتے اور ہوئے کراہتے جواب دیا ''میرے لیے ایک ائر پورٹ لے آؤ۔''

''میں دوستی اور دشمنی کی نہیں، صرف ملنے کی بات کر رہا تھا۔''

''کب مل رہے ہو اس سے؟'' میں نے دلچسپی سے سوال کیا۔

''میں پریشان ہوں لیکن ابھی میرا دماغ اتنا خراب نہیں ہوا۔ یہ بات میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے تمہیں سنا رہا ہوں ــ میں نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ نک بھی دوست بن کر میرے لیے اپنی بغل میں چھری لیے پھر رہا تھا! اب یہ اس کا باپ آیا ہے۔ تم راہ والوں کو ڈھونڈ رہے ہو میں اس کی گھات میں لگ گیا ہوں۔''

''تمہیں ــــ اسے انکار نہیں کرنا چاہیے تھا وہ ملنا چاہتا ہے تو اس بے چارے کا دل رکھنے کے لیے تمہیں اس کو کوئی وقت دے دینا چاہیے تھا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''صاف انکار سے میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے اسے نہایت سخت شرائط کے ساتھ کل کا وقت دے دیا ہے۔ شرائط اتنی سخت ہیں کہ وہ کل وہاں نہیں پہنچے گا۔'' سوبھراج کی آواز میں گیری کے لیے تضحیک اور تحقیر کا عنصر شامل ہو گیا۔

''یار! تم پہیلیوں میں باتیں کر رہے ہو۔ میں معمّوں میں سر کھپانے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ اس مردود سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے۔'' سوبھراج کی ادھوری باتیں سن کر میرے تجسس میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

میں نے اس سے بے تکلفی اور قربت جتانے کے لیے جان بوجھ کر اسے یار کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ اگر اس کے دل میں میری طرف سے کوئی خوف ہو تو وہ اس گفتگو کے نتیجے میں زائل ہو جائے۔

''یہ خوشی کی بات ہے کہ اب تم مجھے یار کہہ رہے ہو۔'' سوبھراج کی مسرت آمیز آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے

Downloaded from https://paksociety.com

طرز تخاطب نے اسے بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''میری اس سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کا خوفناک عمل میرے سامنے ہے لیکن زبان سے نک نے کبھی دشمنی کا اظہار کیا نہ گیری نے کوئی مخاصمانہ بات کہی۔ وہ مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے میں اس کی گردن کاٹنے کی فکر میں لگا ہوا ہوں۔ میری ساری پریشانیاں ان لوگوں کی لائی ہوئی ہیں مجھے ان سے اپنی جان کا ڈر نہ ہوتا تو پاکستان کی ساری ایجنسیاں مل کر بھی میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکتی تھیں۔''

''کل تم اس کے کہاں پہنچنے کی بات کر رہے تھے؟'' میں نے اسے دوبارہ ٹریک پر لانے کے لیے واضح الفاظ میں سوال کیا۔

میرے کان میں اس کی استہزائی ہنسی کی آواز گونجی پھر اس نے کہا ''وہ ایک ہوائی بات تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اس برے وقت میں' میں اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے تو سوئٹزنگ کاسٹیوم میں یعنی صرف ایک چڈی میں کل دوپہر مجھے فرنچ بیچ پر ملے تاکہ میں دور ہی سے دیکھ لوں کہ اس کے ہاتھ خالی ہیں اور لباس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ نہیں ہے۔''

''کیا وہ وہاں آئے گا؟'' میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''مشکل ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہو سکا تو وہ ایک اور دو بجے کے درمیان ساحل پر میرا انتظار کرے گا لیکن مجھے اس کے آنے کی امید نہیں ہے۔ وہ بعد میں غور کرے گا تو اسے خود اپنے وعدے پر شرم آ جائے گی۔ شہر سے میلوں دور بالشت بھر کی چڈی پہن کر اپنے کسی حریف کا انتظار کرنا اس جیسے فرعون کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تم سے نجات پانے بلکہ تم کو سزایاب کرنے کے لیے یہ کوئی مشکل شرط نہیں ہے۔''

''بہت مشکل شرط ہے میں نے اس سے ملنے کا پکا وعدہ نہیں کیا۔ یہ کہا ہے کہ وہ وہاں موجود رہے مجھے موقع ملا تو میں وہاں ضرور پہنچوں گا۔ ذرا تصور کرو کہ مجھے موقع نہ ملا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ وہ اپنی چڈی پھاڑ کر جھاگ اڑاتے ہوئے سمندر میں کود جائے گا۔''

میں نہایت پرخلوص انداز میں ہنس پڑا۔ ''وہ لوگ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہیں تو تم بھی مہا چالاک ہو۔ مجھے ایمانداری سے بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔''

''میں ہرگز وہاں نہیں جاؤں گا۔ میں نے اسے ذلیل کرنے اور بے بسی کا احساس دلانے کے لیے یہ باتیں کی تھیں ورنہ ان کی ضرورت نہیں تھی۔ چاہو تو تم وہاں جا کر اس سے پوچھ سکتے ہو کہ وہ تپتی ہوئی دھوپ میں جانگیہ پہنے وہاں کیا کر رہا ہے!''

''یہ پوچھنے والی بات نہیں ہے۔ یہاں آنے والے اکثر سفید فام سن باتھ لینے کے لیے اسی طرف جاتے ہیں' فرنچ بیچ اور مبارک وِلج ان لوگوں میں بہت مقبول ہیں۔'' میں کہتا رہا۔ ''ویسے پیراڈائز پوائنٹ اور ہاکس بے پر بھی یہ شوق پورے کیے جاتے ہیں۔'' میں اس سے مزید باتیں معلوم کرنے کی امید میں گفتگو کو طول دے رہا تھا۔

''وہاں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے۔ صرف کنگال گورے وہاں نظر آتے ہیں۔ ایک عورت اوندھی لیٹی ہوتی ہے تو اسے دیکھنے کے لیے سیکڑوں مقامیوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے' سوئمنگ سوٹ پہننے والیوں کو ہمارے لوگ ننگا ہی تصور کرتے ہیں۔ اگلے ساحلوں پر بہت کم مقامی پہنچ پاتے ہیں وہاں سفید فاموں کو بہت زیادہ آزادی حاصل ہوتی ہے۔ آس پاس کا میدان صاف دیکھ کر بعض جوڑے فطری لباس میں لگتی تو انائیاں جذب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔''

''ان علاقوں کے بارے میں خاصے تجربے کار معلوم ہوتے ہو!''

''اب میرا وقت بگڑ گیا ہے۔'' وہ جذباتی لہجے میں بتا رہا تھا ''بھلے وقتوں میں' میں مہینے میں کم از کم ایک بار فرنچ بیچ پر پارٹی کرتا تھا۔ میرے مہمانوں کے سوا پرندہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا تھا۔ کیٹرنگ والے جنگل میں منگل کر دیتے تھے۔ خوب شراب لنڈھائی جاتی تھی جب چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا ہوتا تھا تو چٹانوں کے رومان انگیز سائے میں چاند جیسے بیسیوں چہرے کسی نہ کسی کے ساتھ عہد و پیمان کے مراحل سے گزر رہے ہوتے تھے۔ ان میں مقامی اور غیر ملکی' سب شامل ہوتے تھے۔ اب شاید وہ راتیں اور وہ باتیں میرے لیے خواب ہو کر رہ جائیں گی۔''

''تم خاصے رنگین مزاج معلوم ہوتے ہو۔ ایسے لوگ عام طور سے نرم دل ہوتے ہیں۔ گیری کی طرف سے تمہارا دل اتنا سخت کیوں ہو گیا ہے؟''

''انہوں نے مجھ سے میرا سکھ چین اور ساری آسائشیں

Downloaded from https://paksociety.com

چھین لیں۔تم یقین کرو کہ آج پائپ میں بیٹھ کر میں آنسوؤں سے رویا ہوں۔کیا میں نے اس دن کے لیے ان حرام زادوں کا ساتھ دیا تھا؟ یہ بربادی تک کی لائی ہوئی ہے' تم دیکھ لو کہ اس کا انجام کیسا برا ہوا۔ جنت اور جہنم تو بعد کی باتیں ہیں۔ برا کرنے والوں کو اپنی زندگی میں ہی اپنے کیے کا پھل مل جاتا ہے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ کل ادھر جا سکوں۔'' میں نے نیم دلی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ویسے بہتر ہوتا کہ تم خود وہاں جا کر اس کی مزاج پرسی کرتے۔''

''تم ان کمینوں کی خصلت سے واقف نہیں ہو اس لیے ایسا کچا مشورہ دے رہے ہو۔'' وہ کہہ رہا تھا۔''وہ دیکھنے میں اکیلا ہوگا اس کے ساتھی چٹانوں یا کھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ میں نے ادھر کا رخ کیا تو اچانک کہیں سے گولیوں کی باڑ آئے گی اور میرا بدن چھلنی کر دے گی۔ یہ بھیڑیے جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے ہر حیلے بہانے سے ٹھکانے لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ایف بی آئی کی دھاک بٹھائے رکھنے کے لیے گیری مجھے گھیر رہا ہے۔''

''تمہاری باتیں بے بنیاد نہیں ہیں لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم ان سے ضرورت سے زیادہ ڈرے ہوئے ہو۔'' اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے بات اچک لی۔''اب کل کے لیے مجھے وقت نکالنا ہی ہوگا میں دیکھوں گا کہ گیری کتنے پانی میں ہے۔''

''شاباش! تم نر کے بچے ہو' تم نے میرا دل خوش کر دیا۔'' اس کی آواز سے واقعی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔''تم نے گیری کو مار دیا تو میں تمہیں دو..... نہیں تین..... بلکہ پانچ پیٹی انعام میں دوں گا۔ہم مل کر اس کامیابی کا جشن منائیں گے۔''

اس کے آخری الفاظ سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ وہ گیری کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا مگر سرکار کی مصلحتوں کی وجہ سے میں گیری کے خون سے ہاتھ نہیں رنگ سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں سوبھراج میرا اہم ترہدف تھا۔

اس نے مسرور ہو کر میرے ساتھ جشن منانے کی نوید سنا دی تھی۔ جشن کی شرط بہت کڑی تھی جسے پورا کرنا میرے بس سے باہر تھا' پھر بھی سوبھراج کی زبان سے مل بیٹھنے کا تذکرہ میرے لیے بہت رومان انگیز ثابت ہوا تھا۔

آخری پناہ گاہ

بچے نے ماں سے پوچھا ''مما! جب کار بہت زیادہ پرانی ہو جاتی ہے..... چلنے کے قابل نہیں رہتی تو اس کا کیا بنتا ہے..... وہ کہاں چلی جاتی ہے؟''

''تمہیں تو معلوم ہونا چاہیے بیٹا.....!'' ماں نے افسوس زدہ لہجے میں کہا''ایسی کار کا مالک اسے تمہارے پاپا کے ہاتھ یہ کہہ کر بیچ جاتا ہے'' کہنے کو یہ سیکنڈ ہینڈ کار ہے مگر نئی جیسی ہے.....''

''میں نے شراب پینی چھوڑ دی ہے۔'' میں نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے اسے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''تم کس برانڈ کی پیٹیوں کی بات کر رہے ہو۔''

''ارے یار ڈینی! تم نے تو حد کر دی۔'' مجھ سے باتوں میں الجھ کر وہ کچھ دیر کے لیے اپنے مصائب کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس نے بے تکلفانہ لہجے میں بات جاری رکھی۔''یہ ممبئی کی پیٹی ہے۔اپن سالا پیٹی بولے تو سمجھ کہ لاکھ بولا' کیا سمجھا!'' آخری فقرہ اس نے خالص ممبئی کی زبان میں ادا کیا اور ہنسنے لگا۔

''اس وقت تم موج میں آئے ہوئے ہو۔ یہ تم نہیں شراب بول رہی ہے' کتنی لی ہوئی ہے تم نے؟'' میں نے اس کی صداکاری سے محظوظ ہوتے ہوئے' معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تھوڑی سی لی ہے اور دیسی لی ہے۔'' وہ یکا یک سنجیدہ ہو گیا۔ اس کی آواز بھی دھیمی ہو گئی تھی۔'' میرا میزبان کھاتا پیتا آدمی ہے لیکن اسے دلایتی میں مزہ نہیں آتا۔ یہ مری والوں کا شیر پیتا ہے میں نے بھی وہی لی ہے لیکن یار تم بہت کائیاں ہو۔تم کو کیسے پتا چل گیا کہ میں نے تھوڑی سی پی ہوئی ہے؟''

''تمہاری باتیں چغلی کھا رہی ہیں۔ پہلے تم نے کبھی ایسی باتیں نہیں کیں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اس کی حیرت دور کرنے کی کوشش کی۔''ایک اچھے اور عادی شرابی کے لیے دیسی اور دلایتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔تم نے کسی شاعر کا کہا ہوا ضرور سنا یا پڑھا ہوگا' اچھی پی لی' خراب پی لی۔جیسی مل گئی شراب پی لی۔''

وہ بے ساختہ انداز میں ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی سے وقار

Downloaded from https://paksociety.com

کے بجائے عامیانہ انداز جھلک رہا تھا۔ ''یہ لاکھ روپے کی بات ہے وقت پر جو مل جائے وہی سب سے اچھی ہوتی ہے۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟'' میں نے اچانک اس سے ایک ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

''میں نے فون کیا ہے!'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''بھگوان سے ڈرو ڈینی۔ یہ میری نہیں تمہاری کال ہے کیا تم میرا امتحان لے رہے ہو؟''

''پھر میری ہی کال ہوگی۔'' میں نے بحث کیے بغیر کہا ''شراب تم نے پی ہے' نشہ مجھے ہو رہا ہے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔''

''معذرت کو نرگ میں ڈالو۔ یہ بتاؤ کہ کل تم اسے مارو گے؟ میرا پانچ لاکھ کا وعدہ پکا ہے۔ تین دنوں میں ان کا دوسرا اہم آدمی مارا گیا تو وہ کئی مہینوں کے لیے خاموش ہو جائیں گے اور میں سکھ سے رہ سکوں گا۔ اس وقت میں اپنے سکھ اور آرام کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''میں پیسے کا لالچی نہیں ہوں لیکن اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔ ''ان سے مجھے بھی پرخاش ہے۔ یہ لوگ یہاں بربادی کا کھیل کھیل رہے ہیں بس یہ سمجھ لو کہ مجھ سے دشمنی کے معاملے میں وہ راسے بھی اوپر ہیں۔''

''بھگوان تمہیں سدا سکھی رکھے۔ میرے دشمنوں کو اپنا دشمن کہہ کر تم نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی ہے۔ سامنے ہوتے تو اس وقت میں تمہیں اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیتا۔'' میری بات سن کر وہ بالکل ہی موم ہو گیا۔

وہ آگ اور پیغمبری والا معاملہ ہو گیا تھا۔ میں نے اسے صرف اس مقصد سے فون کیا تھا کہ اسے راسے ایک آدمی سے اپنے اچٹتے ہوئے مقابلے کے بارے میں بریف کر سکوں لیکن اس نے گیری کا ذکر چھیڑ کر ایک نئے تصادم کی داغ بیل ڈال دی تھی۔

میں نے اس سے گفتگو ختم کی تو تینوں میرے قریب موجود تھے۔ میری باتوں سے ان تینوں کو میرے اور سوبھراج کے مذاکرات کی نوعیت کا اندازہ ہو گیا تھا لیکن ویرا اس محاصرے سے فائدہ اٹھا کر میری زبان سے سب کچھ سننا چاہ رہی تھی۔

''یہ بہت بڑی کامیابی ہے وہ سوبھراج کو جہنم واصل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ سوبھراج وہاں پہنچے یا نہ پہنچے' گیری مقررہ وقت پر وہاں ضرور موجود رہے گا۔'' غزالہ نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''پہلے میں فرنچ بیچ کے نام سے دھوکا کھا رہی تھی۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ''میں سمجھی تھی کہ پاکستان سے باہر کی بات ہو رہی ہے۔ یہ سمندری کنارا اگر کراچی کے مضافات میں ہے تو کل ہم وہیں پکنک منائیں گے۔ گیری آ گیا تو شکار کا مزہ آ جائے گا وہ نہ آیا تب بھی ہمارا دن بہت اچھا گزرے گا' کلفٹن کی بھیڑ بھاڑ میں، میں سن باتھ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی' وہاں دن بھر ریت پر پڑی دھوپ سینکتی رہوں گی۔''

''ڈھنگ کے کپڑے ساتھ لے لینا۔'' سلطان شاہ منہ بنا کر بولا ''سوئمنگ کاسٹیوم میں.....''

''ابھی فیصلہ نہیں ہوا اور تم نے یہ طے کر لیا کہ کل پورا جلوس وہاں جائے گا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر ترشی سے کہا ''وہ مجھے کرنل داور کے نام سے جانتے ہیں لیکن ویرا دور ہی سے پہچان لی جائے گی۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔''

''میں بدن پر لوشن لگا کر آنکھوں پر دھوپ کا تاریک چشمہ اور سر پر ٹوپی لگا لوں گی تو تم تینوں بھی مجھے نہیں پہچان سکو گے۔'' ویرا مسکراتے ہوئے بولی۔ ''مار دھاڑ کی نوبت آئی تو میں گیری کے جبڑے ہلا دوں گی۔ لوشن کی وجہ سے اس کے فرشتے بھی مجھے نہیں پکڑ سکیں گے۔''

''ساحلوں پر نہانے والیوں سے فرشتے دور بھاگتے ہیں۔'' سلطان شاہ بڑبڑایا۔ ''وہ واقعی تمہیں نہیں پکڑ سکیں گے۔ سوئمنگ کاسٹیوم پہننے والیوں پر شیطان کا خاص سایہ ہوتا ہے انہیں جو دیکھتا ہے' بہکنے لگتا ہے۔''

''اتنا نہیں بہکتا جتنا تم پشتو میں بہکتے ہو۔'' ویرا نے مسکرا کر نظر سے کہا اور سلطان شاہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ اس کی رحم طلب نگاہیں ویرا کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

وہ تینوں آپس میں الجھ رہے تھے اور میرا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اگر گیری وہاں آ ہی جاتا تو وہ اس کو اغوا کرنے کا سنہری موقع تھا جس کے لیے پوری ہوش مندی سے تیاری اور منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے منھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دوست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا، جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کو انگ نوتائی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے انداز مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا تھا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیمپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مطعون ٹھہرا۔ اپنے محسن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کی حمایت حاصل تھی اور اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنٹ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالآخرہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میراث کر نکال کر ہم سب کو چونکا دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی ایک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک باردو سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیتی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ نک باردو نے تصدیق کر دی کہ ڈیتی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے نوری کا رروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے نوری کا رروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے نوری کا رروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑ نا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کانت کی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا سے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی۔ اس کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی۔ اس کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک باردو سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک باردو کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیتی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سہیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سہیل کے زرخرید سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم وہ ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا بلا کا شروع ہو گیا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے محکمہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سہیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب روبیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیتی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیتی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے تخلیہ محذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ

Downloaded from https://paksociety.com

کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے جتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا جب تک اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ خبر بھی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈنی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی تو لصیلت کی گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہو گا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دو ٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فورے لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدر مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فورے کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔

اب آپ قسط نمبر 235 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''تم کہاں کھوئے ہو؟'' اچانک ویرا کی چبھتی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہہ رہی تھی ''تم نے سنا نہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''ہوں.....اوں.....!'' میں نے تفکر آمیز نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے، خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا ''یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''مجھے چور بنا رہا ہے!'' ویرا غرائی۔

''تم نہ بنو.....'' میں نے اپنی اسی رو میں جواب دیا ''یہ تمہارے ساتھ زبردستی تو نہیں کر سکتا۔''

ویرا نے جھلّائے ہوئے انداز میں اپنی جگہ چھوڑی، تیزی سے میری طرف لپکی اور پھر اس نے میرے سامنے جھک کر میرے دونوں شانے تھام کر مجھے بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ''تم کہاں غائب ہو، تمہاری غنودہ آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔ تم ہوش میں آ کر میری بات کیوں نہیں سنتے؟''

ویرا نے مجھے ایسے جتاتی انداز میں جھنجوڑا تھا کہ میں..... ایک ہلکی سی جھرجھری لے کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو گیا۔

''کیا مصیبت ہے، کیا قیامت آ گئی جو اس طرح میرے سر پر سوار ہوئی جا رہی ہو؟'' میں نے تقریباً پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا'' غزالہ نے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''ویرا اپنے بدن پر لوشن لگا کر گیری کی گرفت سے پھسل جانے کی بات بتا رہی تھی۔ اس بے چارے نے کہہ دیا کہ پرانے زمانے کے خاندانی چور بھی اپنے بدن پر تیل مل کر صرف ایک لنگوٹ میں واردا تیں کیا کرتے تھے۔ گڑبڑ ہونے کی صورت میں بھی کوئی انہیں پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا اور وہ صاف نکل جاتے تھے۔''

''اس میں چڑنے کی کیا بات ہے؟'' میں نے ویرا سے سنجیدگی سے پوچھا ''وہ تمہیں گرکی بات بتا رہا ہے۔ پہلے ایسا ہی ہوتا تھا۔ پہلے چور اور ٹھگ بھی اپنی روایات سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ آج شرفا روایات شکن ہوتے جا رہے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔''

''تمہارا خیال ہے کہ چوروں سے میرا موازنہ کرنا درست ہے'' ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ترشی سے پوچھا۔

''براہِ راست موازنہ کرنا مناسب نہیں لیکن ایک آدھ بات میں مثال دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو درگزر کر دینا چاہیے۔''

''آج تک میں اسے معصوم اور سادہ لوح سمجھ کر بہت ڈھیل دیتی آئی ہوں لیکن اب میں اسے معاف نہیں کروں گی.....''

''چلو، غصہ تھوک دو۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں'' سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''کیوں؟ اب اس میں ایسی کیا خرابی پیدا ہوگئی ہے کہ اس کی طرف سے تمہارا دل سخت ہوگیا ہے؟'' میں نے سلطان شاہ کے معذرتی فقروں کو نظر انداز کر کے ویرا سے پوچھا۔

''اب مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔ نیو خان ہوٹل والے سے فون پر اس کی باتیں سن کر میں ہکا بکا رہ گئی تھی۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ اندر سے اتنا بدمعاش ہوسکتا ہے.....''

''تت.....تم نے پھر وہ بات نکالی'' سلطان شاہ نے ایک مرتبہ پھر ویرا کی بات اڑا دی ''میں اپنے الفاظ واپس لے چکا ہوں۔''

ویرا نے مڑ کر سلطان شاہ سے پشتو میں کچھ کہا جو میرے پلّے نہیں پڑ سکا لیکن سلطان شاہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ ویرا سے نظریں چار کرنے کے بجائے، شپٹائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

ویرا سے نظریں ملائے بغیر اس نے نیم مردہ آواز میں، پشتو میں کچھ کہا۔ وہ یقیناً کئی فقرے تھے، وہ جواب سن کر ویرا کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر ہلکی سی فتح مندانہ مسکراہٹ تیر گئی جس میں طنز بھی شامل تھا۔

''یہ تم دونوں نے کیا شروع کر دیا'' غزالہ نے احتجاج کیا ''اردو میں بات کرو تاکہ ہم بھی کچھ سمجھ سکیں۔''

ان دونوں کی وہ خفیہ مفاہمانہ کارروائی مجھے بھی پسند نہیں آئی۔ میں نے ویرا سے کہا ''تم نے سلطان شاہ کو دوسری بار اس پراسرار گفتگو کا طعنہ دیا ہے۔ ایک بار کھل کر بتا کیوں نہیں دیتیں کہ اس نے اپنے دوست سے کیا باتیں کی تھیں۔ کب تک اسے اس طرح بلیک میل کرتی رہو گی؟''

سلطان شاہ نے مجروح اور شکایتی نظروں سے مجھے گھورا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

''سلطان شاہ کی اجازت کے بغیر میں اس گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گی'' ویرا نے اسے سنانے کے لیے اونچی آواز میں کہا ''یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ کسی اور کو اس میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں ہے۔''

''تمہارے ڈھنگ بہت نرالے ہیں'' غزالہ نے طنز سے کہا ''اسے دھمکاتی ہو اور پھر اس سے دوستی کی بھی دعوے دار ہو؟''

''سمجھا کرو!'' ویرا نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''بہت مشکل سے اسے لگام دینے کا ایک موقع ہاتھ آیا ہے تو میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں گی۔ کم از کم چند ہفتوں تک مجھ سے اس کی رگ دبتی رہے گی۔''

''اس خوش فہمی میں نہ رہنا'' غزالہ بولی ''اس کا دماغ سنک گیا تو وہ کسی وقت بھی تمہارے سامنے تن کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس وقت تم ساری باتیں دہرا کر بھی اسے شرمندہ نہیں کر سکو گی.....''

''میں اسے تم سے زیادہ جانتی ہوں'' اس نے غزالہ کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''مجھے معلوم ہے کہ میں اس کو کہاں تک دبا سکتی ہوں۔ اس بارے میں مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اس وقت تم نے شور مچا کر میرا موڈ غارت کر دیا'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا ''بعض اوقات تم اپنی ذہنی سطح سے بہت نیچے آجاتی ہو۔ ایسے مفت کے جھگڑے اسکول اور کالج جانے والی لڑکیوں کو زیب دیتے ہیں۔''

''تم کون سا معرکہ سر کر رہے تھے جو میں نے تمہارا موڈ خراب کر دیا؟'' وہ تیزی سے بولی ''اگر گھر میں ذرا سا شور شرابا نہ ہو تو میں دو دن میں اکتا کر یہاں سے کہیں اور نکل جاؤں گی۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیا سوچ رہے تھے؟''

''یہ بتانے والی بات نہیں ہے۔ تم کو خود اندازہ ہونا چاہیے کہ اس وقت سوبھراج نے گیری سے ہونے والے اپنے مذاکرات کا ذکر کر کے ہمارے لیے ایک نئی راہ کھولی ہے اور اس وقت وہی سب سے زیادہ اہم ہے۔''

''سوبھراج!'' اس نے حقارت سے کہا ''اس وقت وہ کسی خارش زدہ پلّے کی طرح پائپوں اور گندی نالیوں میں چھپتا پھر رہا ہے اور تم اس کی باتوں کو لیے بیٹھے ہو۔ اس کی باتوں پر غور کرنے کے لیے ابھی بہت وقت پڑا ہوا ہے، گیری وہاں آیا تو کل دوپہر کو آئے گا۔ ابھی پوری رات اور کل کا

Downloaded from https://paksociety.com

آدھا دن باقی ہے۔''

''ابھی تم خود ہی سوئمنگ کاسٹیوم میں فرنچ بیچ پر سن باتھ لینے کا پروگرام بنا رہی تھیں اور اب کچھ اور کہہ رہی ہو'' غزالہ نے اس پر چوٹ کی۔

''میں تفریح کے خیال سے خوش ہو رہی تھی'' ویرا ڈھٹائی کے ساتھ اپنے موقف پر اڑی رہی ''کاموں میں الجھ کر ہم سب مشینی روبوٹ بن کر رہ گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زندگی کی تفریحات ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ بن گئی ہوں۔ گیری کے دیدار کے بہانے اگر ہمیں شفاف ساحل پر کچھ وقت سکون سے گزارنے کا موقع مل جائے تو کیا برا ہے۔''

''یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو'' میں نے اپنی بات دہرائی ''گیری وہاں آ گیا تو تم دور ہی سے پہچان لی جاؤ گی۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ اس پروگرام میں تمہاری شمولیت کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکے گی۔''

''اور میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس طرح اپنا حلیہ بدلوں گی کہ کوئی مجھے نہیں پہچان سکے گا'' ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''اسی سے لوشن، تیل اور چورو الا ذکر نکلا تھا'' غزالہ ہنس کر بولی۔

''سب بے سود ہے'' میں نے غزالہ کے تبصرے کو نظر انداز کر کے کہا ''تم اپنے خدوخال اور رنگ کو کسی طرح نہیں چھپا سکتیں۔ گیری اپنی دانست میں سوبھراج کو گھیرنے کے لیے وہاں آئے گا۔ یقینی طور پر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوں گے۔ وہ سب عقل سے کورے اور آنکھوں سے اندھے نہیں ہو سکتے۔ کوئی نہ کوئی تمہیں پہچان سکتا ہے۔ ایسا ہوا تو ساری بازی الٹ جائے گی اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' ویرا نے چند ثانیوں کے وقف کے بعد پوچھا۔

''میں یہی سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے لیکن تمہیں سوچ بچار سے کلی بھی بغض ہے۔ تم نے میرے خیالات کا تانا بانا بکھیر کے رکھ دیا۔''

''اب میں دخل نہیں دوں گی۔ اطمینان سے سوچ سمجھ کر مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو'' میری دلیل سے قائل ہو جانے کے بعد اس نے اپنی شمولیت پر اصرار نہیں کیا تھا لیکن آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس کے لہجے میں ہلکا سا تحکم شامل ہو گیا تھا۔

''بہت بہتر!'' میں نے مسکرا کر کہا ''تمہاری منظوری اور اجازت کے بغیر ہم فرنچ بیچ کا رخ نہیں کریں گے۔''

''کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم گیری کے بارے میں کن خطوط پر سوچ رہے ہو؟'' اس بار ویرا نے سنجیدگی اور بردباری سے سوال کیا تھا۔

''یہ ایک سنہرا موقع ہے۔ گیری نے اپنا پروگرام سوبھراج کے ساتھ طے کیا ہے۔ اس میں کسی اور فریق کا کوئی دخل نہیں ہے'' میں نے اسے بتانا شروع کیا ''سوبھراج کا فرنچ بیچ جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس نے گیری کو ذلیل کرنے کے لیے ایک جانگیے میں اسے وہاں بلایا ہے۔ اس دوران میں گیری کے ساتھ جو کچھ ہوگا، وہ سوبھراج کے کھاتے میں جائے گا۔''

''آپ بھول رہے ہیں، یہ لوگ اتنے شریف نہیں ہیں۔ نک کو کفیل نے مارا تھا۔ وہ خود زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ یہ بھی پتا چل گیا کہ اسے شیر دل نے اس کام پر مامور کیا تھا اور شیر دل کا سوبھراج سے گہرا تعلق تھا۔'' غزالہ کہہ رہی تھی ''سوبھراج نے خود ایک اخبار سے رابطہ کر کے فون پر اعتراف کیا کہ نک کو اس نے مروایا ہے لیکن ان لوگوں نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ نک کو آپ نے مارا ہے۔''

''زبان سے وہ جو چاہیں کہتے رہیں، حقائق ان کے سامنے ہیں۔ وہ لوگ میرے بارے میں حکومت پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے ایسی اوچھی حرکتیں کر رہے ہیں۔''

گیری بھی اسی پالیسی پر عمل کرے گا۔ یہ لوگ ہر گڑبڑ میں آپ کو ملوث کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' غزالہ فکرمندی کے ساتھ بولی۔

''ان کی وجہ سے ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے'' میں نے کہا۔

''میں تم سے سو فیصد متفق ہوں'' غزالہ بولی ''کتوں کے بھونکنے سے گاڑی کو نہیں رکنا چاہیے۔ گیری کے بارے میں تم کچھ بتانے والے تھے۔ وہ بات ادھوری رہ گئی۔''

''ہاں، یہ ہمارے لیے ایک بہترین موقع ہے، ہم گیری پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔''

''کیا تم اسے ختم کرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہو؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''ابھی نک کے قتل کا معاملہ تازہ ہے۔ اس مرحلے پر گیری کے قتل سے سنگین پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں'' میں نے رائے ظاہر کی ''جلال کے ذریعے ملنے والی اندر کی معلومات فکر انگیز ہیں۔ ہم حکومت کے لیے کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہیں کریں گے۔ گیری کو پکڑیں گے اور دل کھول کر اس کی دھنائی کر کے

Downloaded from https://paksociety.com

چھوڑ دیں گے۔ اس وقت اس سے بڑی کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ اس کے بعد وہ جو چاہیں کہتے رہیں۔''

''تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو لیکن بہتر ہوگا کہ اس بارے میں جلال کی رائے بھی لے لی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں گیری کے بارے میں اس سے گرین سگنل مل جائے'' ویرا پوری سنجیدگی سے اس مسئلے میں دلچسپی لے رہی تھی۔

''توقع نہیں ہے پھر بھی میں اس سے بات کرلوں گا'' میں نے اسے اطمینان دلایا اور ہمارے وہ مذاکرات وہیں ختم ہوگئے۔

سلطان شاہ پہلے ہی چیک کرا اپنے کمرے میں جاچکا تھا، ویرا بھی وہاں سے چلی گئی۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' میں نے شوخ نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کا جاگنے کا ارادہ ہے تو میں چائے بنا کر لے آتی ہوں'' اس نے کسمسا کر جواب دیا۔

''طبیعت خلوت کی طرف مائل ہے'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میں ابرار کو ناشتے کے بارے میں بتا کر آتی ہوں'' وہ سر جھکا کر ایک ادا کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

میں نے بھی ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میرے ذومعنی جملوں پر غزالہ کا وہ حیا آمیز ردعمل ہمیشہ میرے دل کو بھلا معلوم ہوتا تھا۔

رات کے بارہ بجے کے قریب میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میں چونک پڑا۔ اس وقت تک غزالہ گہری نیند سو چکی تھی مگر ازدواجی طمانیت کے حصول کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟'' کال لیتے ہی میرے کانوں میں جلال کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ اس وقت وہ تازہ دم محسوس ہو رہا تھا۔

''بستر پر ہوں اور سونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم کہاں ہو؟ خاصے تازہ دم معلوم ہو رہے ہو۔'' میں نے کہا ''گھنٹی کی آواز نے مجھے پریشان کر دیا تھا کہ اتنی رات گئے کس کا فون آسکتا ہے؟''

''تم نے کئی خطرناک آدمیوں کو اپنا موبائل فون نمبر دیا ہوا ہے جو ہر وقت تمہیں تنگ کرسکتے ہیں'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تم نہایت شریف آدمی ہو۔ شیبا رنگیلی عورت تھی، وہ صدف مینشن میں ہے۔''

اس نے میری بات درمیان سے اچک لی اور بولا ''اس فہرست میں گیری اور سوبھراج کے نام سب سے اوپر آتے ہیں۔''

میں نے ہنس کر کہا ''رابطوں کی یہ سہولت اول خان کے طفیل ملی ہوئی ہے۔ سوبھراج اس وقت ہر طرف سے کٹا ہوا ہے۔ گیری نے ہاتھ پاؤں مارے ہوں گے تو اسے پتا چلا ہوگا کہ میرا موبائل فون اول خان کے نام پر ہے اور وہ مطمئن ہوگیا ہوگا۔ کرنل داور اسی کا فون استعمال کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ کراچی میں ایس ٹی ایف کا کمانڈر ہے۔''

''موڈ ہو تو صدف مینشن چلے آؤ۔ میں اسی طرف جارہا ہوں۔''

''کیوں؟ وہاں کیا خاص بات ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جنرل وقار بھی اول خان کے ساتھ وہاں آرہا ہے'' جلال نے وہ انکشاف کرکے مجھے حیران کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ جنرل سے میری پہلی ملاقات ہوگی۔''

''رات کے بارہ بجے ایسی کیا ایمرجنسی پیش آگئی کہ تم لوگ ایک جگہ جمع ہو رہے ہو؟''

''ملے سے کچھ ٹھوس شواہد ملے ہیں۔ اب بات آگے تک جائے گی۔''

''لیکن تم تو بتا رہے تھے کہ اسلام آباد سے ماہرین رات گئے پہنچیں گے اور ان کا کام صبح شروع ہوگا۔''

''پہلے یہی پروگرام تھا لیکن اس معاملے کی سنگین نوعیت کی وجہ سے ترجیحات تبدیل ہوئی ہیں اور کام وقت سے پہلے شروع کر دیا گیا ہے۔''

''یہ بہت اچھا ہوا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب اس شہر میں ایس ٹی ایف جیسی مضبوط فورس کا سربراہ محفوظ نہیں ہے تو دوسروں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ سنگین واقعہ فوری توجہ کا متقاضی تھا۔''

''یہ فیصلہ مرکزی وزارت داخلہ نے کیا ہے۔ جنرل وقار اس واقعے کو ذاتی قرار دے کر زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا۔''

''وہ ٹھوس شواہد کیا ہیں؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''مجھے خود بھی صدف مینشن جانے کے بعد معلوم ہوسکے گا۔ اس وقت اسٹیشن فور کو کسی حد تک مخدوش سمجھا جارہا ہے۔ صدف مینشن محفوظ ہے۔ شہر کے قلب میں کوئی دشمن ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''او کے۔ میں اسی طرف آ رہا ہوں'' میں نے اسے جواب دے کر آہستگی سے بستر چھوڑ دیا تاکہ غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بیوی ہی کیا جو اپنے شوہر سے لمحہ بھر بھی غافل رہے۔ میں دیوار گیر الماری کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غزالہ کی بوجھل اور غنودہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

غزالہ کی غیر متوقع آواز سن کر لمحہ بھر کے لیے میرے قدم فرش پر گڑ کر رہ گئے پھر میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سوتے ہوئے بھی میری چوکیداری کرتی رہتی ہو۔''

''یہ چوکیداری نہیں، اپنائیت کا احساس ہے جو سوتے ہوئے بھی مجھے آپ کی طرف سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ بستر کے ہلنے سے میری آنکھ کھلی ہے۔''

''ابھی جلال کا فون آیا تھا.....''

''اوہ! حیرت ہے کہ فون کی گھنٹی سے میری آنکھ نہیں کھلی، خیریت تو ہے؟''

''خیریت ہی ہے۔ مجھے صدف مینشن میں ایک اہم اجلاس میں شریک ہونا ہے۔''

''یہ اجلاس کا کون سا وقت ہے؟'' اس نے اپنے چہرے پر بکھری ہوئی زلفیں سمیٹتے ہوئے قدرے بیزاری سے کہا۔

''اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو اور سو جاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا'' میں نے الماری میں سے اپنے لیے ایک جوڑا منتخب کرتے ہوئے جواب دیا۔

غزالہ کی گہری نیند اچاٹ ہو گئی تھی۔ وہ بستر چھوڑ کر میرا ہاتھ بٹانے لگی۔

وہ میری بیوی تھی۔ اپنے آرام کو خیرباد کہہ کر باہر تک میرے ساتھ آئی۔ چھت پر ابرار اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھا۔ آہٹیں سن کر وہ بھی دبے پاؤں نیچے آ گیا لیکن گاڑی کا دھیما انجن اسٹارٹ ہونے پر بھی ویرا اور سلطان شاہ کی نیند میں کوئی فرق نہ آیا۔ میرے روانہ ہونے تک وہ دونوں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

شہر پر رات کا سایہ گہرا ہو چکا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک کے نام پر برائے نام گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں گھر سے نکلا اور جیل کا طواف کرتا ہوا نشتر روڈ پر نکل آیا۔ راستے میں لسبیلہ چوک کے ہوٹلوں پر رونق تھی ورنہ ہر طرف رات کے سناٹے کا راج تھا۔ میں تیز رفتاری کے ساتھ ذرا سی دیر میں صدف مینشن پہنچ گیا۔

نشتر روڈ سے صدف مینشن والی ذیلی سڑک پر گھومتے ہی میں نے عمارت کے ان اضافی محافظوں کو دیکھ لیا تھا جو ملنگوں اور موالیوں کے روپ میں آس پاس جمے ہوئے تھے۔

وہ تینوں مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے اور عمارت کے اس اکلوتے، دفتر نما کمرے میں موجود تھے جہاں دفتری لوازم کے ساتھ دیوار گیر الماریوں میں کتابیں بھی سجی ہوئی تھیں۔

جلال سے سہ پہر کو میری ملاقات ہو چکی تھی۔ میجر جنرل وقار سے ملے ہوئے مجھے بارہ گھنٹے سے زائد مدت گزر چکی تھی۔ اس نے گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہو کر میرا استقبال کیا۔ اپنے افسر اعلیٰ کی موجودگی میں اول خان محتاط نظر آیا۔

''میرے لیے یہ فخر اور خوشی کی بات ہے کہ آج جنرل نے صدف مینشن کو عزت افزائی کے قابل سمجھا'' جلال پرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا ''میرے لیے ایس ٹی ایف کے کسی سربراہ سے ملاقات کا یہ پہلا موقع ہے۔''

''یہ گیری کی مہربانی ہے کہ ہماری ملاقات ہو گئی'' جنرل نے ہنستے ہوئے کہا ''میری گاڑی پر راکٹ فائر کرنے کے لیے اس نے ایسے وقت کا انتخاب کیا ہوتا جب میں گاڑی میں سفر کر رہا ہوتا تو شاید اس وقت ہم یک جا نہ ہوتے۔''

''ہماری طرح شاید وہ بھی کچھ محتاط ہو گئے ہیں'' جلال بولا ''دہشت گردی کر رہے ہیں مگر خوں ریزی سے گریز کر رہے ہیں۔''

''وہ پوری قوت سے میدان میں اترے ہوئے ہیں اور کسی چیز سے گریز نہیں کر رہے'' میں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ''وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے ایس ٹی ایف کے سربراہ کو نشانہ بنایا تو ان کا کوئی آدمی جوابی کارروائی سے محفوظ نہیں رہے گا۔ وہ اپنے محدود مقاصد کے لیے کام کر رہے ہیں اور ایس ٹی ایف پر دباؤ ڈال کر اسے میری حمایت سے باز رکھنا چاہ رہے ہیں۔ تمہاری گاڑی تباہ کر کے انہوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے۔''

''اور وہ اس میں کامیاب رہے ہیں'' جلال نے لقمہ دیا۔

''ایسے کچھ نہ کچھ وسائل ہمارے پاس بھی ہیں۔ ہم چاہیں تو نیویارک یا واشنگٹن کے کسی مرکزی علاقے میں کسی اہم سرکاری افسر کی گاڑی کو اڑا سکتے ہیں لیکن یہ ایک بے مقصد اور مجنونانہ کارروائی ہو گی'' جنرل بولا۔

''ہم میں اور ان میں یہی بنیادی فرق ہے'' میں نے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''وہ کھلی ریاستی دہشت گردی پر اتر آئے ہیں۔ ہم اس میں یقین نہیں رکھتے۔ گیری کے پیٹاگون اور ایف بی آئی سے گہرے مراسم ہیں۔ وہ یہاں ماموریٹ سفارتی عملے کا ذمے دار رکن ہے لیکن اس کی حرکتیں گھٹیا ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ملبے کے معائنے سے کیا نتائج برآمد ہوئے۔''

''ملبے سے ایچ فور نامی ایک خوفناک چپ برآمد ہوا ہے جو امریکا کی ایجاد ہے اور صرف ان ہی لوگوں کے استعمال میں ہے'' جنرل نے بتایا۔

'یہ کیسے پتا چلا کہ وہ جلی ہوئی شے ایچ فور ہے؟'' میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔

''وہ سالم اور فعال ہے۔ ایچ فور اس پر کندہ ہے۔''

''کیا وہ آگ میں جل کر تباہ نہیں ہوا؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''اس کی خوبی یہی ہے کہ نو سو ڈگری سینٹی گریڈ پر بھی اس کا کچھ نہیں بگڑتا، یہ چپ اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اسے تباہ کرنے کی صرف ایک صورت ہے کہ اسے ہتھوڑی سے کچل کر توڑ دیا جائے۔ یہ بمشکل آدھے انچ کا ایک حقیر سا اور چپٹا مربع ہے۔''

''اور یہ کام کیا کرتا ہے؟'' میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

''سگنل نشر اور وصول کرتا ہے۔ نشر ہونے والے اشاروں سے یہ اپنی جائے وقوع کی نشان دہی کرتا ہے۔ آنے والے اشاروں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے برآمد ہونے کے بعد مجھے پورا یقین ہوگیا ہے کہ میری گاڑی پر گرنے والے راکٹ کو اسی ایچ فور نے گائیڈ کیا ہوگا۔ صحیح نشانے پر لگنے والے ہتھیاروں میں یہ ہوش ربا اضافہ ہے۔''

''مجھے کچھ کچھ یاد آرہا ہے کہ میں نے ایچ فور کے بارے میں کہیں نہ کہیں سنا یا پڑھا ہے'' جلال نے خود کلامی کے انداز میں جنرل کی باتوں کی تائید کی۔

''اگر یہ چپ اسی قدر اہم ہے تو امریکیوں نے اسے خفیہ بھی رکھا ہوگا'' میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''جب سے ایچ فور کو فوجی اور دفاعی استعمال میں لایا گیا ہے، اس کے بارے میں ہر تفصیل کا مکمل بلیک آؤٹ کر دیا گیا ہے۔''

''کیا اس سے پہلے اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا؟'' میں نے چونک کر سوال کیا۔

''یہ ناسا کے سائنس دانوں کی ایجاد ہے۔ سورج سے قریب، گرم سیاروں کی طرف بھیجی جانے والی خلائی مہمات میں اس کی کارکردگی کا چرچا ہوا تھا پھر یکایک امریکی فوج نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا'' جنرل کہہ رہا تھا۔

''مجھے حیرت تھی کہ اس خفیہ اور طاقت ور چپ کے بارے میں تمہیں کہاں سے معلومات مل گئیں'' میں نے کہا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔'' جنرل وقار نے سادگی سے اعتراف کیا ''یہ باتیں مجھے اسلام آباد سے آنے والی ٹیم کے ایک رکن نے ایچ فور دریافت ہونے کے بعد بتائی تھیں۔ وہ اسی شعبے کا ماہر ہے۔ اس نے امریکا میں تعلیم اور تربیت حاصل کی ہے۔''

''اب وہ ایچ فور کہاں ہے؟'' جلال نے پوچھا۔

''وہ ان ہی لوگوں کے پاس ہے۔ وہ اسے پوری طرح تباہ کیے بغیر ناکارہ بنائیں گے تاکہ اس کے ذریعے کوئی دوسرا راکٹ نشانے پر نہ آسکے۔ اس کی باقیات کو شاید ثبوت کے طور پر اعلیٰ امریکی حکام کے حوالے کیا جائے گا۔''

''یہ بات بہت تشویش ناک ہے کہ اب یہ لوگ ایسی ہائی ٹیک ایجادات بھی یہاں استعمال کر رہے ہیں۔ وہ کھلی دہشت گرد پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہمارے قریبی حلیف بنے ہوئے ہیں۔ غیر سرکاری طور پر اپنے افسروں کو بدمعاشی کی چھوٹ دی ہوئی ہے۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کہاں رکے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم کچھ زیادہ پریشان ہو رہے ہو'' جنرل نے تشفی آمیز لہجے میں کہا ''ابھی بات اتنی زیادہ نہیں بڑھی ہے۔ وہ کسی پاکستانی ایجنسی سے نہیں الجھے، انہوں نے پہلی بار مجھے ہدف بنایا ہے اور میں واضح طور پر ایک غیر آئینی فورس کا سربراہ ہوں۔ میرے ساتھ ہونے والے تصادم پر حکومت زیادہ سے زیادہ احتجاج نہیں کر سکے گی۔''

''نہیں جنرل! ایسا نہیں ہے'' جلال نے پورے اعتماد سے جواب دیا ''یہ بہت اچھا ہوا کہ ہم کو مل بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ وزارت خارجہ والے صرف محکمۂ داخلہ کی رپورٹ پر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ آئی بی سمیت دوسری ایجنسیوں سے بھی رپورٹیں طلب کی جائیں گی۔ میں نے اسی لمحے سے اپنا ذہن بنانا شروع کر دیا ہے۔ تمہاری گاڑی کی تباہی کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ساری پاکستانی ایجنسیوں کے وقار کا معاملہ ہے۔''

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم ان خطوط پر سوچ رہے ہو'' جنرل نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تمہاری باتوں سے مجھے تقویت ملی ہے۔''

''یہ جلال کا فرض ہے بلکہ ہم سب کا'' میں نے گفتگو میں

Downloaded from https://paksociety.com

حصہ لیتے ہوئے کہا ''ایس ٹی ایف تمہاری خود ساختہ فورس نہیں ہے۔ کسی نہ کسی مقتدر شخصیت کے اشارے پر اس کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ تمہیں تحفظ فراہم کرنا ان قوتوں کی ذمے داری ہے۔ بیچ منجدھار میں تمہیں بے یارومددگار نہیں چھوڑا جائے گا۔''

لمحہ بھر کے توقف کے بعد میں جلال کی طرف متوجہ ہوگیا ''تم آپنی رپورٹ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔''

''پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ اس میں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔'' جلال نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اس کے بغیر بات کیسے بنے گی؟'' اول خان نے مضطربانہ انداز میں پہلی بار اپنی زبان کھولی۔

''چھاؤنی کے حساس علاقے میں پاکستانی فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر جنرل کی گاڑی پر راکٹ فائر ہونے کی رپورٹ دی جائے گی۔''

''ان کی طرف سے ایس ٹی ایف کا نام لیا جاسکتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جنرل وقار اس وقت ایس ٹی ایف کے کمانڈر ہیں'' اول خان نے اعتراض کیا۔

''ان کی حکومت مانتی ہے کہ پاکستان میں ایس ٹی ایف نامی کسی فورس کا وجود نہیں ہے۔ جب تک وہ اپنا موقف نہیں بدلتے، ان کی طرف سے ایس ٹی ایف کا نام لیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''یہ بار یکی میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی'' اول خان نے اعتراف کیا ''اس وقت ہمارے آنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ مل بیٹھ کر آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کرلیا جائے۔''

''اسلام آباد بہت حساس شہر ہے۔ وہاں کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کس روپ میں کس کی نگرانی کررہا ہے۔ اس معاملے میں کراچی محفوظ شہر ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو کانوں کان بھی ہماری اس ملاقات کا علم نہیں ہوسکے گا۔'' جنرل وقار نے مزید وضاحت کی۔

''اسی وجہ سے میں تمہارا پیغام ملتے ہی تیار ہوگیا'' جلال نے کہا ''ایس ٹی ایف کے غیر فعال ہونے سے مجھے قومی سلامتی کے ڈھانچے میں ایک بہت بڑے خلا کا احساس ہورہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ قومی ادارہ جلد از جلد بحال ہو۔''

''گیری نے ڈینی سے روح فرسا باتیں کی تھیں اور وہ سب سچ تھیں'' جنرل بولا ''ہم بے خبری میں تباہی کے ایک بھیانک غار کی طرف جارہے تھے۔ ایس ٹی ایف کا ذکر درمیان میں لائے بغیر، کروڑوں کے لین دین کے الزام میں مجھے اپنے دس بارہ ساتھیوں سمیت اچانک پکڑا جاسکتا تھا۔ ہم سب بے موت مارے جاسکتے تھے۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو'' جلال سر ہلاتے ہوئے بولا ''ترقی یافتہ ملکوں نے کالے دھن کی منی لانڈرنگ کا بہت اودھم مچایا ہوا ہے۔ امریکی اشارے پر کسی بھی وقت انٹرپول حرکت میں آسکتی تھی۔ ادارے افراد سے مل کر تشکیل پاتے ہیں۔ تمہارے ساتھ سارے اسٹیشن کمانڈر عتاب میں آتے تو اسپیشل ٹاسک فورس کی کمر ٹوٹ جاتی۔ ڈینی کے ذریعے وہ بھیانک خطرہ قبل از وقت سامنے آگیا۔ اس کے سدِباب کے لیے کیا ہورہا ہے۔''

''بہت کچھ ہوچکا ہے چند روز میں اس پرانی کہانی کے سارے ورق سادہ رہ جائیں گے۔'' جنرل نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''مجھے ان جزئیات سے دلچسپی نہیں رہی'' جلال نے جنرل کے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے نرمی سے کہا ''فورس کب تک میدان میں واپس آرہی ہے؟''

''میرا کام پورا ہوچکا ہے۔ صبح میں اسلام آباد واپس چلا جاؤں گا۔ اس وقت یہاں آنے کا سبب یہ بھی ہے کہ میرے پاس یہاں وقت نہیں رہا۔ اگلے دو روز میں ایس ٹی ایف کے سارے آپریشن دوبارہ شروع ہوجائیں گے۔''

''یہ میرے لیے بہت بڑی خوش خبری ہے'' اس اطلاع پر جلال کا چہرہ کھل اٹھا۔

''تم کو یہ اطمینان بھی رہنا چاہیے کہ گیری سے ذاتی طور پر بدلہ لینے کی کوشش بھی جاری ہیں۔'' میری زبان سے وہ انکشافات سن کر تینوں چونک پڑے۔

''جوش میں کوئی غلط قدم نہ اٹھالینا'' جنرل نے جلدی سے کہا ''میں تمہاری مہم جویانہ طبیعت کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ یقین کرو کہ گیری سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ وہ امریکی مشینری کا ایک پرزہ ہے۔ وہ اپنی ذمے داریاں پوری کررہا ہے۔ اس کی ڈور کہیں اور سے ہلائی جارہی ہے۔''

''آنے والی دوپہر تک اس کے ستارے گردش میں آسکتے ہیں'' میں نے بتایا۔

''نو.....!'' جلال نے تیزی سے کہا ''تم اس سے دور رہوگے۔''

''اس کے قتل کے لیے مجھے پانچ لاکھ روپے کی پیشکش کی گئی ہے۔''

''کوئی تمہیں اس سے لڑوا کر ختم کرنا چاہتا ہے۔ بھول کر

Downloaded from https://paksociety.com

بھی اس چکر میں نہ آنا'' اول خان نے بے ساختہ تنبیہہ کی۔

''دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں'' جنرل نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا ''اس وقت پاکستان میں کسی امریکی کا خون بہا تو بہت سنگین مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ ہمارے لیے کڑا وقت ہے۔ تم کو بھی برداشت اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔''

''یہ دو گیدڑوں کی لڑائی ہے، جس میں مجھے مفت کا ایک موقع ہاتھ آ رہا ہے اور تم سب میری پوری بات سنے بغیر اپنے فیصلے صادر کیے جا رہے ہو۔''

''تم اپنی کہانی سناؤ'' جنرل نے مربیانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''یہ خیال رہے کہ گیری کا خون اس وقت بہت قیمتی ہے۔ اس کا زیاں نہیں ہونا چاہیے۔''

میں نے ان تینوں کو پورے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''یہ حیرت ناک صورت حال ہے'' پوری تفصیل سن کر جلال بے ساختہ بول پڑا ''چور کو مور پڑنا اسی کو کہتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مارنے کے درپے ہیں اور کمال ہے کہ سوبھراج اسے پلیٹ میں سجا کر نہ صرف تمہیں پیش کر رہا ہے بلکہ اس کام کے عوض پانچ لاکھ روپے دینے پر بھی آمادہ ہے۔''

''اب بتاؤ کہ ان حالات میں میری رال نہ ٹپکے تو کیا ہو؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''میرا اندازہ ہے کہ تم سوبھراج کی مکمل برین واشنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو'' اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا ''وہ تم پر پورا بھروسا کرنے لگا ہے۔''

''ایسا ویسا..... شام کو اس نے مجھے راکے دو ایجنٹوں کی آمد کی خبر دی تھی۔ ان دونوں کے ستارے اچھے تھے کہ وہ بچ گئے ورنہ اس وقت وہ بھی یہاں موجود ہوتے۔''

میں جلال کے ایما پر صدف مینشن پہنچا تھا۔ میں نے وہاں جاتے ہی اپنی کوئی بات شروع نہیں کی۔ پوری توجہ سے ان لوگوں کی گفتگو سنتا رہا کیونکہ اس غیر رسمی اجلاس کا مقصد جلال اور جنرل کے درمیان آزادانہ تبادلۂ خیال تھا۔

ان دونوں کی وہ باتیں ختم ہونے کے بعد میں نے گیری کا ذکر نکالا تو مجھے خود بھی راو والوں کا خیال نہیں آ سکا۔

حسن اور ذکی کے فرضی ناموں سے آئے ہوئے ایجنٹوں کے ساتھ کسی بڑی معرکہ آرائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ وہ دونوں مجھے جل دے کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ قصہ اس قدر پھیکا تھا کہ میں اسے بھول ہی گیا تھا۔

اول خان کی زبان سے سوبھراج کی برین واشنگ کا ذکر سنتے ہی مجھے وہ دونوں بھی یاد آ گئے۔

راکے ایجنٹوں کا ذکر اتنے سرسری انداز میں سامنے آیا تو وہ تینوں ہی حیرت سے اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔ جنرل کے لیے وہ دونوں گیری سے زیادہ اہم تھے۔

حسن اور ذکی کی روداد ان تینوں کے لیے بہت سنسنی خیز ثابت ہوئی۔

''صحیح معنوں میں یہ آج کی سب سے بڑی خبر ہے'' جلال نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا ''کاش ان دونوں میں سے کوئی تمہارے ہاتھ آ گیا ہوتا۔''

''سوبھراج ان دونوں کی طرف سے خوف زدہ ہے۔ اسے ڈر ہے کہ ان کی کسی دہشت گردی کو میں اس کے کھاتے میں نہ ڈال دوں'' میں نے کہا ''مجھے امید ہے کہ وہ دونوں اس سے رابطہ کریں گے اور وہ فوری طور پر مجھے اطلاع دے دے گا۔''

''مجھے توقع نہیں تھی کہ راو والے ایک دو مہینے تک کسی کو ادھر بھیجنے کی ہمت کر سکیں گے۔'' جلال بولا ''گوپال راج ان کا بہت کامیاب بلیک کیٹ تھا۔ ہمارے سات قیدیوں کی رہائی کے بدلے اسے واپس لیتے ہی انہوں نے یہ ٹیم بھیجی ہے۔ میری تمنا ہے کہ وہ کوئی بڑی کارروائی کرنے سے پہلے پکڑے جائیں۔''

''ہر محاذ کی خبریں گرم ہیں'' اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا ''دیکھنا ہوگا کہ پہلے کہاں پیش رفت ہوتی ہے۔''

''پہلا معرکہ گیری والا ہی ہو سکتا ہے'' جنرل بولا ''اس کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا تھا؟''

''مجھے بھی اندازہ ہے کہ اس کی ہلاکت سے مسائل پیدا ہوں گے'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اسے مار پیٹ کر چھوڑنا زیادہ بہتر رہے گا۔''

''یہ کام تم کہاں کرو گے؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔

''اسے اگر آنا ہے تو وہ فرنچ بیچ پر آئے گا۔ اس سے وہیں نمٹنا پڑے گا۔''

''شاید تم نے وہ علاقہ نہیں دیکھا، صرف فرنچ بیچ کا نام سنا ہے'' جلال نے میرے جواب پر اپنی رائے ظاہر کی اور میں اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

''وہ کھلا ساحلی علاقہ نہیں ہے، جہاں ہر شخص کو جانے کی آزادی ہو'' جلال مجھے بتانے لگا ''وہ اعلیٰ سرکاری افسروں اور غیر ملکی سفارت خانوں کے لیے محفوظ کیا ہوا ساحل ہے جہاں اجازت نامے کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ وہاں ہر وقت چاق و چوبند بلوچ محافظ گشت پر رہتے ہیں اور ناک جھاپکیں

Downloaded from https://paksociety.com

کرنے والوں کے ساتھ بہت درشتی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں تم گیری پر اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکو گے۔ وہ سختی سے مداخلت کریں گے اور گیری کو تمہارے چنگل سے نکال لے جائیں گے۔''

''پھر تو مسئلہ الجھ جائے گا۔ پہلا مسئلہ اجازت نامے کا ہوگا، وہ کہاں سے ملے گا۔''

''اس کی تم پروا نہ کرو۔ میں بندوبست کردوں گا لیکن سوال یہ ہے، تم فرنچ بیچ پر پہنچ گئے اور گیری بھی وہاں آ گیا۔ تب بھی تم اس کا کیا بگاڑ لوگے؟ تم دونوں کے دست و گریباں ہوتے ہی محافظ اسے بچانے کے لیے آ جائیں گے۔''

میں الجھ کر رہ گیا۔ سوبھراج گردش میں آنے سے پہلے معزز سیاست دانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اپنی اس حیثیت میں اسے فرنچ بیچ تک رسائی حاصل تھی۔ اس نے خود مجھے بتایا تھا کہ وہ وہاں دھونیں کرتا رہتا تھا اور جنگل میں منگل کا سماں ہوجاتا تھا اور اس کے مہمانوں کے سوا وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

اس مقام پر کسی کمین گاہ سے گھات لگا کر کسی حریف کو موت کے گھاٹ اتارنا زیادہ آسان تھا۔ کسی کو مارنا پیٹنا اس کے مقابلے میں بہت دشوار تھا۔ سوبھراج نے یہ نکات اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے مجھے گیری کو ٹھکانے لگانے کا کام سونپا تھا۔

''تمہارا فرنچ بیچ جانا کیا ضروری ہے'' مجھے خاموش پا کر جنرل نے مشورہ دیا ''تم اسے راستے میں بھی روک سکتے ہو۔ وہاں آمد و رفت کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔''

جنرل کا مشورہ کسی حد تک معقول تھا مگر اس میں ایک سنگین خطرہ مضمر تھا۔

گیری اور سوبھراج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ سوبھراج وہاں جانے سے منکر ہوگیا تھا۔ گیری اپنی دانست میں اسے مارنے کے لیے وہاں جاتا۔ اس مہم کے لیے گیری کا مسلح ہونا ناگزیر تھا۔

اسے راستے میں روکنے کی کوشش کی جاتی تو وہ بھڑک کر آتشیں ہتھیاروں کا استعمال شروع کرسکتا تھا اور وہ مقابلہ ایک خونی تصادم کی صورت اختیار کرسکتا تھا جب کہ میں خوں ریزی سے بچنا چاہتا تھا کیونکہ گیری کی موت ہمیں مہنگی پڑ سکتی تھی۔

''تم اجازت نامے کا بندوبست کرو۔ میں دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہیے'' میں نے ان پر اپنے خدشات کا اظہار کیے بغیر بے پروائی سے کہا۔

''کم از کم مجھے تو بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو'' اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ گیری کے معاملے میں آئی بی والے تمہاری مدد نہیں کریں گے۔ ایس ٹی ایف اس وقت بالکل مفلوج ہے۔ تم کو زیادہ خطرات مول لینے سے گریز کرنا چاہیے۔''

''یہ سب پہلو میرے ذہن میں موجود ہیں'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''تم بے فکر رہو۔ زیادہ خطرہ نظر آیا تو میں گیری سے بھڑنے کی کوشش نہیں کروں گا۔''

''یہ تمہارا وعدہ ہے!'' جلال نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''پکا وعدہ!'' میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

مجھ سے مضبوطی سے ہاتھ ملاتے ہی جلال نے میز کی دراز کھول کر انٹیلی جنس بیورو کا ایک چھپا ہوا لیٹر ہیڈ نکالا، اس پر ہاتھ سے کچھ لکھ کر اپنے دستخط کیے اور وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے تحریر پر ایک نگاہ ڈالی۔ مخصوص سرکاری انداز میں لکھا ہوا تھا کہ اس تحریر کے حامل کو اپنے ہمراہیوں سمیت فرنچ بیچ کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔

وہ تحریر پڑھ کر میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیوں ہنس رہے ہو؟ کیا میری تحریر میں کوئی غلطی ہے؟'' جلال نے کچھ بے آرام ہو کر خفت سے سوال کیا۔

''بھول گیا تھا کہ تم بیسویں گریڈ کے ایک بڑے سرکاری افسر ہو'' میں نے وہ کاغذ تہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

''میں تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا'' جنرل نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کرسی چھوڑ دی ''اب میں چلوں گا۔''

وہ جلال کا مہمان تھا۔ اگلی صبح اسے اسلام آباد روانہ ہونا تھا۔ جلال نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اٹھا اور ان دونوں کے ساتھ ہولیا۔

میں نے بھی دروازے تک آ کر ان کو رخصت کیا تو اول خان کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں ''کیا ابھی تم یہاں رکو گے؟''

''ٹیکسی سے نل کر جاؤں گا۔ اسٹیشن نور کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے میں نے اسے یہاں پہنچایا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

وہ جنرل وقار کے ساتھ رخصت ہوگیا۔ جنرل نے جاتے جاتے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں گیری ہارٹ کے معاملے میں جوش کے بجائے ہوش سے کام لوں اور اپنی سلامتی کو

Downloaded from Paksociety.com

انتقامی جذبے پر مقدم رکھوں۔

ان کے جاتے ہی مسلح محافظ نے صدف مینشن کا وزنی دروازہ بند کردیا۔

''مجھے وہ دونوں معزز چہرے ابھی تک نظر نہیں آئے جنہوں نے سنیل کو لے کر مجھے یہاں سے لوٹایا تھا۔'' لوٹتے ہوئے میں نے جلال سے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

''آج ان کی ہفتہ وار تعطیل ہے۔ میں پھر پوچھ رہا ہوں کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی تھی!''

''بدتمیزی نہیں کی تھی مگر اپنی اصول پرستی سے مجھے مایوس ضرور کیا تھا۔''

اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور اس بند کوٹھری کی طرف بڑھ گیا جس میں سنیل کو رکھا گیا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی فرش پر سنیل نظر آ گیا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی یرقان زدہ روشنی میں اس کا چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی، سر کے بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے اور لباس میلا ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر چمکتی ہوئی سفید آنکھوں میں دہشت کے سائے لرزاں تھے۔

''کرنل!'' میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ نحیف آواز میں کراہا ''مجھے معاف کردو، مجھے چھوڑ دو۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا..... اپنے مالک کا حکم مانا ہے.....''

''تم انسان کے نام پر ایک بدنما داغ ہو۔ تمہارے مقدر کا فیصلہ کوئی عدالت کرے گی۔ جب تک تمہارا مالک ہاتھ نہیں آ جاتا، تم کو یہیں رہنا ہوگا۔''

اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آئی بی والوں نے اس پر خاصی محنت کی تھی۔ اسے جو کچھ معلوم تھا وہ اگلوانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں کوٹھری سے نکل آیا۔

مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ سنیل سے اس کے شایانِ شان سلوک کیا گیا تھا۔ میرے سامنے ضابطے اور اختیار کی رٹ اس لیے لگائی گئی تھی کہ میں ان لوگوں کے لیے باہر کا آدمی تھا۔ وہ ایسے کسی آدمی کو اپنے غیر روایتی تفتیشی طریقوں کا گواہ نہیں بنا سکتے تھے۔

''تمہیں اپنے سوال کا جواب مل گیا؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔

''کس سوال کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے الجھ کر کہا۔

''میرے آدمیوں نے تمہیں ضرور مایوس کیا تھا لیکن سنیل کو مایوس نہیں کیا۔ کسی قیدی کو معذور کیے یا ہڈی پسلی توڑے بغیر مایوسی کی انتہا کو پہنچا دینا ایک پیشہ ورانہ فن ہے۔

جب قیدی کو کہیں سے کوئی مدد یا سہارا ملنے کی امید نہیں رہتی تو پھر وہ اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ سنیل اب اس منزل پر آ پہنچا ہے۔''

''جب مدن لال بول پڑا تو اب اس کی کیا اہمیت رہ گئی ہے؟''

''مدن لال نے ان دونوں کو پناہ دی، سوبھراج کو رقوم وغیرہ فراہم کرتا رہا۔ اس سے زیادہ اسے کچھ معلوم نہیں۔ اس کا بیٹا اس سے زیادہ ناکارہ ثابت ہوا ہے۔ وہ دونوں صرف مینشن کے باورچی خانے پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ سوبھراج کے کرتوتوں کی اصل کہانیاں سنیل کے سینے میں دفن ہیں۔ عدالت میں وہی کام آئیں گی۔''

''اب یہاں آ ہی گیا ہوں تو بقیہ قیدیوں کے دیدار بھی کرا دو۔''

وہ اوپر جانے والے چوبی زینوں کی طرف ہو لیا۔

نرمل اور مدن ایک ہی کوٹھری کے فرش پر بالکل بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔ ان کو دنیا و مافیہا سے بے خبر پا کر میری سوالیہ نگاہیں جلال کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں تو اس نے بتایا کہ باپ بیٹے نے صدف مینشن کو سر پر اٹھایا ہوا تھا۔

الگ الگ کوٹھریوں میں بند ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے آوازیں ملا کر ایسے بھیانک سروں میں بین کر رہے تھے کہ اس عمارت کے سنگ دل محافظوں کے دل بھی اڑنے لگے تھے۔ جلال ان دونوں کی گرفتاری ظاہر کر کے ضمانت پر رہائی کا اصولی فیصلہ کر چکا تھا لیکن اس پر عمل درآمد کرنے سے پہلے انہیں چند دنوں کے لیے صدف مینشن کا مہمان رکھنا چاہتا تھا تاکہ بقیہ زندگی میں انہیں بھول کر بھی کسی مجرم کا ساتھ دینے کا حوصلہ نہ ہو سکے۔

اوپر کی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں شیبا بند تھی۔ وہ کمرا قدرے صاف اور روشن تھا۔ شیبا کو فرش پر گدا، تکیہ اور چادر فراہم کی گئی تھی۔

وہ صدف مینشن کے ماحول اور وہاں کی فضا میں گونجنے والی لرزہ خیز آوازوں سے واضح طور پر خوف زدہ تھی لیکن اس کے حواس زائل نہیں ہوئے تھے۔

اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے احتیاط کے طور پر تحویل میں لیا گیا تھا۔ اس سے کوئی باز پرس کی گئی تھی نہ اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

ہم دونوں کو دیکھتے ہی وہ بستر سے اچھل کر کھڑی ہو گئی اور اس کی غصیلی نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

''دغا باز!'' وہ خوف سے سرسراتی ہوئی، نفرت آمیز

Downloaded from https://paksociety.com

آواز میں بولی ''مجھ سے کہتے تھے کہ میں سنیل کا چہیتا دوست، مہیش اگروال ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم کرنل دادر ہوتو تمہیں اپنے گھر میں نہ آنے دیتی۔ میں.....''

''خاموش رہو!'' میں نے آنکھیں نکال کر غراتی ہوئی آواز میں اسے ڈانٹا ''جو عورت ایک وقت میں دو مردوں کے بستر پر وقت گزارتی ہے، اس سے بڑا دغاباز اور بے وفا کوئی نہیں ہوتا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ورنہ اب تک تمہارا حشر خراب ہو چکا ہوتا۔''

میری پھٹکار سے وہ سہم گئی اور مدافعانہ لہجے میں بولی ''تمہیں اپنا ہمدرد سمجھ کر میں تمہیں ہر بات بتا چکی ہوں۔ میں اپنے مرد کی مرضی سے سوبھراج کو خوش کرتی تھی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ اپنے مرد کی خوشی کے لیے کوئی عورت پاپ بھی کرتی ہے تو وہ اس کا پن بن جاتا ہے۔ میں نے.....''

''شٹ اپ!'' اس بار جلال کو غصہ آ گیا ''دنیا کا کوئی دھرم ایسے غلیظ گناہوں کو نیکی کا درجہ نہیں دیتا۔ یہ سب تمہاری من گھڑت باتیں ہیں۔''

''میں اچھی بھلی اپنے گھر میں پڑی تھی۔ تم مجھے یہاں کیوں اٹھا کر لائے۔ مجھے میرا قصور تو بتا دو۔ میں نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے!'' وہ روہانسی ہو گئی۔

شیبا کے وہ سوال معقول تھے لیکن اسے یہ نہیں بتایا جا سکتا تھا کہ اسے سوبھراج کے پکڑے جانے تک کے لیے احتیاطاً قید کیا گیا ہے۔ جلال خاموش رہا۔ اسے جواب دینے کی ذمے داری میرے سر آن پڑی۔ میں نے کہا ''تمہارا یہ جرم معمولی نہیں ہے کہ تم نے ہمیشہ سنیل کا ساتھ دیا جو ایک مجرم ہے۔''

''مجھ سے بڑی سے بڑی سوگند لے لو۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ راج محل جا کر کیا کرتا ہے۔ میں مجرم نہیں ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔''

اس کے منہ لگنا فضول تھا۔ ہم واپسی کے لیے مڑے تو اس نے ہذیانی انداز میں اپنی رہائی کے لیے چیخنا چلّانا شروع کر دیا۔ ہم دونوں اس کی فریادوں پر کوئی دھیان دیے بغیر باہر نکل آئے اور وہ دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔

میرے نکتہ نظر سے وہ تینوں قیدی بے کار تھے۔ ان میں صرف سنیل کارآمد ثابت ہو سکتا تھا مگر وہ جگر خراش تشدد سہنے کے باوجود اپنے اس موقف پر اڑا ہوا تھا کہ اسے سوبھراج کی مجرمانہ سرگرمیوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ مشتبہ معاملات سے وہ بالا ہی بالا خود نمٹتا تھا۔ اس طرح کے اس کے مجرمانہ روابط سیٹ لائٹ فون کے ذریعے برقرار تھے جو ہر وقت سوبھراج کی ذاتی تحویل میں رہتا تھا۔

میں دل ہی دل میں دعا مانگ کر رہ گیا کہ اس کے بارے میں جلال کی توقعات جلد پوری ہوں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سنیل اعصابی شکست وریخت کے اس مرحلے پر آن پہنچا تھا جہاں اس کے لیے سچ کو چھپانا دشوار ہو جاتا۔

''تم ہر وقت یہاں نہیں ہوتے۔'' میں نے زینے اترتے ہوئے جلال سے کہا ''سنیل پر تمہارے خاص آدمی مامور ہوں گے۔ ان کو سنیل سے یہ ضرور پوچھنا چاہیے کہ اگر وہ جرائم میں اپنے مالک کا شریک نہیں تھا تو پھر زبردست خطرہ مول لے کر کسی قسم کے کاغذوں کو نذر آتش کرنے کے لیے اپنے گھر واپس کیوں آیا تھا!''

یہ کلیدی سوال ہے۔ میں انہیں ضرور بریف کروں گا۔'' اس نے مجھ سے اتفاق کیا ''اسے تم نے پکڑا تھا۔ یہ سوال تمہارے ہی ذہن میں آ سکتا تھا۔ میرے آدمی اس کی گرفتاری کے پورے پس منظر سے بے خبر ہیں۔''

''اسی وجہ سے میں سنیل سے باز پرس کے دوران میں یہاں موجود رہنا چاہ رہا تھا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔''

''تم چاہو تو اس وقت سنیل پر کچھ طبع آزمائی کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے خوف سے اسی وقت بولنا شروع کر دے۔''

''اس وقت موڈ نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا۔

زینے اتر کر میں سیدھا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ پھر ہم دونوں بند دروازے کے قریب رک گئے۔ محافظ دروازہ کھولنے کے لیے ہمارے اشارے کے منتظر تھا۔

میرے جواب پر جلال نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن پھر یکا یک موضوع بدلتے ہوئے بولا۔ ''میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آ رہا ہے کہ کہیں دونوں کام ایک ہی وقت میں جمع نہ ہو جائیں۔''

اس کے وہ فقرے میرے سر پر سے گزر گئے۔ میں نے کہا ''تم کن دونوں کاموں کی بات کر رہے ہو؟''

''گیرل نے سوبھراج کو ایک سے دو بجے کے درمیان کا وقت دیا ہے۔ اگر اسی دوران میں سوبھراج کی طرف سے رابطوں کے بارے میں کوئی خبر آ گئی تو تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔''

''گیرل سے فوری طور پر کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔'' میں نے ذہن پر قدرے زور دیتے ہوئے کہا ''میں اسے سوبھراج کے نام پر سبق دینا چاہتا ہوں۔ اس کے برعکس راکے دونوں آدمی خطرناک ہیں۔ وہ موقع پاتے ہی کہیں بھی اپنا

Downloaded from https://paksociety.com

کام دکھا سکتے ہیں۔ ان پر ہاتھ ڈالنا میری پہلی ترجیح ہوگی۔''

''مجھے تمہاری یہی ادا بہت پسند ہے!'' جلال خوش ہو کر بولا ''تم بہت تیزی کے ساتھ مثبت اور صحیح فیصلے کرتے ہو۔ میں ذرا تذبذب میں تھا کہ دونوں کاموں میں وقت کا ٹکراؤ ہو جائے تو کس کو ترجیح دینا مناسب ہوگا۔ تمہاری دلیل بہت وزنی ہے۔ فوری خطرے کا فوری سدِباب ہونا چاہیے۔''

''جنرل صبح کراچی سے روانہ ہو جائے گا لیکن تم یہاں رہو گے!'' میں نے اس سے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''فی الحال یہاں رکنا پڑے گا۔ راداوں کی آمد کی خبر دے کر تم نے میرے بوجھ میں اضافہ کر دیا ہے۔ ان لوگوں کو مخبری کے لیے آنا ہوتا ہے تو یہ اسلام آباد کا رخ کرتے ہیں جہاں مرکزی حکومت کا سارا ریکارڈ رہتا ہے۔ کراچی میں ان کی موجودگی کا مقصد تخریب کاری اور دہشت گردی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے آدمیوں کو الرٹ کرنا پڑے گا۔ مجھے ابھی تک ان کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی ہے۔''

وہ جلال کی ایمانداری تھی کہ اس نے اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کیے بغیر صاف الفاظ میں حقیقت بیان کر دی۔ اس کی بے خبری میں ان کے محکمے کی کوتاہی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ آنے والے سرحد پار سے غیر قانونی طریقوں سے آتے تھے اور اپنے رنگ روپ اور خدوخال کی بنا پر آسانی سے مقامیوں میں گھل مل جاتے تھے۔ کسی مخبری کے بغیر ان کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔

میں اس سے رخصت ہو کر واپس گھر پہنچا تو ڈھائی بج چکے تھے۔ غزالہ میری واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ ابرار اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ بقیہ لوگ اطمینان سے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح پرسکون ثابت ہوئی۔ میرا دھیان مسلسل سوبھراج کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ راداوں کے بارے میں کوئی خبر ملتے ہی مجھ سے رابطہ کرے گا لیکن اس کی طرف سے مسلسل خاموشی تھی۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ نیو خان ہوٹل کے تلخ تجربے کے بعد را کے دونوں کارندوں میں سے کسی نے سوبھراج سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کی وہ خاموشی میرے لیے تشویش ناک تھی۔

اس دوران میں ویرا نے مجھے مشورہ دیا کہ میں خود سوبھراج سے رابطہ کر کے حقیقت جاننے کی کوشش کروں لیکن میں نے اس کا وہ مشورہ مسترد کر دیا۔ پچھلی رات اول خان کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ چکی تھی کہ میری طرف سے سوبھراج کی مکمل برین واشنگ ہو چکی تھی۔ وہ میرے یعنی ڈینی کے سحر میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اسے کوئی خبر ملتی تو اسے پہلی فرصت میں مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے اور سلطان شاہ کو بارہ بجے گیری کی تلاش میں میں ساحلی علاقے کی طرف روانہ ہو جانا تھا۔ ویرا نے ہمارے ساتھ جانے کے لیے ایک مرتبہ پھر اصرار کیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ قائل ہو چکی تھی کہ گیری سے اس کا سامنا ہونا ہمارے لیے کسی بھی طرح سودمند ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر کی نیم دلانہ بحث کے بعد ویرا نے خاموشی اختیار کر لی۔

صدف مینشن میں مجھے فرنچ بیچ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ بہت اہم تھا لیکن میں نے وہ باتیں ان تینوں کے سامنے نہیں دہرائی تھیں۔ وہاں درپیش مشکلات کے پیشِ نظر میں نے خاموشی سے ایک لائحہ عمل طے کر لیا تھا مگر وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ گیری ساحل پر موجود ہوگا اور ہم دونوں اسے وہیں گھیرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

سوبھراج نے اسے سوئمنگ کاسٹیوم میں فرنچ بیچ پر ملنے کی شرط عائد کر کے بڑی حد تک بے دست و پا کر دیا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مخصوص ساحلی علاقے میں گیری کو تاک کر نشانہ بنانا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔

بارہ بجے ہم گھر سے روانہ ہوئے تو ویرا اور غزالہ بھی تیاری میں مصروف تھیں۔ انہوں نے دو کام از خود اپنے سر لیے تھے۔

مسز شیر دل سے ملاقات کا خیال ویرا کے ذہن میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جب سے اس سے ملی تھی، ایک لمحے کے لیے بھی اسے اور اس کے بچوں کو نہیں بھول سکی تھی۔ وہ ایک مجرم کا گھرانا تھا جو عزت اور شرافت کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

ویرا اس عورت سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ وہ اپنی مفروضہ این جی او کی طرف سے اس کے بچوں کی ماہانہ فیس ادا کرتی رہے گی۔ ہم میں کوئی بھی ویرا کے کیے ہوئے اس وعدے سے منحرف ہونے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن اپنے چکروں کی وجہ سے ہمارے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وقت کی پابندی کے ساتھ ہر مہینے فیس کی رقوم باقاعدگی سے بھیجتے رہیں۔

اس دقت کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسز شیر دل کو

Downloaded from https://paksociety.com

یک مشت ایک لاکھ روپے دے دیئے جائیں اور وہ اس رقم میں سے اپنے بچوں کی فیسیں ادا کرتی رہے۔ وہ اس روز کے لیے ان دونوں کا پہلا کام تھا۔

دوسرے کام کا تعلق گاڑی سے تھا۔ میری کار اسٹیشن فور پر گرنے والے راکٹ کا نشانہ بن کر تباہ ہو چکی تھی۔ میرے اس نقصان کے بارے میں جنرل سے زیادہ اول خان نادم تھا کیونکہ میں اسی کے بلاوے پر جنرل سے ملاقات کرنے کے لیے اسٹیشن فور پہنچا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مالی مسائل حل ہونے کے بعد شاید وہ میرے اس نقصان کا ازالہ کرنے کی کوشش بھی کرتا لیکن میں ایسی کسی پیشکش کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اول خان متوسط طبقے کا ایک سفید پوش اور ایمان دار ملازم تھا۔ اس نے فوری طور پر اپنی گاڑی میرے حوالے کر دی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنی ذاتی گاڑی کے بغیر وہ پریشانی سے دوچار ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ وہ دونوں اپنی پسند سے کوئی اچھی سی سیکنڈ ہینڈ گاڑی خرید لیں تاکہ اول خان کی گاڑی فوری طور پر اسے لوٹائی جا سکے۔

گھر سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد سلطان شاہ بولا ''میں نے ابھی تک اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھولی لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ ہم مفت میں مسز شیر دل پر ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم کیوں برباد کر رہے ہیں!''

''وہ ایک ضرورت مند بیوہ ہے!'' میں نے اختصار سے جواب دیا۔

''شہر میں اس سے کہیں زیادہ ضرورت مند بیوائیں موجود ہیں۔'' اس نے اعتراض کیا ''تم دس لاکھ روپے جیب میں ڈال کر میرے ساتھ چلو۔ میں پٹھان کالونی اور شیریں جناح کالونی میں تمہیں ایسے ایسے گھر دکھاؤں گا جہاں دو تین دنوں میں صرف ایک بار چولہا روشن ہونے کی نوبت آتی ہے۔ بیوائیں صبح سے شام تک محنت مزدوری کر کے بھی اپنے بچوں کے لیے دو وقت کی روٹی فراہم نہیں کر سکتیں۔ تم اپنی جیبیں خالی کر دو گے لیکن ایسے گھرانے ختم نہیں ہوں گے۔ شیر دل کی بیوہ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

میں زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ اس کی وہ جذباتی تقریر سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے آہستہ سے کہا ''تم بھول رہے ہو۔ اس نے ہماری مدد کی ہے۔''

''مدد کرنے سے زیادہ اس نے ویرا کو اپنی درد بھری داستان سنائی تھی۔ یہ ویرا کی مرضی ہے کہ وہ جہاں چاہے، رقم لٹاتی پھرے!'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''زمل کمار کا فون نمبر اسی سے ملا تھا۔ اگر سنیل کے سامنے وہ نام نہ لیا جاتا تو شاید وہ مر کر بھی یہ نہ بتاتا کہ سوبھراج نے مدن لال کے گھر میں پناہ لی ہوئی ہے۔ وہ بہت اہم پیش رفت تھی۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''سوال افادیت کا ہے۔ اس پیش رفت سے ہمیں کیا ملا؟ آئی بی والے مدن لال کے گھر پہنچے لیکن سوبھراج ان کے ہاتھ نہیں آ سکا۔'' وہ جھلائے ہوئے انداز میں بحث پر آمادہ تھا۔

''سوبھراج کو وہاں سے بھاگنا نہ پڑتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔ وہ میرے اوپر اتنا زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ایک لاکھ روپے مسز شیر دل کا انعام ہیں۔ اس نے ہماری مدد کی۔ ہم اس کی مالی مدد کر رہے ہیں۔''

''رقم تمہاری ہے۔ اگر تم اس طرح سوچتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے!''

''مرچیں نہ چباؤ۔ اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''اس وقت ہم ایک اہم مہم پر جا رہے ہیں۔ ہم ذرا بھی چوکے تو گیری ہم پر رحم نہیں کرے گا۔''

''تم پہلے کبھی فرنچ پیچ گئے ہو؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے ایک معقول سوال کر کے اپنی حاضر دماغی کا ثبوت فراہم کر دیا۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''وقت نہیں تھا ورنہ ہمیں پہلے سے وہاں کا ایک چکر لگا کر جائزہ لے لینا چاہیے تھا۔''

''وہ کھلا سا خفیہ علاقہ نہیں ہے۔'' میں نے اسے فرنچ پیچ کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

''پھر وہاں جانا بے سود ہے۔ اس بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ سوبھراج نے جگہ کے انتخاب میں زبردست غلطی کی ہے۔ اسے کسی اور مقام کا انتخاب کرنا چاہیے تھا۔''

''وہ وی آئی پی کی حیثیت سے وہاں جاتا رہا ہوگا۔ یہ تفصیلات اس کے علم میں نہیں ہوں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گیری سے بات کرتے ہوئے اس نے تمہارے بارے میں نہ سوچا ہو۔ سب کچھ طے کر لینے کے بعد اسے تم کو گیری سے بھڑانے کا خیال آیا ہو۔''

سلطان شاہ کی دونوں باتیں درست تھیں۔ میں نے کہا ''وہاں جانے کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔ ہم اس پر رک کر گیری کو گھیرنے کی کوشش کریں گے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''موجودہ حالات میں یہی ایک راہ رہ جاتی ہے۔'' وہ بولا۔

اس کے بعد گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خیالات کی رو میں ڈوبے ہوئے تھے۔

حسن اسکوائر سے میں نے گاڑی لیاقت آباد کی طرف موڑ لی تھی۔ لیاقت آباد، ناظم آباد اور پھر سائٹ کی مرکزی شاہراہ سے ہوتے ہوئے ہم تھوڑی دیر میں گلبائی کے چوک پر پہنچ گئے۔ وہاں سے داہنی طرف وہ سڑک تھی جو سرکلر ریلوے لائن کو عبور کر کے پی اے ایف مسرور سے ہوتی ہوئی ساحلی علاقے کی طرف نکل جاتی تھی۔

کسی کھلے ویرانے کے مقابلے میں پی اے ایف بیس سے آگے کا علاقہ میری نظر میں موزوں تھا۔ خودرو جھاڑیوں سے گھرے ہوئے میدان پر نظر پڑتے ہی میں نے اپنی گاڑی واپس گھمائی اور شہر کی طرف جانے والے رخ پر، سڑک سے اتار کر روک دی۔ اس طرح ہم شہر کی طرف سے آنے والی گاڑیوں پر نظر رکھ سکتے تھے۔

ہم ساڑھے بارہ بجے وہاں پہنچ گئے تھے۔ وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا اس دوران میں ہم دنیا جہان کی باتیں کرتے رہے پھر تھک ہار کر خاموش ہو گئے۔ دونوں میں سے کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔

رسٹ واچ میں ایک بجا تو میرے ذہن پر مایوسی حملہ آور ہونے لگی۔ گیری کوئی احمق نہیں تھا۔ وہ سوبھراج کی چال کا اندازہ لگا کر فرنچ بیچ آنے کا ارادہ منسوخ کر سکتا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ اپنا مضبوط مورچا جمانے کے چکر میں ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ساحل کی طرف نکل گیا ہو۔

صورت احوال جو بھی رہی ہو، میں دو بجے تک وہاں رکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والے منفی خیالات میں سلطان شاہ کو شریک نہیں کیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ اکتاہٹ کا شکار ہو کر اسی وقت واپسی کا دباؤ ڈالنا شروع کر دے گا۔

وہ چھٹی کا دن نہیں تھا اس لیے اس سڑک پر ٹریفک کی زیادتی نہیں تھی۔ شہر سے آنے والی گاڑیوں میں اس وقت تک سفارتی نمبر پلیٹ والی کوئی گاڑی نہیں گزری تھی۔ ویسے بھی مجھے یقین تھا کہ گیری نے ادھر آنے کا ارادہ کیا تو وہ سفارتی گاڑی کو اپنی آمد کا اشتہار نہیں بنائے گا۔

وہ آتا تو اپنے دل میں سوبھراج کو قتل کرنے کا ارادہ لے کر آتا۔ اس کے لیے بہتر یہ ہوتا کہ وہ عام نمبروں والی کسی بھی گاڑی میں مقررہ مقام پر پہنچتا اور اپنا کام پورا کر کے خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔

ایک بجے کے بعد سڑک پر ایک شاندار گاڑی تیرتی ہوئی نظر آئی۔ شہر کی طرف سے آنے والی اس گاڑی کی انفرادیت نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

گاڑی کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک مقامی کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ اس کے برابر والی نشست خالی تھی۔

گاڑی بہت تیزی سے آئی اور ہمارے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ گاڑی کے چڑھے ہوئے شفاف شیشوں کے عقب میں گاڑی کی پچھلی نشست پر ایک سفید فام اس طرح دھنسا ہوا بیٹھا تھا کہ بادی النظر میں دور سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

میں پہلے سے اپنے شکار کی گھات میں تھا اور پھر گاڑی کے نئے نویلے پن نے مجھے مزید چوکنا کر دیا تھا اس لیے وہ سفید فام میری نظروں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی لیکن دونوں گاڑیوں کے درمیان فاصلہ ہونے کی وجہ سے وہ کئی ثانیوں تک میری نگاہوں کی دسترس میں رہی تھی۔ میں نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ گیری ہی تھا جو گود میں رکھے ہوئے کسی اخبار یا رسالے کے مطالعے میں مستغرق تھا۔

مجھے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سلطان شاہ نے میری نگاہوں اور جسمانی اضطراب سے معاملے کی نزاکت بھانپ لی اور ہیجان زدہ لہجے میں بولا ''کیا اس گاڑی کی پچھلی سیٹ پر کوئی موجود تھا؟''

میں نے گھور کر اسے دیکھا پھر مجھے خیال آیا کہ میرے مقابلے میں وہ خراب پوزیشن میں تھا۔ اپنی پسنجر سیٹ سے اس کے لیے سب کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

''وہی تھا، اب تک سوبھراج اپنی حکمت عملی میں کامیاب نظر آ رہا ہے'' میں نے کہا۔

''ایف بی آئی والے واقعی سوبھراج کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ گیری کی آمد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اسے مارنے کے لیے بے تاب ہیں'' وہ جھرجھری لے کر بولا۔

وہ ساحل کی طرف گیا تھا۔ اسے کم از کم دو بجے تک فرنچ بیچ پر رک کر سوبھراج کی آمد کا انتظار کرنا تھا اس لیے اس کی فوری واپسی کی امید نہیں تھی۔

میں نے جوں ہی اگنیشن آن کیا، سلطان شاہ چونک پڑا ''کیا اس کے پیچھے جانے کا ارادہ ہے تمہارا؟''

Downloaded from https://paksociety.com

''میں عقل سے اتنا عاری نہیں ہوں۔ ہم نے اسے دیکھ لیا ہے۔ وہ دیر میں واپس آئے گا۔ اس دوران میں ہم اپنے لیے کوئی بہتر جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔''

میں نے گاڑی دوبارہ گھمالی اور درمیانہ رفتار سے اسی سمت میں ہولیا جدھر گیری کی گاڑی گئی تھی۔

شکار نظر آ جانے کے نتیجے میں میرا ذہنی دباؤ ختم ہو چکا تھا۔ اب یہ طے کرنا تھا کہ واپسی پر اسے کہاں اور کیسے روکا جائے۔

اپنی کارکردگی دکھانے کے چکر میں گیری تلوار کی دھار پر چل رہا تھا۔ نک ہاروے اس کا پیش رو تھا۔ اس کے انجام سے اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ آگ سے کھیلنے میں کیسے کیسے خطرات مضمر ہوتے ہیں۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ سلطان شاہ کے ہاتھ دکھانے پر وہ ترس کھا کر اپنی گاڑی رکوا لے گا۔

کچھ دور جانے کے بعد ہمیں سڑک کی دہنی جانب مٹی کے اونچے ٹیلوں کی ایک لمبی سی قطار نظر آنے لگی۔ کافی فاصلے تک جائزہ لینے کے بعد میں نے گاڑی گھمالی اور اسے جھاڑیوں اور مٹی کے ٹیلوں کے قریب روک کر نیچے اتر گیا۔

وہاں کسی قسم کی موٹی پائپ لائن بچھانے کے لیے کھدائی کی گئی تھی لیکن شہر کی روایات کی پاس داری میں اس کام کو ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔

ہمارا گیری کو ہلاک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن ہمارے تصرف میں اول خان کی گاڑی تھی۔ جس میں کئی قسم کے آتشیں ہتھیار موجود تھے۔ میں نے ایک مورچے کا انتخاب کرنے کے بعد واپس آ کر گاڑی میں موجود ہتھیاروں کا جائزہ لیا اور پھر ایک ہلکی، خودکار رائفل منتخب کر لی جس کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا۔

''اب ذرا غور سے میری طرف دیکھو اور پوری ایمان داری سے بتاؤ کہ گیری مجھے کرنل داور کے طور پر پہچان سکے گا یا نہیں!''

''مشکل ہے۔'' اس نے میرا جائزہ لینے کے بعد کہا ''بڑی سی بے ترتیب داڑھی لگانے کے بعد تم کرنل داور سے زیادہ فیڈرل کاسٹرو کے بھتیجے معلوم ہو رہے ہو۔ بقیہ کسر کانٹیکٹ لینسز نے پوری کر دی ہے۔ ان بھوری آنکھوں کو دیکھ کر وہ کرنل داور کا تصور بھی نہیں کر سکے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ تمہیں سامنے نہ آنا پڑے۔ میں خود بھی اسے سنبھال سکتا ہوں۔''

''سنبھالنے کا سوال بعد میں پیدا ہوگا۔ پہلا مسئلہ اسے روکنے کا ہے۔ ہمیں دور سے نشانہ لے کر اس کی گاڑی کا ٹائر برسٹ کرنا ہوگا۔ تم یہ کام کر لو گے؟''

سلطان شاہ نے اپنے دونوں کان پکڑ کر کہا ''تمہارے ہوتے ہوئے میں یہ ذمے داری نہیں لے سکتا۔ تمہارا نشانہ بے خطا ہے۔ مجھ سے ذرا بھی گڑبڑ ہوگئی تو وہ صاف بچ نکلے گا اور میں اپنا سر پیٹتا رہ جاؤں گا۔''

''تو پھر آؤ۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''رائفل بے آواز ہے۔ فاضل راؤنڈ بھی وافر مقدار میں میسر ہیں۔ ذرا سی چاند ماری کی مشق کر لی جائے۔''

رائفل اور فاضل راؤنڈ کا ڈبا لے کر ہم دونوں مٹی کے ٹیلوں کے پیچھے نکل گئے۔

نرم اور گیلی مٹی میں بھٹکنے کے بعد ہم دونوں ایسی اوٹ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے پیچھے رہ کر ہم ساحل سے آنے والی سڑک پر دور تک نظر رکھ سکتے تھے۔

''لو، اب شروع ہو جاؤ!'' میں نے رائفل سلطان شاہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''وہ کالا پتھر تمہارا ہدف ہے۔''

''پتھر چھوٹا ہے۔'' سلطان شاہ نے رائفل لے کر بے چارگی سے کہا۔

''متحرک ٹائر کے مقابلے میں یہ آسان نشانہ ہے۔'' میں نے اسے ہمت دلائی۔

اس نے شست لی، ٹھک کی آواز کے ساتھ فائر کیا۔ سڑک کے کنارے دھول اڑی مگر پتھر وہیں پڑا رہا۔

اس کے تیسرے فائر کے نتیجے میں پتھر کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔

اس سڑک پر ٹریفک میں تسلسل نہیں تھا۔ وقفے وقفے سے اکا دکا گاڑیاں گزرتیں اور پھر کچھ دیر کے لیے سناٹا چھا جاتا۔ گاڑیوں کے نمودار ہونے سے پہلے ہوا کے دوش پر ان کے انجنوں کی ڈوبتی اور ابھرتی ہوئی آوازیں یہ بتا دیتی تھیں کہ آنے والی گاڑی کس قماش کی ہے۔ ٹرک کے شور اور کار کے انجن کی گونج میں فرق بہت نمایاں تھا۔

سلطان شاہ کو نشانے بازی کا دلچسپ مشغلہ ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ سناٹے میں بار بار گولیاں چلا رہا تھا اور میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ نوشی شروع کر دی تھی۔

میں دل ہی دل میں ایک دعا مانگ رہا تھا کہ گیری کی واپسی کے وقت سڑک کے دونوں سمتوں میں کوئی اور گاڑی نہ ہو۔ عین موقع پر کوئی اور ادھر نکل آتا تو سارا کام خراب ہو سکتا تھا۔

دو بج کر دس منٹ پر سلطان شاہ بے ساختہ بول اٹھا ''وہ

Downloaded from https://paksociety.com

آ رہا ہے!''

میری نظریں دیر سے اسی سمت میں جمی ہوئی تھیں۔ میں نے گیری کی گاڑی کی پہلی جھلک دیکھتے ہی رائفل سیدھی کرلی۔ گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ پہلی کوشش میں ناکامی کے بعد مجھے اس پر دوسرا وار کرنے کی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔

میری شہادت کی انگلی ٹریگر پر تیار تھی جوں ہی وہ گاڑی میری زد میں آئی، میں نے بہت احتیاط سے اس کے اگلے ٹائر کا نشانہ لے کر فائر کردیا۔ فائر بے آواز تھا لیکن ٹائر پھٹنے کی آواز خاصی پرشور تھی۔ گاڑی لہرا کر سڑک سے نیچے پٹخی اور ناہموار زمین پر اتر گئی۔ ڈرائیور بہت ہوشیار تھا۔ اس نے رفتار کم کر کے گاڑی کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی لیکن زمین کی ناہمواری نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔

گاڑی لہراتی ہوئی ہماری طرف آ رہی تھی۔ اچانک پھٹا ہوا ٹائر ایک گڑھے میں گیا اور کار پہلو کے بل الٹ گئی۔

گاڑی کا ڈرائیور اس ناگہانی افتاد میں مبتلا تھا۔ گاڑی کے انجن کے ساتھ اس کے اگلے ٹائر تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ گاڑی الٹتے ہوئے فضا میں ڈرائیور کی بے ساختہ چیخ بھی گونجی تھی۔

گیری کو گاڑی یا ڈرائیور سے زیادہ اپنی سلامتی کی فکر تھی۔ اچانک اوپری سمت کی کھڑکی سے اس کا سر اور پھر دھڑ نمودار ہوا۔ دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے کے بجائے وہ عقبی کھڑکی کا شیشہ اتار کر گاڑی سے نکل رہا تھا۔

میں نے بس اتنی دیر انتظار کیا کہ وہ گاڑی سے باہر کود جائے۔ جوں ہی وہ گاڑی کی اوٹ میں میری نظروں سے اوجھل ہوا، میں نے گاڑی پر دوسرا بے آواز فائر کردیا۔

گیری اپنی الٹی ہوئی گاڑی کی اوٹ سے نکل کر سڑک کی طرف بھاگتا ہوا نظر آیا تو میں نے نشانہ لے کر تیسرا فائر کردیا۔ گولی اس کے پیروں کے قریب زمین میں پیوست ہوگئی۔

تیسرے فائر سے وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔ گیری نے حواس باختہ ہو کر اپنا رخ بدل لیا اور سڑک کی طرف جانے کے بجائے مٹی کے ٹیلوں کی طرف دوڑنے لگا۔

شکار دام میں آ رہا تھا۔ میں نے اسے مزید بھڑکانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا ریوالور دبا ہوا تھا جسے وہ کسی بھی لمحے استعمال کرسکتا تھا۔ اس کے قریب جانے سے پہلے اسے غیر مسلح کرنا ضروری تھا۔

وہ مٹی کے ٹیلوں کو عبور کر گیا اور ان کی آڑ میں واپس ساحل کی طرف دوڑنے لگا۔ اس وقت اس کے بائیں ہاتھ پر مٹی کے انبار اور دہنی طرف گہری خندق تھی جو شہر کی انتظامیہ نے شاید اسی کے لیے بنوائی تھی۔

میں نے ایک نظر الٹی ہوئی گاڑی پر ڈالی۔ ڈرائیور کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ کسی بے ڈھب چوٹ کی وجہ سے گاڑی میں بے ہوش ہوگیا تھا۔ انجن سے تیل بہہ جانے کی وجہ سے انجن خود بہ خود بند ہو چکا تھا۔ گاڑی اور ڈرائیور کا حشر خراب ہوا تھا لیکن گیری اس وقت تک پوری طرح محفوظ تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ گاڑی الٹنے کے باوجود اس میں آگ نہیں لگی تھی۔ میں نے ننھے پھلا کر فضا میں ایک گہرا سانس لیا۔ وہاں پیٹرول کی بو مفقود تھی۔ شاید وہ ڈیزل کی گاڑی تھی۔

الٹی ہوئی گاڑی کے قریب زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ سڑک سے گزرتی ہوئی ایک گاڑی کے سوار وہ منظر دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ انہوں نے اسے کوئی پرانا حادثہ تصور کرلیا ہوگا۔

ایک ہلکی سی اجنبی چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ میں پلٹا تو سلطان شاہ ڈھٹائی سے ہنس رہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک پتھر دبا ہوا تھا۔

''کیا ہوا..... کون چیخا تھا؟'' میں نے برہمی سے پوچھا۔

''میرا مارا ہوا پتھر گیری کی ٹانگ پر لگا تھا۔'' اس نے یہ کہہ کر ہاتھ میں دبا ہوا پتھر پوری طاقت سے گیری پر دے مارا۔

پتھر گیری کی پشت پر پڑا۔ اس کی دوسری چیخ زیادہ تیز تھی۔

''کیا کر رہے ہو..... یہ کیا حماقت ہے۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''پتھر مار کر اس کے ہاتھ سے پستول گرانا چاہ رہا ہوں۔ یہ کام ہو یا نہ ہو، وہ سنگسار تو ہو ہی جائے گا۔''

سلطان شاہ کے اس خیال میں ندرت تھی لیکن اس کی کامیابی کی امید کم تھی میں نے ایک مرتبہ پھر رائفل سیدھی کرلی۔

گیری خندق اور مٹی کے سیدھے ٹیلوں کے درمیان بھاگتا ہوا خاصی دور نکل گیا تھا۔ میں کئی سیکنڈ تک اس کے داہنے ہاتھ کا نشانہ لینے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار میں نے یہ سوچ کر گولی چلا دی کہ نشانہ خطا بھی ہوگیا تو گیری کی موت کا سبب نہیں بنے گا۔

اس کے متحرک وجود کے سبب میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے اس کے بدن کے کس حصے کو چاٹا

Downloaded from https://paksociety.com

لیکن ایک دم ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گہری خندق میں چلا گیا۔ اس کی تیسری چیخ بہت دردناک تھی۔

ہم دونوں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

اس کا تعاقب کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ لہرانے لگا تھا۔ شاید میری چلائی ہوئی گولی سے اس کے داہنے ہاتھ اور ران میں زخم آیا تھا!

وہ بدحواس تھا، بھاگتے بھاگتے تھک چکا تھا اور زخمی بھی ہو گیا تھا۔ اس کی رفتار دھیمی ہو گئی تھی جب کہ ہم دونوں تازہ دم اور ولولے سے سرشار تھے۔ ذرا سی دیر میں، میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔

وہ اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن کر بہت زیادہ خوف زدہ تھا پھر بھی وہ مڑ کر پیچھے دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ غفلت کا ہر لمحہ اس کی زندگی مختصر کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن پر یقینی طور پر یہ خوف طاری تھا کہ اس کا پیچھا کرنے والے اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ آخر کار موت اس کا مقدر بنے گی۔

اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اچانک مجھے اپنا پچھلا تجربہ یاد آ گیا اور میں نے پیچھے سے اڑنگا دے کر گیری کا توازن بگاڑ دیا۔

سنبھلنے کی کوششوں میں وہ لڑکھڑا کر اس بری طرح گرا کہ اگر میں اس کا کالر پکڑ کر اسے نہ سنبھال لیتا تو وہ سیدھا چھ سات فٹ گہری خندق میں جا گرتا۔

اس وقت میرے وجود میں نہ جانے کہاں کی طاقت سما گئی تھی کہ میں نے رائفل سلطان شاہ کی طرح اچھال کر گیری کے بھاری بھرکم وجود کو اس کے قدموں پر کھڑا کیا اور اس کے منہ پر داہنے ہاتھ کا زوردار مکا رسید کر کے اس کے ہوش اڑا دیے۔

''مج..... خدا کے لئے..... مسیح کے نام پر..... مجھے مت مارو۔'' وہ بگڑی ہوئی اور دہشت زدہ آواز میں چلایا۔

''جیبیں خالی کر..... کتنا مال ہے تیرے پاس۔'' میں اس کے سر پر سوار ہو کر بدلی ہوئی آواز میں غرایا۔ ''ہم سے بچ کر کہاں بھاگ رہا تھا۔''

''مم..... میرے پاس زیادہ رقم نہیں۔'' وہ سازشی درندہ اپنے انجام کو سامنے پا کر خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے بہت سرعت سے اپنی ہپ پاکٹ سے اپنا چرمی بٹوا نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ ''میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ اس میں ڈیڑھ دو ہزار روپے اور سوا سو ڈالر ہوں گے۔''

''جھوٹے!'' اس بار میں نے اپنے بائیں مکے سے اس کا داہنا جبڑا سہلا دیا۔ ''سچ سچ بتا، تو نے رقم کہاں چھپائی ہے''۔ میں اس سے جان بوجھ کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول رہا تھا تاکہ وہ اس واردات کو رہزنی کا واقعہ سمجھتا رہے۔

یہ بات عین اس موقع پر میرے ذہن میں آئی۔ اگر اسے کسی اور حوالے سے مارا پیٹا جاتا اور زندہ چھوڑ دیا جاتا تو بات نہیں بن سکتی تھی۔

''میں نے رقم کہیں نہیں چھپائی، گاڑی میں بھی کچھ نہیں ہے۔'' وہ رو دینے والی آواز میں بولا ''تم میرے ساتھ چلو۔ جو مانگو گے میں دے دوں گا مگر میرے اوپر ظلم نہ کرو۔''

''تیری ایسی کی تیسی!'' سلطان شاہ اردو میں غرایا اور نال پکڑ کر اس نے رائفل کا دستہ گیری کی پنڈلی پر دے مارا۔

ہڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ گیری چیختا ہوا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ سلطان شاہ نے اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

سلطان شاہ نے جو کچھ کیا، درست کیا تھا۔ میں نے بڑھ کر گیری کے چہرے پر تھپڑوں کی برسات کر دی، ساتھ ہی میں اسے برا بھلا بھی کہتا جا رہا تھا۔

''ابے ذلیل بندر! تیری جیب میں پیسے نہیں تھے تو اتنی اچھی گاڑی میں ادھر جھک مارنے کیوں آیا تھا۔ تجھے نہیں معلوم کہ کنگلے شکار پر گولی ضائع کر کے ہم لوگوں کو افسوس ہوتا ہے۔ اب میں قیمتی گولی چلانے کے بجائے ہاتھوں سے تیرا بھرتا بناؤں گا۔''

گیری کو حملہ کرنے کا سرے سے کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ وہ مسلسل مدافعانہ جدوجہد کر رہا تھا جو یکسر ناکام ثابت ہو رہی تھی۔

''گگ..... گولی نہیں، میں تمہیں رائفل کے پیسے بھی دے دوں گا۔ کنواری مریم کے نام پر..... اپنے خدا کے نام پر مجھے معاف کر دو..... آئندہ میں پیسے ساتھ لے کر نکلا کروں گا۔''

وہ سفاک ضرور تھا مگر نازک اندام بھی تھا۔ میرے چند تھپڑوں سے اس کے چہرے کی کھال جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ خون کی لکیروں میں اس کا پورا چہرہ نیلا اودا ہو گیا تھا۔

دوسروں کے خلاف سفاکانہ سازشیں کرتے ہوئے اسے خدا یاد نہیں آیا تھا۔ اس کی اپنی جان پر بن آئی تھی تو اسے خدا سے مریم تک سب یاد آ رہے تھے۔

''تیرا گھر کہاں ہے؟'' میں نے اس کی تذلیل اور توہین کرنے کے لئے اسے ہلکی سی ٹھوکر مار کر پوچھا۔ ''ہم کسی بھی

Downloaded from https://paksociety.com

وقت وہاں آ کر تجھ سے اپنی اس محنت کا ہرجانہ وصول کریں گے۔''

''میں امریکن ڈپلومیٹ ہوں۔ قونصل خانے میں رہتا ہوں۔'' اس نے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز میں جواب دیا۔

''ابے منحوس! یہ بات اب بتا رہا ہے۔'' میں نے اس کے بال نوچ کر اپنی برہمی کا اظہار کیا۔ ''ہم لوگ غیر ملکی افسروں کے منہ نہیں لگتے۔ تیری گاڑی کی نمبر پلیٹ سادی کیوں ہے؟''

''میں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا اس لیے سرکاری گاڑی نہیں لایا۔'' اس نے عجلت سے بتایا پھر فریاد کی۔ ''ذرا میری گاڑی میں دیکھ لو کہ میرا ڈرائیور صرف بے ہوش ہوا ہے یا مر چکا ہے۔ میرے لیے تو مٹی کے اس ڈھیر سے نکلنا عذاب ہو جائے گا۔''

''تو جھوٹا ہے۔ کس دوست سے ملنے آیا تھا؟ نام بتا اس کا!'' میں نے مطالبہ کیا۔

وہ میرے درشت بلکہ وحشیانہ رویے سے اس قدر دہشت زدہ تھا کہ بے ساختہ بول پڑا۔ ''اس کا نام سوبھراج ہے۔ اس سے میرا وقت طے تھا۔''

عام حالات میں وہ فرعون ثانی بنا رہتا تھا لیکن جوتے کھا کر اس نے سچ بولنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا کہ سوبھراج پر آنے والی اخباری کہانیوں کے حوالے سے اسے مزید لعن طعن کروں مگر پھر وہ ارادہ ترک کر دیا۔

وہ موضوع اس وقت کے لئے بہت حساس اور نازک ثابت ہوتا۔ میرا انجان بن جانا ہی بہتر تھا۔ ویسے بھی لٹیروں اور رہزنوں کو سیاسی معاملات سے کیا واسطہ..... اس وقت ہم دونوں نے وہی روپ دھارا ہوا تھا۔

''کیا خیال ہے۔ اسے زندہ رکھا جائے یا گلا گھونٹ کر اس خندق میں پھینک دیا جائے!'' میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر انگریزی میں پوچھا تاکہ گیری بھی بات سمجھ لے۔

''مار ڈالو!'' سلطان شاہ نے اپنی گردن پر انگلی پھیر کر بے پروائی سے جواب دیا۔ ''ویسے بھی یہ یہاں پڑے پڑے سسک سسک کر مر جائے گا۔''

ہماری وہ مشاورت مہنگی پڑی۔ گیری نے حلق پھاڑ کر پوری قوت سے چلانا شروع کر دیا۔ میں نے اس کا منہ دبوچنے کی کوشش کی تو اس نے بلبلا کر میری انگلیاں چبانے کی کوشش کر ڈالی۔ موت کے قدموں کی چاپ سن کر اس کی ساری توانائیاں یک جا ہو گئی تھیں۔

میں نے بہت مشکل سے اپنے ہاتھ کو اس کے دانتوں کی زد سے بچایا، اس کے منہ پر تھوکا اور پھر بوکھلاہٹ میں اس کی کنپٹی پر ایک تگڑا ہاتھ جما دیا۔

وہ ناہموار مٹی پر بیٹھے بیٹھے ہی ایک طرف لڑھک گیا۔ میں نے اس کی قمیص سے اپنے ہاتھ پونچھ لیے۔ ہم دونوں آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے، مٹی کے ٹیلوں سے نکلے تو میدان بدستور صاف تھا۔ گیری کی الٹی ہوئی کار آگ لگنے سے محفوظ تھی۔ ڈرائیور کا کہیں پتا نہیں تھا۔ حادثے کو پرانا سمجھ کر کسی نے وہاں رکنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''ڈرائیور کا حشر بھی دیکھ لیا جائے!'' سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔

''ہمیں وہاں دیکھ کر کوئی اور بھی رک سکتا ہے۔ تھوڑی دیر میں پولیس کی کوئی نہ کوئی گشتی پارٹی اسے دیکھ لے گی۔ ہمیں یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہئے۔''

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ہم دونوں برق رفتاری سے اپنی گاڑی تک پہنچے اور پھر تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

''کچھ مزہ نہیں آیا۔'' ریلوے لائن عبور کر کے مین روڈ پر آنے کے بعد سلطان شاہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم نے اس کی پنڈلی توڑ دی اور پھر بھی تمہیں مزہ نہیں آیا۔ کیا اسے بھون کر کھانے کا ارادہ کیا ہوا تھا تم نے!''

وہ ہنس پڑا۔ ''میں حرام نہیں کھاتا۔ گیری انتہائی بودا نکلا۔ پورا مقابلہ بے جان اور یک طرفہ رہا۔ مزہ تو جب تھا کہ وہ بھی جم کر مقابلہ کرتا اور زیر کر لیا جاتا۔''

''ویرا کا تجربہ بالکل درست ہوتا ہے۔ یہ لوگ توپ و تفنگ اور ہتھیاروں سے لڑنا جانتے ہیں۔ ہاتھ پیروں کی لڑائی کا ان میں دم خم نہیں ہوتا۔''

''چیونٹی بھی پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔ وہ چھ فٹا انسان ہے۔ شروع سے آخر تک کسی چوہے کی طرح ڈرا سہما رہا۔''

''میری انگلیاں کاٹنے کی کوشش اس نے بھی کی تھی مگر ناکام رہا۔''

''آج اس کے ستارے گردش میں تھے۔ اگر گاڑی ڈرائیور کے قابو سے باہر ہو کر نہ الٹتی تو ہم اسے اتنی آسانی سے زیر نہ کر پاتے۔''

''سلطان شاہ! خدا کا شکر ادا کرو کہ ہمیں اس مہم میں سرخ روئی حاصل ہوئی۔ اسے ذرا سا بھی موقع مل جاتا تو وہ ہمیں

Downloaded from https://paksociety.com

مارنے سے نہ چوکتا۔'' میں نے اسے احساس دلایا۔'' یہ مزے اڑانے والی مہم نہیں تھی۔ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس کے اثرات بہت دور رس ثابت ہوں گے اور ایک آدھ روز میں سامنے آجائیں گے۔''

اس نے خاموشی اختیار کرلی اور پورے انہماک سے ڈرائیونگ میں مصروف ہوگیا۔

ہم گھر پہنچے تو وہاں نئی جیسی سفید ٹویوٹا کرولا ہماری منتظر تھی جس پر لگی ہوئی نمبر پلیٹ بتا رہی تھی کہ وہ گاڑی نئی نہیں تھی۔

''تم دونوں نے کمال کردیا۔'' سلطان شاہ نے اندر پہنچتے ہی ویرا اور غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا۔'' گاجر مولی کی طرح ذرا سی دیر میں گاڑی خرید کرلے آئیں!''

''یہ چیچو کی ملیاں نہیں، کراچی ہے۔'' ویرا نے اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ نچاتے ہوئے جواب دیا۔'' جیب میں پیسے ہوں تو ذرا سی دیر میں ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے گھٹنے کیوں ڈھیلے ہیں۔ کیا تیر مار کر آئے ہو۔''

''آج کی ذلت گیری زندگی بھر فراموش نہیں کرسکے گا۔'' سلطان شاہ نے فخر سے اپنا سینہ ٹھونک کر کہا۔'' ہم نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔''

گاڑی کی خریداری کا معاملہ ضمنی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیر دل کی بیوی کو ایک لاکھ روپے بھی بھجوا دیے گئے ہوں گے۔ اصل معاملہ گیری کا تھا۔ اس پر بات شروع ہوئی تو سلطان شاہ نے یوں چہکنا شروع کیا کہ میں حیران رہ گیا۔

راستے میں وہ مزہ نہ آنے کی شکایت کررہا تھا لیکن گھر پہنچتے ہی اس کا رویہ یکسر تبدیل ہوگیا تھا۔ وہ ہر بات کو مزے لے لے کر اتنی تفصیل سے بیان کررہا تھا جیسے اس نے گیری سے مقابلے کا ہر لمحہ سنسنی اور دلچسپی میں گزارا ہو۔

وہ میرے ساتھ تھا تو اس کی حالت اپنی ڈار سے بچھڑی ہوئی بھیڑ جیسی تھی جو ہراساں اور پریشان ہوجاتی ہے۔ سب کے ساتھ یک جا ہوتے ہی وہ دوبارہ اپنے رنگ میں آگیا تھا اور دونوں عورتوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

''وہ اس قدر بے بس ہوگیا تھا تو تمہیں اس کے ہاتھ پیر توڑ دینے چاہئے تھے۔'' گیری کی بے رحمانہ ٹھکائی کی تفصیل سن کر غزالہ نے منھ بھینچ کر کہا۔

''سب نہیں لیکن میں نے رائفل کی بٹ مار کر اس کی ایک پنڈلی کی ہڈی توڑ ڈالی۔ اب وہ دو تین مہینوں تک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوسکے گا۔''

''اس کے لئے یہ سزا کم رہے گی۔'' ویرا نے سنجیدگی سے اپنی رائے دی اور کہا۔'' امریکی فطرت سے تم واقف نہیں ہو۔ یہ اپنی گرفت میں آئے ہوئے مشتبہ قیدیوں سے نامعلوم مقامات پر ایسا گھٹیا سلوک کرتے ہیں کہ انسانیت شرما جائے۔ گیری بھی کچھ دیر کے لئے تمہارا ایسا ہی قیدی تھا۔ وہ مشتبہ نہیں مستند قانون شکن ہے۔ اس کے ساتھ ہر زیادتی جائز ہوتی۔ یہ رعایت کم نہیں ہے کہ تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا۔''

''تمہاری باتوں سے کبھی کبھی مجھے سہارا مل جاتا ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔'' میں نے مشتعل ہوکر اس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ اپنی اس حرکت پر میں اب تک نادم ہوں۔''

''تم امریکی سپاہی نہیں ہو اس لئے نادم ہو۔ وہ اپنے قیدیوں کے منہ پر پیشاب کرکے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ اس کارنامے کو فخر سے اپنے ساتھیوں کو سناتے ہیں۔'' ویرا جب بھی اپنے ہم وطنوں کے بارے میں لب کشائی کرتی تھی، نت نئے انکشافات کرتی تھی۔ اس وقت تک امریکیوں کی وہ حرکتیں باہر کی دنیا کے علم میں نہیں آئی تھیں۔

''اسے مار مار کر لہولہان کردیا، پنڈلی توڑ دی، منہ پر تھوک دیا اور تم پھر بھی مطمئن نہیں ہو۔ تم ہوتیں تو اس کے ساتھ اور کیا کرتیں!'' سلطان شاہ بولا۔

''ہاتھوں کے بجائے کسی پھٹے ہوئے جوتے سے اس کی مرمت کرتی!''

''وہاں مہلت نہیں تھی۔ تم پھٹا ہوا جوتا کہاں.....'' سلطان شاہ کا وہ تمسخر انہ فقرہ وہیں ادھورا رہ گیا کیونکہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

وہ کال سوبھراج کی تھی وہ میری طرف سے بھرا بیٹھا تھا۔ سلسلہ ملتے ہی پھٹ پڑا۔'' آج میں نے تمہیں بہترین موقع دیا تھا جو تم نے کھو دیا۔ تم فرنچ بیچ کیوں نہیں پہنچے!''

وہ روپوش اور گوشہ نشین تھا۔ میں حیران رہ گیا کہ اسے وہ خبر کیسے مل گئی۔

''وہ خبیث وہاں میرا انتظار کرتا رہا۔ دو بجے اس نے ریسٹ ہاؤس سے مجھے فون کیا کہ میں وہاں کیوں نہیں آیا۔''

''مجھے فرنچ بیچ کا جغرافیہ معلوم نہیں تھا ورنہ میں اسی وقت تم سے انکار کردیتا۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔'' تم وہاں کے محافظوں کو بھول گئے تھے۔ اسے مار کر میرا وہاں سے نکلنا ناممکن ہوجاتا۔ اس علاقے میں کسی کو قتل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔''

میں دل ہی دل میں یہ طے کرچکا تھا کہ اسے اپنے اور گیری کے تصادم کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ ان دنوں اس پر اپنی بڑائی جتانے کا بھوت سوار تھا۔ اس رو میں آکر وہ کسی بھی اخبار کو فون کرکے یہ بتا سکتا تھا کہ اس کے ایما پر ڈینی نے گیری

Downloaded from https://paksociety.com

کا حلیہ بگاڑا ہے۔

ویسے امریکی جو کچھ بھی کہتے رہتے مجھے اس کی پروا نہیں تھی لیکن دوٹوک انداز میں اپنا نام ملوث ہونا مجھے ذرا بھی پسند نہیں تھا۔ میں محتاط روی کی اس پالیسی سے سرمو بھی انحراف نہیں کرسکتا تھا جو میں نے جنرل اور جلال کے ساتھ طے کی تھی۔

''آسان نہیں ہے تو ناممکن بھی نہیں ہے۔'' وہ چیخ کر کہہ رہا تھا۔''میں ان لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانی چاہتا ہوں تاکہ وہ میرا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔ آج تم نے یہ موقع ضائع کردیا۔''

''سوبھراج! ہوش میں رہو اور اپنا لہجہ درست کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں اسے تادیب کی۔''میں شمیل کی طرح تمہارا زرخرید غلام نہیں ہوں جو تم مجھ سے اس لب و لہجے میں بات کررہے ہو۔ میں نے تمہیں ڈھیل اور آزادی دی ہوئی ہے۔ تم پر میرے کئی احسانات ہیں جن کا بوجھ تم کبھی نہیں اتار سکتے۔''

''اوہ! تم برا مان گئے۔'' میری کڑی تادیب پر اس نے جلدی سے کہا۔''تم نے ایک ہی سانس میں ساری باتیں گنا ڈالیں۔ میں تمہیں برا نہیں کہہ رہا تھا۔ تم کو اپنا سمجھ کر کھلے دل سے شکوہ کررہا تھا۔''

''ایسے ناز یا گلے شکوے مجھے پسند نہیں ہیں۔'' میرا انداز بدستور خشک رہا۔''تمہاری طرح میں اسے اپنا دشمن ضرور سمجھتا ہوں مگر میں نے اس کے بارے میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ یہ کہا تھا کہ آج کے لیے مجھے وقت نکالنا ہوگا۔ شاید تمہیں یاد ہو کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم ان سے ضرورت سے زیادہ ڈرے ہوئے ہو۔ ان کو تم سے ڈرانے کے لیے میں اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔''

''تم اب بھی ناراض معلوم ہورہے ہو۔ میری باتیں بری لگی ہیں تو مجھے معاف کردو۔ اس آڑے وقت میں، میں تم جیسے دوست کو کھونا نہیں چاہتا۔ گیری کو خاک میں ڈالو۔ اس کے لیے یہی ذلت کافی ہے کہ وہ شہر سے میلوں دور ایک لنگوٹ باندھے، میرے انتظار میں چلچلاتی دھوپ پھانکتا رہا۔''

''اب تم نے مردوں والی بات کی ہے۔'' میں نے اپنے لہجے میں سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔''آدمی میں حوصلہ ہو تو دشمن کو کبھی بھی زیر کیا جاسکتا ہے۔ بے وقوفی سے اپنی جان جوکھم میں ڈالنا عقل مندی نہیں ہوتی۔ وہ اب بھی میرا دشمن ہے۔''

''تمہاری باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے گیری ایک نہ ایک دن تمہارے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔''

''تم سے میری دوستی رہے یا نہ رہے، اس سے میری دشمنی باقی رہے گی۔ میں اپنے دشمنوں کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتا۔''

''یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ مجھ سے تمہاری دوستی کیسے ختم ہوسکتی ہے؟''

''تم نے دوبارہ کڑوی کسیلی باتیں کیں تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔''تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تلوار کا گھاؤ بھر سکتا ہے زبان کا گھاؤ کبھی نہیں بھرتا۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے حساس آدمی ہو۔ فون پر بات کرنے سے یہ سب معلوم نہیں ہوتا۔ آئندہ میں احتیاط سے کام لوں گا۔''

میں تم کو ملنے کی پیشکش کرچکا ہوں لیکن تم آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کی جائے تو ایک دوسرے کو سمجھنے کا بہتر موقع ملتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں مناسب وقت کے انتظار میں ہوں، ایف بی آئی والوں کا دباؤ ذرا کم ہو تو ہم ضرور ایک دوسرے سے ملیں گے۔ انہیں میرے آنے جانے کی بھنک مل گئی تو میرے ساتھ تم بھی مفت میں مارے جاؤ گے وہ تمہارے خون کے بھی پیاسے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں مگر میں ان سے نہیں ڈرتا۔ آزادی کے ساتھ شہر بھر میں بلکہ پورے ملک میں گھومتا پھرتا ہوں۔ آج تک وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔''

''مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ تمہاری شناخت کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تم گیری کے پاس سے گزر جاؤ تو بھی وہ تم کو شناخت نہیں کرسکے گا۔ میں ان کا دیکھا بھالا آدمی ہوں مجھے ہزاروں کی بھیڑ میں پہچان لیا جائے گا۔''

اس وقت اس نے حسن اور ذکی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ ان کے بارے میں بات کئے بغیر فون بند نہ کردے۔ میں نے اسے ٹریک پر لانے کے لئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔''تم نے اپنے لیے بہت بکھیڑے پالے ہوئے ہیں۔ سیاست میں آجانے کے بعد بھی تم ایف بی آئی اور راو غیرہ سے اپنا پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔''

''جوانی میں انسان اپنے عملی سفر کا آغاز کرتا ہے تو اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ آگے کہاں تک جائے گا۔ اس سے غلطیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اب میں پلٹ کر اپنے ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں تو پچھتاتا ہوں کہ میں نے وہ غلطیاں کیوں کی

Downloaded from https://paksociety.com

تھیں!''

''یہ بھی تو ممکن تھا کہ ان بڑی غلطیوں کے ارتکاب کے بغیر تم اس مقام تک نہ پہنچے ہوتے جہاں تم پہنچ چکے تھے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم نے بہت چبھتی ہوئی بات کہی ہے مگر میں اس کا برا نہیں مناؤں گا۔''

''الیف بی آئی تمہیں بھولنے پر آمادہ ہے نہ راوالے تمہارا پیچھا چھوڑ رہے ہیں۔ نیو خان ہوٹل سے بھاگنے والوں نے دوبارہ تم سے رابطہ کیا یا کہیں غائب ہو گئے؟'' میں نے مضطرب ہو کر اس سے وہ براہ راست سوال کر ہی ڈالا۔

''کل رات فون آیا تھا۔ انہوں نے اسی واقعے کی اطلاع دی تھی جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا۔ رات انہوں نے کسی کھلے پارک میں بسر کی ہوگی۔ میں نے انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ فقیرانہ بھیس اختیار کر کے کلفٹن پر عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر چلے جائیں۔ ان کا فون نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے میرے مشورے پر عمل کر ڈالا۔ وہاں ٹک کر وہ کسی اور ٹھکانے کا بندوبست کریں گے تو مجھ سے رابطہ کریں گے۔''

میں دل ہی دل میں اس پر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اس نے بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں کو خاصی موثر رہنمائی فراہم کی تھی۔ مزار پر آنے والے بے شمار زائرین اور عقیدت مندوں سے انہیں خاصی مالی مدد مل سکتی تھی۔

''مزار پر ان کا گزارہ تو ہو جائے گا، انہیں ہتھیار کون دے گا؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''یہاں تجربے کار لوگوں کو بھیجا جاتا ہے۔ مزار پر ان کے مقدر نے ساتھ دیا تو انہیں خاصا مال مل جائے گا۔ مال ہو تو بڑے شہروں میں انسان اپنی ضرورت کی ہر شے خرید لیتا ہے۔ ان دونوں سے میرا پیچھا چھوٹ جائے گا۔''

''ان کی رہنمائی کر کے تم نے سنگین بدعہدی کی ہے۔ انہوں نے شہر میں کوئی بھی گڑبڑ کی تو اس کا وبال تمہارے سر آئے گا۔''

''میں نے کوئی بدعہدی نہیں کی۔ وہ نیو خان ہوٹل والے تجربے سے خوف زدہ تھے اور ہر قیمت پر مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے اپنی جان چھڑانے کے لیے انہیں مزار پر جانے کا مشورہ دے دیا۔ میں انہیں نہ بتاتا تب بھی وہ اپنے لیے کوئی نہ کوئی ٹھکانا تلاش کر لیتے۔ وہ مشن پر آئے ہیں تو یہیں مرکھپ جائیں گے یا اپنا مشن پورا کر کے لوٹ جائیں گے۔''

''تم نے گیری کو فرنچ بیچ پر آنے کا مشورہ دیا تھا تو ان دونوں کو ملاقات کے بہانے جہانگیر پارک میں بھی بلا سکتے تھے۔ میں انہیں وہیں چھاپ لیتا۔''

''یہ بات میرے دماغ میں نہیں آئی۔ آج کل کے حالات نے میرا ذہن ماؤف کیا ہوا ہے۔ وہ دونوں ابھی تمہاری دسترس میں ہیں۔ مزار پر مل سکتے ہیں۔ دو چار روز گزر جانے کے بعد شاید وہ وہاں سے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔''

''وہ دونوں مٹی کے مادھو نہیں ہیں کہ میں جا کر انہیں پکڑ لوں۔ انہوں نے ایسی جگہ پر قبضہ کیا ہوگا جہاں سے وہ آسانی سے بھاگ سکیں۔ انہوں نے مجھے دیکھا ہوا ہے وہ دور سے مجھے پہچان کر کہیں بھی نکل جائیں گے۔''

''ڈینی! اب اتنی بے بسی ظاہر نہ کرو۔ تم اپنے آدمیوں کو اس کام پر لگا سکتے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے بہت سے لوگوں کو پالا ہوا ہے۔''

''تمہاری عقل پر شاید کہر جم رہی ہے۔ ان دونوں کو میں نے دیکھا ہوا ہے۔ میرے آدمی بدلے ہوئے حلیے میں انہیں کیسے پہچان سکیں گے!''

''میں نے تو انہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔'' اس کی تشویش زدہ آواز ابھری۔'' فون پر ان میں سے ایک کی آواز سنی ہے۔''

میں نے اسے مزید ملامت کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ تحکم آمیز مزاج کا مالک تھا۔ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے میری تلخ باتیں برداشت کر رہا تھا۔ کسی بھی لمحے اس کے دماغ پر بالادستی کا وائرس سوار ہو جاتا تو اس سے بات بگڑ سکتی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس نے ان دونوں کو مزار پر ڈیرا ڈالنے کا مشورہ دے کر میرا کام خاصا آسان کر دیا تھا۔ وہ ان کو وہ راہ نہ دکھاتا تو کراچی جیسے وسیع و عریض انسانی سمندر کو کھنگال کر ان دونوں کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ ہوتا۔

سوبھراج کے کہنے کے مطابق وہ اس وقت واقعی ہماری دسترس میں تھے۔ مزار کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر ہم اپنے سارے وسائل وہیں مرکوز کر دیتے تو را کے ایجنٹ وہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

''تم نے انہیں نہیں دیکھا۔ میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہے مگر وہ دونوں مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ مجھ سے سامنا ہوتے ہی وہ بھڑک جائیں گے۔ یہ بتاؤ کہ یہ معمّا کیسے حل ہوگا۔''

''میری عقل کام نہیں کر رہی۔'' اس کی آواز سے

Downloaded from https://paksociety.com

یکا یک تھکن مترشح ہونے لگی۔ ''اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو تم کو اس کا توڑ کرنا ہوگا۔''

میں نے چند لمحوں کے لیے دانستہ خاموشی اختیار کرلی۔ میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا جیسے میں سوچ میں پڑ گیا ہوں پھر میں نے پوچھا۔ ''ان دونوں کے پاس ورڈز کیا ہیں؟''

''کیسے پاس ورڈز؟'' اس کی تحیر زدہ آواز سے بے ساختگی جھلک رہی تھی۔

''اتنے انجان نہ بنو۔ ہرایرا غیرا تم سے فون پر را کا ایجنٹ بن کر بات نہیں کرسکتا۔ ان دونوں کی کوئی نہ کوئی خفیہ شناخت ضرور ہوگی۔''

تم یقین کرو کہ میرے فرشتوں کو بھی ان کی آمد کا علم نہیں تھا پھر مجھے کوئی پاس ورڈ کیسے پتا چلتا۔ آنے والے ہمیشہ سے اچانک آتے ہیں۔ وہ سب اپنے لیے کے ٹو یعنی کو برا ٹو کا کوڈ استعمال کرتے ہیں اور میرے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ کرکے کو برا کو پوچھتے ہیں۔ یہ تین باتیں یہ جاننے کے لیے کافی ہوتی ہیں کہ بولنے والا میرے اعتماد کا آدمی ہے۔''

''پھر کے ٹو ہی ان کا پاس ورڈ ہوا نا!'' میں نے کہا۔

''ان کا نہیں، یہ ہر را والے کا کوڈ ہوتا ہے۔''

میں دیکھتا ہوں کہ ان دونوں کی تلاش کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔''

''تمہیں تیزی سے کام لینا ہوگا۔ انہیں بارود یا بموں کے بجائے ٹیلی اسکوپک رائفلوں کی ضرورت تھی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں دہشت گردی سے پہلے کسی خاص ہدف پر وار کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں.....''

''یہ بات تم نے پہلے نہیں بتائی تھی!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

''مجھے دھیان تھا اور نہ تم نے اس بارے میں کچھ پوچھا تھا۔ مجھے ابھی ابھی خیال آیا ہے کہ کہیں وہ کسی اہم شخصیت کو مارنے کے مشن پر نہ آئے ہوں۔''

''دیکھو سوبھراج! تمہاری پوزیشن بہت نازک ہوگئی ہے۔ اچھی طرح سوچ لو۔ کوئی اور خاص بات رہ گئی ہو تو وہ بھی بتا ڈالو۔ ان دونوں کے گرفت میں آنے کے بعد کوئی نئی بات سامنے آئی تو تم اپنا اعتماد کھو دو گے۔''

''میری ایک بات ذرا دھیان سے سن لو!'' سوبھراج کی آواز ملتجیانہ ہوگئی۔ ''میں جان بوجھ کر تم کو چکر نہیں دیتا۔ آج کل پریشانیوں کی وجہ سے میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔ اس وجہ سے کوئی بھول چوک ہوجائے تو تمہیں فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اسے درگزر کردینا چاہئے۔ میں نے تمہیں دوست مان لیا ہے تو اب آخری دم تک اس دوستی کو نبھاؤں گا۔ میرا خیال ہے کہ اب ان دونوں کی کوئی خاص بات باقی نہیں رہی۔''

''کل رات تم نے جان بوجھ کر مجھے چکر دیا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''ایسا نہیں ہے۔ تم کو کوئی بھول ہوگی!'' اس نے اپنا دفاع کیا۔

''میں کام کی باتیں دس برس میں بھی نہیں بھولتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پہلے تم نے ان دونوں کے پتے ٹھکانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تم نے اگل دیا کہ وہ نیو خان ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تم جب چاہتے ہو اپنی کینچلی بدل لیتے ہو۔''

''میں نے تمہاری الزام تراشی صبر اور خاموشی سے سن لی اب تم بھی میری بات پوری ہونے دو۔ وہ کل شام ڈھلے کی بات ہے۔ میں نے ان بن بلائے مہمانوں سے گھبرا کر تمہیں فون کیا تھا۔ اس وقت تک میں تم کو اپنا دشمن سمجھ رہا تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہ حسن اورزئی نے میری کسی مدد کے بغیر اپنے وسائل سے کوئی واردات کرڈالی تو تم اسے میرے کھاتے میں شمار کرکے مجھ سے خفا ہوجاؤ گے۔ میں نے سوچا کہ ایسا برا وقت آنے سے پہلے تم کو ان کے بارے میں خبردار کردوں اس وقت تک مجھے تمہاری نیت کا اندازہ نہیں تھا۔ تم سے میری سرد جنگ چل رہی تھی اور میں تم سے ڈرا ہوا تھا اسی لیے میں نے دونوں کا پتا نہیں بتایا لیکن تم سے دیر تک باتیں ہونے کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ تم میرے خیر خواہ ہو۔ وہاں سے ہماری دوستی کی ابتدا ہوئی اور میں نے تمہیں ان کا پتا بتا دیا۔ اس کے بعد میں نے تم سے کوئی ہیر پھیر کیا ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں اپنی غلطی مان لوں گا۔ اس کے بعد تم نے رات کو فون کیا تو میں نے کھل کر تمہیں گیری کے بارے میں بتا دیا۔ کوئی بات راز نہیں رکھی۔''

''میں نے تمہاری اس لمبی تقریر میں کوئی دخل اندازی نہیں کی، میں مانے لیتا ہوں کہ تم صحیح کہہ رہے ہوگے۔ اب ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالو، ان دونوں کے بارے میں تم خاص باتیں بتا چکے ہو اب عام باتیں بھی بتا ڈالو۔''

''تم کو وکیل ہونا چاہئے تھا۔ تم ایک ایک لفظ کو پکڑتے ہو۔'' اس نے شکایتی انداز میں کہا۔ ''ان لوگوں کے لیے کو برا ایک بہت بڑا نام ہے۔ سب آنے والے میرا ادب کرتے ہیں۔ میں ان کو زیادہ منہ لگاتا ہوں نہ ان سے فالتو بات کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے مدد کے طلب گار رہتے ان کی زبان میں مدد کا

Downloaded from https://paksociety.com

مطلب روپیا اور ہتھیار ہوتے ہیں۔ ہتھیاروں کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ انہیں ٹیلی اسکوپک رائفلوں کی ضرورت ہے۔ وہ بے آواز ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا.....''

''پہلے تم نے بے آواز کا ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔'' میں نے بات کاٹ کر اسے وہیں ٹوک دیا۔

''ہاں' شاید میں بھول گیا تھا۔'' اس نے اعتراف کیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''ان رائفلوں کے ساتھ انہیں طاقت ور دوربینیں بھی درکار ہیں۔ ان کی یہ ضروریات صاف چغلی کھا رہی ہیں کہ اس بار وہ کوئی نیا پلان لے کر آئے ہیں۔ وہ یہاں کسی بھی بڑے آدمی کو اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔''

''بے آواز رائفلیں اور دوربینیں اسی کام آسکتی ہیں۔ کراچی ویسے ہی آج کل جوالا مکھی بنا ہوا ہے۔ تم نے محمود آباد کے مندر کو آگ لگوا کر شہر میں مذہبی منافرت کو ہوا دینے کی بھیانک کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔''

''مجھے میرے پرانے گناہوں کے حوالے دے کر نادم نہ کرو۔'' اس نے قطع کلامی کر کے احتجاج کیا۔ ''اب میں ماضی کی کتاب بند کر چکا ہوں۔ زندہ رہنے کے لیے میں نے تمہارے ساتھ مل کر اپنی نئی زندگی کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کی ہے۔''

''میں تمہیں طعنہ نہیں دے رہا تھا' حقیقت بتا رہا تھا۔ تم اس شہر کے پرانے باسی ہو اور سیاست میں رہے ہو۔ تم شہر کی نبض کو پہچانتے تھے۔ تم نے کمزور پہلو پر وار کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس شہر میں فرقہ وارانہ' مذہبی' لسانی اور سیاسی نفرتیں عروج پر ہیں۔ کوئی بھی شر پسند کسی ایک فریق کے کسی اہم فرد کو نشانہ بنا کر دوسرے فریق کو آسانی سے اشتعال دلا سکتا ہے۔ بھس میں ایک مرتبہ چنگاری ڈال دی جائے تو شعلوں پر قابو پانے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔''

''تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔'' اس کی پر خیال آواز ابھری۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ اسی مشن پر یہاں آئے ہوں۔''

''شاید تمہیں برا لگے لیکن میں پھر پرانی بات چھیڑنے پر مجبور ہوں۔ جب تک جڑوں کو نہ کریدا جائے اصل بات سامنے نہیں آسکتی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کی نیت جو کچھ بھی رہی ہو' اس کا وہ پر خیال لب و لہجہ سن کر مجھے گمان ہوا تھا کہ حسن اور ذکی کے عزائم کے بارے میں میری باتیں سن کر اسے اندرونی آسودگی حاصل ہوئی تھی۔ راج محل کو جلانے کے بعد اس نے شہر کے امن و امان کو تہ و بالا کرنے کی جو وحشیانہ دھمکیاں دے تھیں' حسن اور ذکی کے عزائم ان ہی کو عملی صورت دیتے نظر آرہے تھے۔

''اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے پھونک دینے کے بعد تم بہت مشتعل تھے۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔'' شہر کو شعلوں کی نذر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اس وقت اشتعال اور غصے کے عالم میں تم نے راکے کسی بڑے افسر سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہو۔''

''اس وقت میرے اوپر دیوانگی طاری ہو چکی تھی۔ جس شخص نے ساری زندگی شاہانہ ٹھاٹ سے بسر کی ہو' وہ اچانک فٹ پاتھ پر آجائے تو اس کی کیا حالت ہوسکتی ہے۔ وہی حال میرا تھا۔ پھر بھی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے ایسی کوئی بات کی ہو۔ اگر ذرا سی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ میرے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نکل گئی ہو تو اس کا حسن اور ذکی کی آمد سے بھلا کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔''

''مجھے ایک موہوم سا خیال آیا ہے کہ کہیں وہ تمہاری پرانی آرزو کی تکمیل کے لیے نہ آئے ہوں۔''

''نہیں ڈینی! مجھے ایسا الزام نہ دو۔'' اس کی آواز میں ایک مدافعانہ تڑپ تھی۔ ''میرے بلاوے پر آنا ہوتا تو وہ اسی وقت آئے ہوتے۔ نہیں' نہیں ان کا میرے پرانے خیالوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اتنے دنوں میں تو چتا کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جاتی ہے' آدمی کا جھاگ جیسا غصہ کہاں برقرار رہ سکتا ہے۔''

''سوبھراج! میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔'' میں نے بہت رسانیت اور نرمی سے کہا۔ ''اس وقت ہم ایک دوسرے پر الزام تراشی نہیں کر رہے۔ میں راکے ایجنٹوں کی آمد کے بارے میں کسی منطقی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری اس کوشش کا سارا گند میری ذات پر گر رہا ہے۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ میرے کہنے پر آنا تھا تو وہ اس وقت کیوں نہیں آئے' اتنے دنوں بعد یہاں جھک مارنے کیوں آئے ہیں؟''

''تم بلاوجہ چڑ رہے ہو' وہ وقت ان کے لیے مناسب نہیں تھا۔ سیتا کانت ماری جا چکی تھی اور گوپال راج پکڑا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے اس بلیک کیٹ کو واپس لینے کے لیے بات چیت کا ڈول ڈالا ہوا تھا۔ وہ راکے نئے آدمیوں کو بھیج کر گوپال کی واپسی خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔ ان کے لیے گوپال کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہو جاتا ہے کہ اس کے بدلے میں انہوں نے سات پاکستانیوں کو آزاد کیا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''تم بلاوجہ اس بات پر اپنا دماغ لڑا رہے ہو' میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی بھارتی سے کوئی ایسی بات کی ہو۔'' وہ تلملا رہا تھا۔

''مجھے اپنی بات پوری کر لینے دو!'' اس بار میں نے قدرے سختی سے کہا ''تم نے مجھے دوست کہا ہے تو تمہیں میری ہر بری اور بھلی بات سننی پڑے گی۔ یہ سب میں تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ تمہارا برا چاہتا تو اب تک تمہیں مار چکا ہوتا۔''

میرا وہ آخری جھوٹ پھر کارگر رہا۔ اس کی اکتائی ہوئی آواز ابھری۔ ''کہو کہو..... تم کہے جاؤ۔ میں خاموشی سے سن رہا ہوں۔''

''میں کہہ رہا تھا کہ وہ وقت ان کے لیے سازگار نہیں تھا تمہاری کہی ہوئی بات کسی کے دماغ میں اٹکی رہی۔ پاکستانی قیدیوں سے گوپال کا تبادلہ ہوتے ہی ان کے ہاتھ کھل گئے اور انہوں نے تمہارے منصوبے کی تکمیل کے لیے اپنے دو آدمی بھیج دیے۔ ان کو یہ پتا نہیں ہے کہ گزرے ہوئے دنوں میں تم اپنے ماضی سے تائب ہو کر کچھ نئے دور رس فیصلے کر چکے ہو۔ ان کے لیے تم وہی خون خوار سوبھراج ہو جو اپنا گھر جلانے کے بعد پورے شہر کو پھونک دینا چاہتا تھا۔ یہ آنے والے دونوں آدمی بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہیں۔''

''یہ انطق منطق نہیں ہے۔ میری کسی سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ میرے بلانے پر یہاں نہیں آئے ہیں۔ میں یہ بات مانتا ہوں کہ ان کا آنا خطرے کی گھنٹی ہے' اس گھنٹی بلکہ گھنٹے کی آواز میں نے خود تمہیں سنائی ہے۔''

''تم سنانے پر مجبور تھے۔ تمہیں معلوم تھا شہر میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں تمہارے پیچھے لگ جاؤں گا۔ میں نے اسی ایک شرط پر تمہیں چھوٹ دی تھی اور پوری شرافت سے اپنے وعدے پر عمل کر رہا تھا۔''

''تمہاری یہ بات کسی حد تک ٹھیک ہے' میری نیت کا حال میرا بھگوان جانتا ہے مگر تم کو یوں ہی سوچنا چاہئے۔''

''راوالوں کے لیے کوبرا یہاں کا ایک بہت بڑا اور بھرم والا نام ہے۔ تم نے انہیں ٹالنے کے لیے یہ چھوٹی بات کیوں کہی کہ تم خود مشکلات میں گھرے ہوئے ہو اس لیے ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟''

''کوبرا کا سارا بھرم راج محل کے ساتھ خاک میں مل گیا۔ یہاں کے اخبار والے ذلیل اور راشی ہیں۔ انہوں نے میرے خلاف جھوٹی سچی کہانیاں چھاپ کر ایک ناپاک مہم چلائی ہوئی ہے۔ سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ کوبرا کون تھا۔ یہ بات حسن کو بھی معلوم ہو چکی ہوگی۔ یہ اس کی مہربانی تھی کہ اس نے پھر بھی مجھے کوبرا ہی کہا۔ مجھے میرے نام سے نہیں پکارا۔ اب یہ جھوٹا کھیل بے کار ہو چکا ہے۔ راوا لے یہاں آتے ہیں تو زبردست بریفنگ لے کر آتے ہیں اور تازہ ترین حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔''

وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ اس کی تضاد بیانی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ وہ ایک ہارتے ہوئے مجرم کی ہرزہ سرائی تھی جسے کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی تھی۔ ایک طرف وہ اخبارات کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور دوسری طرف یہ اعتراف بھی کر رہا تھا کہ اخباری اطلاعات کی بنیاد پر سب کو اس حقیقت کا علم ہو چکا تھا کہ وہی کوبرا بنا ہوا تھا۔

''تم اسے ادب اور احترام کہہ رہے ہو' میرا خیال ہے کہ وہ جان بوجھ کر بن رہا تھا۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''کوبرا کہہ کر وہ تم سے ہمدردی کے طلب گار ہو سکتے ہیں۔ سوبھراج سے وہ کیا لیں' اپنے اصل روپ میں تم ان کے لیے یکسر اجنبی ہو۔''

''میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم ہر بات میں فوراً منفی پہلو نکال لیتے ہو۔'' تھکی ہوئی اور خفت آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔ ''ویسے آج کا دن میرے لیے بہت برا ثابت ہوا۔ تم نے گیری سے نجات پانے کا ایک نادر موقع ضائع کر دیا۔ رہی سہی کسر تم نے یہ الزام لگا کر پوری کر دی کہ راکے ایجنٹ میرے ایما پر یہاں آئے ہیں۔''

''اپنی جان کے خطرے کی وجہ سے میں نے فرنچ بیچ کا رخ نہیں کیا لیکن آج دل بھر کر گیری کو کوسا ہے۔ میری بددعائیں بارآور ہوئیں تو اس کی گاڑی کو کوئی حادثہ پیش آئے گا اور وہ سیدھا جہنم واصل ہو جائے گا۔''

''انسان اپنے بدترین دشمن کو کوسنے پر اتر آئے تو وہ اس کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں میں بھی اس عذاب سے گزرتا رہا ہوں۔ اکثر تمہیں اور ایف بی آئی والوں کو کوستا رہتا تھا۔ تم دونوں نے مل کر مجھے اس حال کر پہنچایا ہے۔'' اپنی حالت زار کا اعتراف کرتے ہوئے وہ کھوکھلی اور شکست خوردہ آواز میں ہنس رہا تھا۔

''اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے مجھ تک رسائی کے چکر میں ویرا کو پکڑ کر اپنی خفیہ قید میں نہ رکھا ہوتا تو آج تمہیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ ایف بی آئی والوں نے وہیں سے تمہارا پیچھا لیا ہے۔ ویرا کو اور مجھے وہ بیٹی داماد سمجھتے ہیں جن پر دوسروں کا حق جتانا ان کے لیے ذرا بھی قابل برداشت نہیں ہے۔''

''کیا تم نے ویرا سے دوسری شادی کر لی ہے؟'' اسے

Downloaded from https://paksociety.com

یکا یک ایک بے تکا سوال سوجھ گیا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تم نے مکاؤ میں کسی لڑکی سے شادی کی تھی۔ تمہارے مذہب میں مرد کو ایک وقت میں چار شادیوں کی اجازت ہے۔''

''اپنی بدخیالی پر توبہ کرو۔ وہ میری دوست ہے اور بس!'' میں نے کن انکھیوں سے ان تینوں کا جائزہ لیتے ہوئے نیچی آواز میں کہا۔

سوبھراج بہت کائیاں تھا۔ میرے لہجے کی تبدیلی پر چونکی ہوئی آواز میں بولا ''تمہاری آواز اتنی دھیمی کیوں ہوگئی؟ کیا وہ پاس ہی موجود ہے؟''

''پاس اور دور سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے نارمل آواز میں محتاط رہ کر جواب دیا۔ کیونکہ میرے لہجے کی تبدیلی پر وہ تینوں بھی چونک گئے تھے۔ میں نے موضوع بدلنے کے لیے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ان باتوں کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ آدمی دل پر رکھ لے تو پھر دوست ہو یا دشمن' وہ دنیا کے آخری سرے پر بھی اسے تلاش کر لیتا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ ان دونوں کے بارے میں مجھے کسی اچھی خبر کا انتظار رہے گا۔''

''تو کیا تم مزار پر دکھے بھال کا ارادہ نہیں رکھتے؟'' وہ میری چال میں آکر اس نازک موضوع سے بھٹک گیا جو مجھے بے آرام کر رہا تھا۔

''میں تمہیں مسائل سے آگاہ کر چکا ہوں پھر بھی جو کچھ ہو سکے گا وہ ضرور کروں گا۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہاں گداگروں اور سائلوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ ان میں دو افراد کو تلاش کرنا آسان نہیں ہوگا۔ ہاں' ایک بات ذہن میں ضرور رکھنا۔ میں نے تم پر کوئی الزام تراشی نہیں کی ہے۔ تمہارے ماضی کے حوالے سے چند ناگزیر باتوں کا ذکر کرنا پڑا ہے جو تمہاری بدقسمتی سے کچھ تلخ تھیں۔''

''میرا دل صاف ہے، آج جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا، تم سے میری ایک گزارش ہے کہ آئندہ میرے ماضی کا کوئی ذکر نہ کرنا میں اسے دفن کر چکا ہوں اس تذکرے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔''

میں اس کی ہاں میں ہاں ملا کر رہ گیا۔ میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اسے بہ نفس نفیس دفن کئے بغیر اس کے ماضی کی تدفین ممکن نہیں تھی۔

''ویری گڈ!'' بات ختم ہونے پر ویرا نے استہزائیہ انداز میں ہولے ہولے ہتھیلیاں بجا کر کہا ''مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ تم نے کسی اُلو کا دماغ پایا ہے۔ گھنٹوں بے تکان بولتے رہتے ہو اور پھر بھی تمہارا دماغ کام کرتا رہتا ہے۔''

''اپنے بیان پر نظر ثانی کر لو۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔ ''تم نادانستگی میں ڈینی کی تعریف کر گئی ہو۔ مغرب میں الو کو عقل و دانش کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔''

''میں پاکستان میں ہوں اور اردو بول رہی ہوں۔'' ویرا مسکراتے ہوئے بولی ''میں مقامی الو کی بات کر رہی تھی۔ اس کا مغربی تصور سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔''

''الو کی مادہ کو کیا کہتے ہیں؟'' سلطان شاہ نے سادگی سے پوچھا۔

''الو ہی کہتے ہیں' کیا انسانوں سے مایوس ہو کر اب الو کی مادہ پر گزارہ کرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔'' ویرا کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔

''پالتو جانوروں کے ساتھ ایسے رشتے مغرب میں استوار کئے جاتے ہیں' ہمارے یہاں اس کا رواج نہیں ہے۔'' سلطان شاہ نے بے دھڑک ایک نہایت کڑوی بات کہہ ڈالی۔ ویرا نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کرنے کی کوشش کی لیکن سلطان شاہ نے اپنی آواز اونچی کر کے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اپنی بات کہتا رہا۔ ''تمہارے لیے مجھے کوئی ایسا نام سوچنا ہوگا جس سے جنس کا صحیح پتا چل سکے۔ تمہارے لیے الو کی مادہ کا نام خاصا طویل رہے گا۔''

''تم نے پھر الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں!'' غزالہ نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا۔

''ایسے معاملوں کا افتتاح ویرا خانم کی مبارک زبان سے ہوتا ہے۔ اس نے ڈینی کو الو کہہ کر مجھے راہ دکھائی تھی میں نے اسی کی کہی ہوئی بات آگے بڑھائی ہے۔''

''آخر میں سوبھراج سے آپ کی کیا بات ہو رہی تھی؟'' سلطان شاہ کا جواب سن کر غزالہ نے مجھ سے سوال کیا اور میں قدرے پریشان ہو گیا۔ اس کے الفاظ سپاٹ اور سیدھے تھے لیکن اس کے لہجے میں کوئی ایسی غیر معمولی بات تھی جس نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔

''راداوالوں کے بارے میں بات ہوتی رہی تھی۔'' وہ جواب دیتے ہوئے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ غزالہ اس وضاحت سے مطمئن نہیں ہوگی۔

''ایف بی آئی اور ویرا کے حوالے سے آپ نے کچھ کہا تھا۔''

ویرا ہنس پڑی اور بے پروایانہ انداز میں بولی ''بیٹی اور داماد والی اس بات سے میں کافی محظوظ ہوئی تھی۔ وہ ہم دونوں کو مارنے اور رگڑنے کے بارے میں بہت حساس ہیں۔ سارے کام خود کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

Downloaded from https://paksociety.com

انہوں نے ہمیں کسی عالمی مافیا سے خرید لیا ہو اور اب ہماری قضا وقدر کے مالک بن گئے ہوں۔''

''کیا میری وہ بات تمہیں ناگوار گزری ہے؟'' میں نے غزالہ سے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا'' اس سے تلخ وترش گفتگو ہونے کے بعد میں ذرا ہلکی پھلکی بات کر کے اسے ٹھنڈا کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ مذاق کی ایک بات بھی تمہیں اس کا.....''

''مجھے وہ بات ذرا بھی ناگوار نہیں لگی۔'' غزالہ نے ایک عجیب سی ہنسی کے ساتھ کہا'' بلکہ خوشی ہے کہ آپ نے اپنی زبان پر آنے والی بات دوٹوک انداز میں کہہ ڈالی۔ آپ چاہیں تو اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ میری طرف آپ دونوں کو اجازت ہے۔''

''ہرگز نہیں!'' غزالہ کے تیور بھانپ کر سلطان شاہ نے اونچی آواز میں نعرہ لگایا۔'' ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں' مذاق میں کہی ہوئی ایک بات کو مذاق ہی رہنا چاہئے۔ کسی نے بھی اس گاڑی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تو میں پٹری پر لیٹ جاؤں گا' اپنی جان دے دوں گا لیکن ایسا نہیں ہونے دوں گا۔''

سلطان شاہ کا اندازہ اس قدر تمسخرانہ تھا کہ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہنسی کا سلسلہ تھما تو ویرا نے بڑھ کر غزالہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور بہت اپنائیت سے بولی'' تم مسکرا رہی ہو لیکن میں تمہاری اس مسکراہٹ کے پیچھے چھپا ہوا ملال محسوس کر رہی ہوں۔ عورت مذاق میں بھی اپنے سہاگ کی حصے داری برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ اس کی فطرت ہے تم یقین کرو کہ میرے اور ڈینی کے درمیان گہری دوستی سے زیادہ اور کوئی رشتہ اب باقی نہیں رہا۔ میں ذرا آزاد خیال ہوں ہو سکتا ہے کہ میری بے تکلفی تمہیں گراں گزرتی ہو۔ تم کہہ دو تو میں اس بارے میں بھی احتیاط سے کام لوں گی' مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی میں بے اختیار ہو کر حد سے تجاوز کر جاتی ہوں۔''

ویرا کی اس صاف گوئی پر غزالہ کی آنکھیں اندرونی مسرت سے جگمگا اٹھیں اور اس نے بھی ویرا کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

میری دانست میں غزالہ کو ویرا کے ان معذرتی فقروں پر اخلاقاً وضاحت کرنی چاہئے تھی کہ اس کا وہ مقصد نہیں تھا جو ویرا سمجھ رہی تھی لیکن اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کی باتوں کو اس نے اقرار جرم پر محمول کیا تھا اور جرم کے اعتراف پر کسی رسمی دلاسے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

''تم لوگ فضولیات میں الجھ گئیں۔'' سلطان شاہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔'' ان باتوں میں وقت برباد ہوتا رہا تو راوا لے کچھ بھی کر گزریں گے۔''

''ان کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟ ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

''تم لوگوں نے ساری باتیں اپنے کانوں سے سن لی ہیں۔ میں حقیقت میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گوپال کے تبادلے کے فوراً بعد آنے والے سوبھراج کی فرمائش پر آئے ہیں مگر ذرا دیر سے آئے ہیں۔ اب سوبھراج کا اونٹ پہاڑ تلے آچکا ہے اس کو اندازہ ہو گیا ہے کہ زندہ رہنے کے لیے اسے کسی نہ کسی سے مفاہمت کرنا پڑے گی۔ وہ سب سے لڑتا رہا تو اس کی زندگی کا دورانیہ کسی بھی لمحے ختم ہو جائے گا۔''

''تم نے اس کے ماضی پر رکھ کر اپنی پوری بات اسے سمجھا دی۔'' ویرا نے توصیفی لہجے میں کہا'' یہ بتاؤ کہ حسن اور ذکی کے بارے میں کیا کیا جائے۔''

''اگر انہوں نے سوبھراج کے مشورے پر عمل کیا ہے تو ان کو کلفٹن پر عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر ہونا چاہئے۔ مجھے اور سلطان شاہ کو وہاں جانا ہوگا کیونکہ ہم دونوں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہوا ہے!'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تم نے دوسرے کو بھی دیکھا ہوگا۔ اس نے اڑنگا مار کر تمہیں گرایا تھا۔'' سلطان شاہ بولا۔

''نہیں۔'' میں نے اپنے سر کو مایوسی سے جنبش دیتے ہوئے کہا'' وہ کسی چھلاوے کی طرح پیچھے سے آیا تھا اور مجھے گراتا ہوا آگے بھاگتا چلا گیا تھا اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ پشت سے اتنا ضرور نظر آیا کہ اس کے شانے پر ایک مختصر سا کالا بیگ جھول رہا تھا۔''

''آپ سوبھراج سے صحیح کہہ رہے تھے۔ آپ اسے پہچانیں گے تو وہ بھی آپ کو شناخت کر لے گا۔'' غزالہ نے فکر مندی سے کہا۔

''میں اسی حلیے میں وہاں جاؤں گا۔'' میں نے اپنی بے ترتیب داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا'' جب گیری جیسا چالاک آدمی مجھے نہیں پہچان سکا تو وہ بھی دھوکا کھا سکتے ہیں۔''

''اس حلیے میں تم واقعی کوئی خطرناک ڈاکو لگ رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری کسی کامیابی سے پہلے پولیس تمہیں دھر لے۔'' ویرا بولی۔

''مزاروں پر ہر طرح کے لوگ اپنی منتیں اور مرادیں لے کر آتے ہیں ان میں چور' ڈاکو' قاتل اور اسمگلر بھی شامل ہوتے ہیں۔ پولیس والے یہ بات جانتے ہیں اس لیے مزاروں سے دور رہتے ہیں مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''تم تو فیڈرل کا سڑو کے بھتیجے بن گئے ہو' میرا کیا ہوگا؟'' سلطان شاہ کراہا۔

''وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔'' ویرا بے ساختہ بولی ''تم بھی اپنے حلیے میں تھوڑی بہت تبدیلی کر لینا تم پاگل کا روپ بھی دھار سکتے ہو' لوگ پاگلوں کو علاج کے لیے نفسیاتی ماہروں کے بجائے زیادہ تر مزاروں پر لے جاتے ہیں۔''

''صرف بال بکھیر لو تو تم خود پاگل نظر آنے لگو گی۔'' وہ ویرا کی ہنسی سے چڑ کر بولا'' مجھے معلوم ہے کہ تم بھول کر بھی مجھے نیک مشورہ نہیں دو گی۔''

''میں تمہیں ہمیشہ اچھی راہ سجھاتی ہوں۔ اس کا کیا علاج کہ تم ہر راہ میں کیڑے نکال لیتے ہو۔ ڈینی نے تمہارا انتخاب کر لیا ہے تو تمہیں مزار پر جانا ہی ہوگا۔ یہ تمہاری مرضی ہے کہ دیوانہ بن کر جاؤ یا فرتانہ بنے رہو۔''

''آپ نے سوبھراج سے گیری والا واقعہ کیوں چھپا لیا'' غزالہ نے مجھ سے پوچھا'' اسی کا حشر جان کر وہ آپ کی کارکردگی سے مرعوب ہو جاتا۔ یہ اس کا مزید اعتماد جیتنے کا سنہرا موقع تھا۔ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔''

''وہ ایک پٹا ہوا مہرہ ہے اور اپنی بڑائی جتانے کے خبط میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اس معاملے میں وہ پیٹ کر اتنا ہلکا تھا کہ ذرا سی دیر میں اخبار والوں کو بتا دیتا کہ گیری کو اس نے میرے ہاتھوں پٹوایا ہے۔ یہ انکشاف ہمارے حق میں نہ جاتا۔ سرکاری سطح پر اس کے سنگین اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔''

''تم منع کر دیتے تو شاید وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرتا۔ تم سے بہت مرعوب ہو چکا ہے تمہارے مشورے کو مشکل سے نظر انداز کرتا۔'' ویرا بولی۔

''تم شاید کا لفظ استعمال کر رہی ہو۔ یہی کھٹکا میرے ذہن میں بھی ہے۔ میں اس کے بھنکنے کا ایک فیصد خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا۔ اس سے ذکر کرنے میں ایک اور اندیشہ تھا۔ اسے شکوہ ہوتا کہ میں نے پوری طرح غالب آنے کے باوجود اسے زندہ کیوں چھوڑا۔ شاید بحث میں' میں اسے خاموش کرنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اس کے دل میں گرہ پڑ جاتی کہ میں نے اس کے خون کے ایک پیاسے کو زندہ چھوڑ کر بہت بڑی رعایت دی ہے۔''

''ہاں..... آں!'' ویرا پرخیال انداز میں بولی۔'' تمہاری دوسری بات قرین قیاس لگتی ہے یہ رعایت اسے بہت گراں گزر سکتی تھی۔''

''تم نے اس سے بہت کچھ کہہ ڈالا اور بات کو سنبھال بھی لیا میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی تمہاری رفاقت کا قائل ہے تمہیں دغا نہیں دے گا۔''

''وہ بہت چالاک اور مکار شخص ہے۔ اس پر اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے مجھے بہت پھونک پھونک کر قدم بڑھانا پڑ رہا ہے۔ ایک بار اس پر سے میری گرفت کمزور ہوئی تو میرے قابو سے باہر ہو جائے گا۔ اس کے دل میں کیا ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''

سلطان شاہ نہانے کے ارادے سے اٹھ گیا۔ اسی وقت دین محمد نے کھانے کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نہائے بغیر کھانے کی میز پر نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ میرے ہاتھوں پر گیری کے خون کی چپچپاہٹ اس وقت تک موجود تھی۔

میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو میرے پیچھے غزالہ بھی اندر آ گئی۔ میں نے سنا کہ وہ ویرا سے میرے کپڑے نکالنے کا بہانہ کر کے آئی تھی۔

''تم نے ان دونوں کی موجودگی میں میری بات پکڑ کر اچھا نہیں کیا۔'' تخلیہ میسر آتے ہی میں اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا'' تمہیں اندازہ ہو جانا چاہئے تھا کہ میں نے سوبھراج سے وہ بات رواروی اور مذاق میں کہی تھی۔''

''میں معافی چاہتی ہوں کہ میری نشان دہی آپ کو ناگوار گزری۔'' اس نے بڑھ کر والہانہ انداز میں اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا'' میں اتنی نادان نہیں ہوں کہ سنجیدگی سے کہے ہوئے الفاظ اور مذاق میں امتیاز نہ کر سکوں۔ مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کی محتاط روی کے باوجود وہ اکثر آپ کے سر پر سوار ہونے کی کوشش کرتی ہے.....''

''سب کچھ سمجھتی ہو تو اس وقت زبان کھولنے کی کیا ضرورت تھی!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے اس کی پشت تھپکتے ہوئے کہا۔

''میں کافی دنوں سے گھات میں لگی ہوئی تھی لیکن اسے سبق سکھانے کی کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ آج موقع ملا اور میں نے آپ پر رکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ میں عقل سے پیدل سہی' ایک دانا اور بینا عورت ہوں۔''

''تم نے اس کی موجودگی میں مجھے دوسری شادی کی اجازت دے کر اچھا نہیں کیا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا'' وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔''

''وہ میرے اس کاٹ دار طنز کو نہ سمجھی ہوتی تو مجھ سے معافی نہ مانگتی۔ ایک بات کہہ کر میں نے اپنا سارا مفہوم اسے ذہن نشین کرا دیا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''اس وقت مجھ سے دور رہو!'' میں نے نرمی سے اسے الگ کرتے ہوئے کہا ''اس وقت میرے بدن میں گیری کے خون اور پسینے کی بو رچی ہوئی ہے۔ جب تک اس سے چھٹکارا حاصل نہ کرلوں، مجھے چین نہیں آئے گا۔''

''آپ کے بدن کی خوشگوار بو اس کی ساری بساند پر حاوی ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور میں غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

پانچ بجے جلال گھر پر آدھمکا اور آتے ہی پرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس وقت اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ داڑھی وغیرہ کے باوجود اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔

''تم واقعی اپنے قول کے دھنی ہو۔ گیری اب کئی ہفتوں کے لیے صاحب فراش ہو چکا ہے۔ وہ اپنے بستر سے بھی نہیں اٹھ سکے گا۔'' وہ مجھ سے معانقہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں یہ خبر کہاں سے اور کیسے مل گئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''گیری کی گاڑی میں بھی شاید چپ لگا ہوا تھا۔'' اس نے ایک نشست سنبھالتے ہوئے بتایا ''انہیں معاملہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ جب وہ گاڑی دیر تک ایک ہی جگہ رکی رہی اور انہیں اپنے آلات پر اس کے حرکت کرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تو قونصل خانے کے فرسٹ سیکریٹری نے پولیس کنٹرول سے رابطہ کر کے اندیشہ ظاہر کیا کہ ماری پور روڈ پر ان کے سینئر افسر کی گاڑی کو کوئی ناقابل فہم حادثہ پیش آ گیا ہے جس کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔''

''یہ کس وقت کی بات ہے؟'' میں نے درمیان میں سوال کیا۔

''پولیس کنٹرول کے ریکارڈ کے مطابق وہ کال دو بج کر اٹھائیس منٹ پر موصول ہوئی تھی!'' اس نے بتایا۔

میں سلطان شاہ کی طرف دیکھ کر جھرجھری لے کر رہ گیا

''اس وقت ہم دونوں اس منحوس سے برسر پیکار تھے۔ چپ کی وجہ سے پانچ دس منٹ میں انہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ گیری کی گاڑی سڑک پر رواں ہونے کے بجائے ایک جگہ رکی ہوئی ہے۔''

''پولیس اسکواڈ کے ساتھ ایدھی ایمبولینس وہاں پہنچی تھی۔ اس کے بعد قونصل خانے کا عملہ اپنی ایک ایمبولینس سمیت وہاں پہنچ گیا۔'' جلال بتا رہا تھا ''گاڑی الٹنے کے جھٹکے کی وجہ سے ڈرائیور کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ کافی دیر کی تلاش کے بعد پولیس پارٹی گیری کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوئی جو بے ہوشی کی حالت میں، مٹی کے ٹیلوں کے پیچھے خستہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔''

''ابھی صرف پانچ بجے ہیں۔ تمہیں اتنی تیزی سے یہ ساری خبریں کہاں سے مل گئیں؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے آدمی ہر وقت پولیس کنٹرول سے رابطے میں رہتے ہیں۔ پولیس کے ملوث ہو جانے کی وجہ سے مجھے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ پراسرار حالات میں ایک اہم غیر ملکی سفارت کار کا زخمی حالت میں ملنا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ابتدائی خبر سنتے ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ تمہارا منصوبہ کامیاب رہا ہے۔ گیری کی ایک ٹانگ بھی ٹوٹی ہوئی ہے۔''

''تمہاری یہاں آمد کا مطلب ہے کہ وہ قصہ تیزی سے نمٹا دیا گیا ہے۔''

''پچکی ہوئی کار کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ڈرائیور کی لاش کے ساتھ وہ گیری کو اپنی ایمبولینس میں لے گئے تھے۔''

''وہ کار اب پولیس کی تحویل میں ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

''پولیس کو انہوں نے کار کی تلاشی لینے سے بھی روک دیا۔ اس کی نمبر پلیٹ غیر سفارتی ہے لیکن وہ کار قونصل خانے کے نام پر رجسٹرڈ ہے۔ پولیس بے بس ہو کر رہ گئی۔ جائے واردات پر پہنچنے والے ڈی ایس پی کی رائے ہے کہ کار کے معائنے سے کئی اہم باتیں سامنے آ سکتی تھیں۔ اب ہر شخص اندھیرے میں ہے۔''

''گیری کیا کہتا ہے؟'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ شاید کل تک بھی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ آ سکے۔ پولیس رپورٹ کے مطابق اسے بہت بے رحمی سے مارا پیٹا گیا ہے۔ ابھی تک کسی نے اس واقعے کی ایف آئی آر درج نہیں کرائی۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ لوگ کیا راستہ اختیار کرتے ہیں۔'' جلال بہت خوش اور پرجوش تھا۔

''بے چارے کے ساتھ برا ہوا۔'' ویرا استہزائی انداز میں بولی ''آرام سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں چورا چکوں کے ہاتھ پڑ گیا۔''

''کیا تم نے اس واقعے کو رنگ دینے کی کوشش کی تھی؟'' جلال نے پوچھا اور میں نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''وہ تمہاری کوشش تھی۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ گیری اس واقعے کو کس رنگ میں لیتا ہے۔ آج تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ ان لوگوں کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ جب تک گیری زندہ رہے گا، آج کی مار کو نہیں بھول سکے گا۔''

''مار پیٹ کر چھوڑ دینا کامیاب حکمت عملی نہیں ہے۔'' ویرا بولی ''گیری مار کو زندگی بھر یاد رکھے گا لیکن وہ دوسروں کے لیے عبرت کا سامان نہیں بن سکے گا۔ اپنے درد کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کو اس کے درد کا ادراک نہیں ہوگا۔ ان کو یہ مار پیٹ کا ایک معمولی واقعہ محسوس ہوگا اور وہ اپنی حرکتوں میں لگے رہیں گے۔ موت سے ہر ایک سہم جاتا ہے۔''

''یہ واقعہ ابھی بہت تازہ ہے۔ کل تک اس بارے میں کچھ واضح ہو سکے گا۔'' جلال نے سگریٹ سلگا کر کہا ''اس دوران میں تمہیں سوبھراج کو بھی ٹٹول لینا چاہیے۔ گیری اس کی دعوت پر فرنچ بیچ گیا تھا۔ اسی کے ساتھی سوبھراج پر بھی شبہ کریں گے۔''

''تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آ گیا تھا۔ گیری نے دو بجے فرنچ بیچ کے کسی ریسٹ ہاؤس سے فون کر کے اس سے شکوہ کیا تھا کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق بیچ پر نہیں پہنچا.....''

''اوہو..... یہ بات اپنے دل میں کیوں لیے بیٹھے تھے؟'' اس نے اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر میری بات کاٹ دی۔

''تمہاری لائی ہوئی دلچسپ رپورٹ ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔''

''اصل کام تم کر آئے تھے۔ میری رپورٹ میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔''

''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ ان لوگوں کو بہت جلد گیری کے انجام کا پتا چل گیا۔ اب ان کی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی ہوگی۔''

''تم نے سوبھراج کو یہ تو نہیں بتایا کہ تم نے گیری کی ٹھکائی کی ہے؟'' کوئی خیال آتے ہی اس نے یکا یک سوال کیا۔

''کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتے ہو۔ وہ اسی وقت اخباروں میں اشتہار لگوانے کی تگ و دو شروع کر دیتا اور تم مشکلات میں پڑ جاتے۔ میں کسی سے کوئی وعدہ کر لیتا ہوں تو پھر پوری طرح اس کا پاس کرتا ہوں۔''

''اس واقعے کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟'' جلال روانی میں سوال کر گیا۔

''تم کہاں ہو، کس واقعے کی بات کر رہے ہو؟ جب اسے گیری کے واقعے کی ہوا ہی نہیں لگنے دی گئی تو اس کے بارے میں اس کی رائے کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔''

''اوہ! شاید میں الجھ گیا ہوں۔'' وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ اس کی رائے پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ اس سے تمہاری کیا بات ہوئی۔''

''راوالے بھٹک رہے ہیں۔ سوبھراج نے انہیں ایک مزار پر پناہ لینے کا مشورہ دیا ہے۔'' میں نے اسے اپنی اور سوبھراج کی گفتگو کی تفصیل سنانی شروع کر دی۔

جلال میری طرف ہمہ تن گوش تھا۔ وہ درمیان میں سوالات بھی کرتا جا رہا تھا۔ پوری بات ختم ہونے پر وہ بولا ''گیری کے پٹنے کی خبر سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہ تمہارا کام ہے لیکن مجھے یہ فکر ستا رہی تھی کہ گیری تم کو کرنل داور کے روپ میں بہت قریب سے جانتا ہے۔ یہاں آ کر میں نے تمہاری ہیئت کذائی دیکھی تو میری تشویش دور ہو گئی۔ جھاڑ جھنکاڑ جیسی داڑھی اور آنکھوں کے رنگ کی تبدیلی کے بعد کوئی تمہیں نہیں پہچان سکتا۔ اس حلیے میں تم آسانی کے ساتھ ان دونوں کی تلاش میں نکل سکتے ہو۔''

''سرکاری عملے کی امریکیوں سے دوری پالیسی کی مجبوری ہے۔ کیا تم راوالوں سے بھی الگ تھلگ رہو گے!'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''تمہارے ذہن میں یہ خیال کیسے آ گیا؟'' اس نے سوال کیا۔

''تمہارے پاس عملہ ہے اور وسائل بھی۔ تم مجھے ان کی تلاش میں نکلنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''انہیں میرے آدمی تلاش کریں گے۔ انہیں تلاش کر کے کیفر کردار تک پہنچانا میرے محکمے کی ذمے داری ہے لیکن تم ان میں سے کم از کم ایک کو پہچانتے ہو۔ تم میدان میں نکل آئے تو ان تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

جلال کی اس وضاحت سے میں مطمئن ہو گیا اور وہ مجھے نئی مہم کی باریکیاں سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔

اس کا کہنا تھا کہ عام طور پر ایک کام کے لیے ایک سیکرٹ ایجنٹ کو مامور کیا جاتا ہے تاکہ وہ ہر طرف سے بے فکر ہو کر اپنی پوری توجہ کام پر مرکوز کر سکے۔ دشمن کی سرزمین پر ایک سے زیادہ افراد کو بھیجنا پڑ جائے تو مشن سے پہلے کلیدی اہمیت ان کے باہمی رابطے کی ہوتی ہے۔

محفوظ ترین رابطے کے لیے وائرلیس ٹرانسمیٹر کامیاب

Downloaded from https://paksociety.com

سمجھے جاتے ہیں جن میں کنکشن وغیرہ کا کوئی جھنجٹ نہیں ہوتا اور مخصوص حدود میں ایک سے زیادہ افراد ہر وقت ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں موبائل فون کی وہ افادیت نہیں تھی۔

اسے یقین تھا کہ حسن اور ذکی کے فرضی ناموں سے کراچی پہنچنے والوں کے پاس خاص حد میں کام کرنے والے ٹرانسمٹر ز ضرور موجود ہوں گے تاکہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود ہر وقت باہمی رابطے میں رہ سکیں۔

ابتدا میں جلال کی وہ باتیں مجھے عجیب اور غیر ضروری محسوس ہو رہی تھیں لیکن جب اس نے دہلی میں پکڑے جانے والے عبداللہ کا ذکر چھیڑا تو پوری بات میری سمجھ میں آ گئی۔

عبداللہ دہلی میں آئی بی کا فعال ایجنٹ تھا۔ جن دنوں میں ویرا اور غزالہ کے ساتھ وہاں اہم بھارتی افسروں اور ٹھکانوں کو اپنی سرگرمیوں کا نشانہ بنا رہا تھا تو بھارتی دارالحکومت میں ایک بھونچال سا آ گیا تھا۔

دہلی میں نامعلوم غیر ملکی ایجنٹوں کا سراغ لگانے کے لیے ایسی فوجی اور نیم فوجی، بکتر بند گاڑیاں سڑکوں پر لائی گئی تھیں جن میں حساس اسکینر لگے ہوئے تھے۔ مشتبہ علاقوں میں گشت کے دوران وہ گاڑیاں آسانی سے یہ سراغ لگا سکتی تھیں کہ ان کے آس پاس کسی بھی فری کوئنسی پر کوئی لاسلکی مواصلاتی آلہ تو استعمال نہیں ہو رہا۔

بھارتی ایجنسیاں میرا سراغ نہیں لگا سکی تھیں لیکن ان ہیبت ناک گاڑیوں نے جامع مسجد کے علاقے میں ایک ایرپیس کے سگنل پکڑے اور ان کے سہارے عبداللہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے میں کامیابی حاصل ہوگئی۔

وہ کہانی مجھے پاکستان آنے کے بعد معلوم ہوئی۔ دہلی میں نازل ہونے والی تباہیوں اور ہلاکتوں پر بھارتی حکام غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔ وہ اپنے اصل حریف تک پہنچنے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ انہوں نے سارا غصہ عبداللہ پر اتار دیا۔ وہ ونود نامی ایک افسر کے بہیمانہ تشدد کا شکار ہو کر، گردے پھٹ جانے کی وجہ سے شہادت کے رتبے پر فائز ہوگیا۔

وہ واقعہ جلال کے اشتعال کے سبب میرے ذہن میں جاگزیں ہو کر رہ گیا تھا۔ جلال نے ونود سے عبداللہ کے خون کا بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی۔ جب ونود ایک سورما کی طرح سفارتی چھتری کے سائے میں پاکستان پہنچا تو جلال نے بہت بے رحمی سے اس کا کام تمام کر کے ونود سے اپنے ساتھی کی وحشیانہ موت کا بدلہ چکا دیا۔

جلال کلفٹن کے علاقے میں ان دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگانے کے لیے وہی حکمت عملی اختیار کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں اس مشن میں شامل رہوں کیونکہ میں ان دونوں میں سے ایک کو پہلی نظر میں پہچان سکتا تھا۔

مشن میں شمولیت کے لیے ضروری تھا کہ مجھے پورے طریقہ کار کا علم ہو۔ جلال نے کسی تمہید کے بغیر وہ خلاصہ مجھے سنا دیا تھا۔

اصولی اتفاق ہو جانے کے بعد جلال نے وہیں سے اپنے کسی آدمی کو فون کر کے بتایا کہ راکے دو ایجنٹوں کے بارے میں کچھ سراغ ملے تھے جن کی روشنی میں اسکیننگ وہیکلز کے ساتھ فوری طور پر کام شروع کرنا تھا۔

اس کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آئی بی والے پہلے سے ان دونوں کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔

چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے بتایا کہ آپریشن کے آغاز کے لیے آٹھ بجے کا وقت طے ہوا تھا۔ وہ گاڑیاں آئی بی کی ملکیت نہیں تھیں۔ آرمی گیریژن سے ان کے بندوبست کے لیے کچھ وقت درکار تھا اس لیے آپریشن آٹھ بجے سے پہلے شروع نہیں ہو سکتا تھا۔

جلال کے لیے کسی اسکیننگ وہیکل میں ہمارے گھر آنا ممکن نہیں تھا۔ طے یہ ہوا کہ میں پونے آٹھ بجے سر جہانگیر کوٹھاری پریڈ کے سامنے پہنچ جاؤں۔

''اس آپریشن میں تمہارا کوڈ ایم ٹو ہوگا۔ میں ایم ون رہوں گا۔'' اس نے اٹھنے سے پہلے مجھے بتایا ''ہم دونوں کے علاوہ مزید تین آدمی شریک ہوں گے۔ پانچوں کا اپریٹس پر ایک دوسرے سے رابطہ ہو سکے گا۔ تمہارا اپریٹس میں ابھی گاڑی میں سے دے دوں گا۔''

اس کے پاس وقت کم تھا۔ وہ فرصت کے ساتھ وقت گزارنے کے ارادے سے ہماری طرف آیا تھا۔ سو بھراح سے ملنے والے سراغ کی روشنی میں جلد از جلد کام کا آغاز کرنا ضروری ہو گیا تھا جس کی تیاری کے لیے وقت درکار تھا۔ میرا بریفنگ مکمل کرتے ہی وہ اٹھ گیا۔

اس نے گھر میں آ کر نئی گاڑی کا کوئی ذکر نہ کیا۔ میں نے بھی اسے کچھ بتانا مناسب نہ سمجھا۔ اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے پچھلے پائیدان میں پڑے ہوئے ایک سیاہ بریف کیس میں سے سگریٹ کے پیکٹ کے برابر ایک اپریٹس نکال کر میرے حوالے کیا، اختصار سے اس کے استعمال کا طریقہ بتایا اور واپس چلا گیا۔

میں اسے رخصت کر کے اندر پہنچا تو ویرا نے چھوٹتے ہی

Downloaded from https://paksociety.com

سوال کیا ''اس نے ہماری گاڑی کے بارے میں کچھ کہا یا خاموشی سے چلا گیا۔''

''اس نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''وہ آئی بی کا افسر ہے۔ نئی گاڑی دیکھتے ہی اسے چوکنا ہوجانا چاہیے تھا کہ ہمارے گھر کون آیا ہوا ہے۔ وہ ذکر کرتا تو بات صاف ہوجاتی۔''

''وہ یہاں افسر نہیں، دوست بن کر آتا ہے۔ دوست اتنی باریکیوں میں نہیں جاتے۔'' ویرا کو وہ منہ توڑ جواب دے کر میں سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا ''یہاں سے ہم دونوں الگ الگ گاڑیوں میں سات بجے روانہ ہوں گے۔ میں راستے میں اول خان کی گاڑی اس کے گھر پر چھوڑ دوں گا۔ وہاں سے تم مجھے اپنے ساتھ لو گے اور کانفٹن چھوڑ کر لوٹ آؤ گے۔''

''تم نے میرے بارے میں جلال سے بات نہیں کی۔'' سلطان شاہ نے موقع ملتے ہی شکایت کی ''میں نے بھی تو حسن کو دیکھا ہوا ہے۔ مجھے اس مشن میں شامل ہونا چاہیے تھا۔''

''میں نے تمہارے منہ میں لگام نہیں ڈالی ہوئی تھی۔ اپنی بات تم کو خود کرنی چاہیے تھی۔''

''میں اس ڈر سے خاموش رہا کہ کہیں تم دخل در معقولات پر ناراض نہ ہوجاؤ۔''

''بس تو اب بھی اسی ڈر سے خاموش رہو۔ تم نے سنا نہیں کہ پورے آپریشن میں کل پانچ افراد شریک ہوں گے۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''پانچ کے بھی کل تین ہی سمجھو!'' ویرا نے میری حمایت میں کہا ''اسکیننگ کے آلات والی گاڑیاں اگر آرمی گیریژن کی ہیں تو ڈرائیور بھی ان کے ہوں گے۔ اسپیشل گاڑیاں چلانے والے صرف ڈرائیور نہیں پورے آپریٹر ہوتے ہیں۔ سارے کل پرزوں کی کارکردگی ان کی صوابدید پر منحصر ہوتی ہے۔ کوئی نیا آدمی ایسی گاڑی نہیں سنبھال سکتا۔''

''تم ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑاتی ہو اور عاقلہ فاضلہ بننے کی کوشش کرتی ہو۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا ''تم نے ایسی گاڑی کہاں دیکھ لی؟''

''ایسی گاڑی نہیں دیکھی لیکن اس جیسی دسیوں گاڑیوں میں سفر کرچکی ہوں۔ منشیات کے بڑے تاجروں کی گاڑیوں میں ریڈار لگے ہوتے ہیں۔ جوار دگرد کے علاقے پر نظر رکھتے ہیں۔ جہاں خطرہ نظر آتا ہے، وہ گاڑیاں چھوڑ کر پیدل فرار ہوجاتے ہیں۔''

''کس سیارے کی بات کررہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

''کولمبیا کے دارالحکومت بوگوٹا اور اس کے مضافات میں ایسی کئی گاڑیاں ہیں۔''

''اور حکومت انہیں کچھ نہیں کہتی!'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''وہاں لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ ذاتی تحفظ کے نام پر حکومت لوگوں کو بہت سی رعایتیں دینے پر مجبور ہے۔ ان رعایتوں سے عام آدمی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ موت کے سوداگر اور زیادہ مضبوط ہوجاتے ہیں۔''

''حکومت ان کو کیوں نہیں پکڑتی؟'' غزالہ کے لیے وہ باتیں حیران کن تھیں۔

''ان کے خلاف کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ گواہ۔ رفتہ رفتہ وہ اتنے طاقت ور ہوگئے ہیں کہ ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہوگیا ہے۔ کئی بار وہ حکومت سے ٹکرا چکے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اپنی بات منوائی ہے کیونکہ وہاں ان کے سوبھراج جیسے گرگے گھسے ہوئے ہیں۔ جو ان کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کرتا ہے، سرعام مار دیا جاتا ہے۔''

''ایسے معاملات میں بار بار کولمبیا کا نام کیوں آتا ہے؟'' اس بار میں نے ویرا سے سوال کیا تھا۔

''وہاں حکومت برائے نام ہے۔ پس پردہ ڈرگ مافیا راج کرتی ہے۔ امن وامان کے لحاظ سے وہ دنیا کا بدترین ملک ہے جہاں سرشام سڑکیں ویران ہوجاتی ہیں اور ہر طرف بدمعاشوں کا راج ہوتا ہے۔''

''سیاست میں گندے لوگ پیسے کے زور پر گھسنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ملک کو اسی انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔'' میں نے افسردگی سے کہا ''میری آرزو ہے کہ سوبھراج ہماری سیاست کی اکلوتی کالی بھیڑ ثابت ہو۔ اسے ہم نے مفلوج کردیا ہے۔''

''نہیں ڈئی صاحب!'' ویرا طنز سے بولی ''اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ کھل کر تمہارے سامنے آگیا۔ ذرا اخبار غور سے پڑھا کرو۔ اخبار بڑے ناموں سے ڈرتے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی خبریں بھی گھٹا کر چھاپی جاتی ہیں۔ ان چھوٹی خبروں میں تمہیں اپنے چہرے نظر آئیں گے کہ تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ یہاں سیاسی کرپشن تیزی سے بڑھ رہا ہے۔''

''تمہاری دانست میں اس کے کیا اسباب ہیں؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

Downloaded From https://paksociety.com

''کمزور حکومتیں!'' ویرا نے بے ساختہ اور دو ٹوک جواب دیا ''وہ احتساب کو بلیک میلنگ کا ذریعہ بناتی ہیں اور ملزموں کے کیس داخل دفتر کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا لیتی ہیں۔ جانے والوں کے ملزم آنے والوں کے منظور نظر بن جاتے ہیں اور یہی سب سے بڑا بگاڑ ہے۔''

وہ ہم میں سے نہیں تھی۔ سات سمندر پار سے دنیا جہان کے دھکے کھائی ہوئی آئی اور پھر یہیں کی ہو کر رہ گئی۔ اس نے تھوڑے سے عرصے میں اپنے مطالعے اور مشاہدے سے ایک ایسا ٹھوس نتیجہ اخذ کر لیا تھا جو نصف صدی گزر جانے کے باوجود ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔

ایک غلط آدمی اوپر آ جاتا ہے تو پھر وہ بھی اپنوں کو نوازنا شروع کر دیتا ہے اور یوں آوے کا آوا بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ اوپر والا کسی انقلاب یا احتساب کی نذر ہو جاتا ہے تب بھی اس کے لائے ہوئے، نیچے والے لوگ اپنی جگہوں پر جمے رہتے ہیں اور موذی تابکار شعاعوں کی طرح اندر ہی اندر سسٹم کو تباہی کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں۔

ویرا نے یہ بات کھل کر نہیں کہی تھی مگر بین السطور میں اس کا یہی مقصد تھا کہ کسی پر ایک مرتبہ کوئی الزام لگ جائے تو پھر اسے لازمی طور پر عدالتی عمل کی چھلنی سے گزارنا چاہیے۔ وہ مجرم ثابت ہو تو سزا کے ساتھ نااہل بھی قرار دے دیا جائے، بے گناہ ہو تو عدالتی فیصلے کی سرخروئی کے ساتھ دوبارہ قومی دھارے میں شامل ہو جائے۔

''آپ دونوں نے حکومت اور سیاست پر کیا باتیں شروع کر دیں۔'' غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا ''یہ کبھی آپ کی دلچسپی کے شعبے نہیں رہے۔ اب اچانک ادھر کا خیال کیوں آ گیا؟''

''مجھے ان باتوں سے اب بھی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا ''بات کولمبیا سے شروع ہوئی اور سوبھراج سے ہوتی ہوئی سیاست کی طرف آ گئی۔ یہ مجبوری ہے کیونکہ سوبھراج چند روز پہلے تک ایک معتبر سیاست داں شمار کیا جاتا تھا۔''

''سیاست کو بھول جائیں اور اپنے کام سے کام رکھیں!'' غزالہ نے مجھے مشورہ دیا۔

''ہم جو کچھ کرتے ہیں ذاتی مفاد کے لیے نہیں کرتے۔ اس کا فائدہ حکومت کو ہوتا ہے۔ کئی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں، ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ کس کی حکومت ہے اور ہماری محنت کا فائدہ کس کو حاصل ہوگا۔''

''یہ آپ کی سوچ ہو سکتی ہے میری نہیں!'' اس نے خوش دلی کے ساتھ اختلاف رائے کیا۔ ''ہم کسی حکومت کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ ہمارا ہر فعل اب ملک اور قوم کے مفاد کے لیے ہوتا ہے۔''

''تم خلوص سے یہ بات کہہ رہی ہو، تمہارے سیاست داں بھی یہی کہتے ہیں۔ وہ ملک و قوم کے مفاد کے لیے گھلے مرے جا رہے ہیں۔'' ویرا بولی ''کل تک سوبھراج بھی یہی دعویٰ کرتا تھا۔ آج اس کا چہرہ تمہارے سامنے ہے۔''

''لعنت بھیجو ان باتوں پر!'' آخر کار سلطان شاہ بھی بول پڑا۔ ''یہ بتاؤ کہ نئے آپریشن کے لیے تم کیا تیاری کر رہے ہو۔''

''مجھے صرف وقت پر وہاں پہنچنا ہے۔ تیاری کرنا جلال کا کام ہے۔'' میں نے بے فکری سے کہا۔

اچانک میرے فون پر کال آ گئی۔ میں نے موبائل فون کا بٹن دبانے کے بعد ہیلو کہا تو دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی، شکستہ اور اجنبی آواز آئی۔ ''کرنل! تم کہاں ہو؟''

''تم کون ہو؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا ''میں تم کو نہیں پہچان سکا۔''

''میں گیری بول رہا ہوں، گیری ہارٹ!'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''تمہاری آواز کو کیا ہوا؟'' میں نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''گڑبڑ ہو گئی۔ آج دو لٹیرے ٹکرا گئے تھے، ان سے مقابلے میں میرے جبڑوں پر کچھ چوٹیں آئی ہیں جن کی وجہ سے بولنے میں ذرا سی دقت ہو رہی ہے۔''

''اوہ! یہ افسوسناک خبر ہے، تم لٹیروں میں کہاں پھنس گئے؟''

''یہ شہر رہنے کے قابل نہیں ہے یہاں کی پولیس نکمی ہے، غنڈے اور بدمعاش شہر میں من مانی کرتے پھرتے ہیں، امن و امان بالکل تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔''

اس سازشی سفارت کار نے ایک سانس میں شہر کی کئی خرابیاں گنوا دیں۔ میرا دل چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ جب اس نے جنرل وقار کی گاڑی پر راکٹ چلوایا تھا تو اسے شہر سے ایسی شکایات کیوں نہیں ہوئیں۔

اس کے آدمی غنڈا گردی کرتے پھر رہے تھے تو سب ٹھیک ٹھاک تھا، اس کی مرمت ہوئی تو اسے شہر کا پورا انتظامی ڈھانچا ناکارہ نظر آنے لگا۔

''پوری بات بتاؤ، یہ خبر سن کر تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''فائر کر کے میرے گاڑی کا ٹائر پھاڑ دیا تھا' گاڑی الٹ گئی اور دو درزن زنوں نے مجھے گھیر لیا۔ وہ میرا پرس چھین کر بھاگ گئے۔

''بات سمجھ میں نہیں آتی' صرف پرس چھیننے کے لیے کوئی اتنی بڑی کارروائی نہیں کرتا۔ گولی سے کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟'' میں نے پرتشویش آواز میں پوچھا۔

''گولی سے ٹائر پھٹا تھا' گاڑی الٹنے سے میرے ڈرائیور کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔ یہ قصہ میری بھی سمجھ میں نہیں آرہا۔ پاکستان میں جہالت عام ہے زیادہ لوگ انگریزی نہیں بول سکتے مگر ان میں سے ایک اچھی خاصی انگریزی بول رہا تھا۔''

اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹے چند ہی گھنٹے گزرے تھے' مجھے حیرت تھی کہ باتیں کرتے ہوئے وہ ایک مرتبہ بھی نہیں کراہا تھا پھر اس کا سبب میرے ذہن میں آگیا۔ اسے یقینی طور پر طاقت ور درد کش دوا کا انجکشن دیا گیا تھا جس کے زیر اثر وہ اپنی تکلیف کو بھولا ہوا تھا۔

''تم نے جنرل کی گاڑی پر وار کر کے ایک خطرناک دشمن کو للکارا ہے۔'' میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے خیالی آرائی شروع کر دی۔ ''ابھی تک جنرل سے میری ملاقات نہیں ہوئی مگر میں نے سنا ہے کہ تباہ ہونے والی گاڑیوں کے ملبے سے کچھ ایسے سراغ ملے ہیں جن سے نشان دہی ہو رہی ہے کہ حملے میں امریکی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ جواب جنرل کی طرف سے آیا ہو۔ زک اٹھا کر خاموش رہنا ایس ٹی ایف کی سرشت میں شامل نہیں ہے۔''

''ان بدمعاشوں نے بھاگنے سے پہلے مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے ہوش آیا ہے یہ میرا پہلا فون ہے نمبر ملانے تک میں خود بھی سوچتا ہوں۔ یہ ایس ٹی ایف کا کام نہیں ہوسکتا میں فرنچ بیچ گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر یہ واقعہ رونما ہوگیا۔ جاتے اور آتے ہوئے میں بہت محتاط تھا۔ کسی نے ہمارا پیچھا نہیں کیا۔ میرا پروگرام اچانک بنا تھا۔ جنرل کو کیسے علم ہوسکتا تھا کہ میں اس وقت وہاں سے گزروں گا۔''

''تمہاری دلیل قابل غور ہے۔'' میں نے اعتراف کیا ''اگر یہ لوٹ مار کی وارادات نہیں ہے تو یہ کام کسی ایسے آدمی کا ہے جسے تمہارے پروگرام کا پوری طرح علم تھا۔''

اس کے ذہن کو جنرل وقار کی طرف بھٹکانے میں ناکامی کے بعد میں نے نام لیے بغیر اسے سوبھراج کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

''بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔'' اس کی آواز اتنی بگڑی ہوئی تھی کہ اس کے لب و لہجے سے اس کی صحیح ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اس کی بات جاری رہی۔ ''میرے مخالفوں میں صرف ایک شخص ایسا ہے جسے میرے پروگرام کا علم تھا لیکن اس وقت وہ خود بہت بری طرح خوف زدہ ہے۔ چوہے کی طرح کسی نامعلوم بل میں گھسا ہوا ہے۔ اس کے پاس ایسی کارروائی کرنے کے وسائل دستیاب نہیں ہیں۔''

''تم سوبھراج کا ذکر تو نہیں کر رہے!'' میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ اس سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسی حرکت کرسکتا ہے۔''

''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس نے ان ہی حالات میں تک کو مروایا تھا۔''

''یہ اس کی تیسری ہے' اب وہ چیونٹی کو بھی مروانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اسے ڈینی نے مروایا اور سوبھراج نے وہ سہرا اپنے سر سجالیا۔ تھوڑی دیر کے لیے میں تمہاری بات مان بھی لوں تو اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو مجھے ہلاک کر دینا چاہئے تھا۔ وہ آسانی سے مجھے قتل کرسکتے تھے، انہوں نے مجھے مار پیٹ کر کیوں چھوڑ دیا؟''

میں فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے مجھے فون کرنے سے پہلے اس مسئلے پر خاصا سر کھپایا تھا۔ یہ بات حیران کن تھی کہ بری طرح مجروح ہونے کے باوجود اتنے زیادہ ذہنی ارتکاز کے قابل تھا۔

''تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔'' چند ثانیوں بعد میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا ''یہ ڈکیتی کی واردات نہیں ہے' جنرل کا جوابی وار نہیں ہے' سوبھراج کی حرکت نہیں ہے تو پھر آخر کیا ہے کسی نہ کسی نے تمہیں گھیرا تھا۔ وہ تمہارے دشمنوں میں سے نہیں تھا تو کیا تمہارے کسی ساتھی نے تم کو نیچا دکھانے کے لیے یہ حرکت کی ہے۔''

''یہ کسی ایجنسی کی حرکت بھی ہوسکتی ہے' چند سال پہلے فرانس کے ایک سینئر سفارتی افسر کے ساتھ بالکل ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی خبر خبر لینے کے لیے کچھ حساس آلات سمیت کہوٹہ کے ممنوعہ علاقے میں جا نکلا تھا۔ وہاں اسے سادہ کپڑوں میں ملبوس کچھ لوگوں نے گھیر لیا۔ بری طرح مار مار کر لہولہان کر دیا۔ سارے آلات توڑ دیے یا چھین لیے پھر وہ غائب ہوگئے۔ اس کی حکومت نے احتجاج کیا تو پاکستان نے پہلا سوال یہ کیا کہ وہ اس ممنوعہ علاقے میں بلا اجازت کیا کرتا پھر رہا تھا۔ ان لوگوں کو جواب دینا مشکل

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگیا۔ لینے کے دینے پڑ گئے اور وہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہوگیا۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ یہاں کے ایٹمی بجلی گھر کے محافظوں نے تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے؟'' میں نے تیزی سے سوال کیا۔

''فی الحال میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' اس بار اس کی بگڑی ہوئی آواز واضح طور پر الجھی ہوئی تھی۔'' میں اپنے ذہن میں آنے والی ہر بات تمہیں بتا رہا ہوں۔ شاید تم کسی نتیجے تک پہنچنے میں میری مدد کر سکو۔''

''میرے اور تمہارے درمیان کوئی رفاقت نہیں ہے۔ میں تمہاری خفیہ سرگرمیوں سے یکسر لاعلم ہوں۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے اپنی مجبوری ظاہر کی

''سب سے پہلے تو یہی بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ دونوں تمہیں آزادی سے مار پیٹ کر نکلنے میں کیسے کامیاب ہوگئے۔ تم ایک پیشہ ور آدمی ہو۔ تم نے یہاں کئی محاذ کھولے ہوئے ہیں تم اپنے ٹھکانے سے خالی ہاتھ نہیں نکلتے ہوگے۔ کیا تمہارے ہتھیار بھی انہیں گرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے؟''

''بر اوقت بتا کر نہیں آتا۔ آتا ہے تو سب کچھ الٹا ہوتا چلا جاتا ہے' میرے پاس اعشاریہ تین آٹھ کا اسمتھ اینڈ براؤن تھا۔ انہوں نے بے آواز رائفل سے میرے ہاتھ پر گولی چلا کر مجھے نہتا کر دیا اور مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ دونوں دیو ہیکل تھے۔ میں نے ہاتھ زخمی ہونے کے باوجود جم کر ان کا مقابلہ کیا۔ میرے ہاتھوں سے مار کھا کر ان کے چہرے بگڑ گئے تھے لیکن وہ دو تھے میں کہاں تک ان کا مقابلہ کرتا۔ انہوں نے آخر کار مجھے زیر کر لیا۔''

اس نے میرے اوپر اپنا بھرم رکھنے کے لیے سچ میں جھوٹ کی خاصی آمیزش کی تھی۔ اس کی بتائی ہوئی تفصیل سن کر مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ ہم نے اپنے منصوبے کے مطابق اسے بہت برے حال کو پہنچا دیا تھا۔

''فی الحال تم آرام کرو۔'' میں نے اسے مشورہ دیا'' میں دماغ لڑاتا ہوں کوئی بات ذہن میں آئے گی تو فون پر تم سے رابطہ کروں گا۔''

''میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔'' اس کی آواز سے اضطراب جھلکنے لگا۔'' ان مردودوں نے رائفل مار کر میری پنڈلی توڑ ڈالی۔ دو پسلیوں میں بھی اسپلیس فریکچر کا شبہ کیا جا رہا تھا' میرے علاج کے لیے میرے ساتھی چند گھنٹوں بعد مجھے ادمان بھیج رہے ہیں۔ میں نے اسی وجہ سے اس وقت تمہیں فون کیا ہے ورنہ میرے ڈاکٹرز نے مجھے بولنے سے منع کیا ہوا ہے۔ جبڑوں کے ورم کی وجہ سے مجھے بولنے میں دقت ہو رہی ہے۔''

میرے لیے وہ خبر سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ وہ بہت پر غرور انداز میں میدان میں اترا تھا اور ایک قلیل سی مدت میں ذلیل و خوار ہو کر واپس جا رہا تھا۔ وہ اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ اپنے قدموں پر چل کر جا سکے۔

یہ قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ وہ اپنی روداد الم اسی شخص کی سنا رہا تھا جس کے ہاتھوں وہ اپنے انجام کو پہنچا تھا۔ نک کی موت کے بعد زخمی حالت میں گیری کی واپسی ایف بی آئی کے دوسرے اہل کاروں کے لیے یقینی طور پر ایک خوفناک پیغام کی حیثیت رکھتی تھی۔

مجھے امید تھی کہ ان واقعات کے بعد ایف بی آئی والوں کے لیے پاکستان ایک ڈراؤنے خواب کی حیثیت اختیار کر لے گا اور کوئی بھی افسر رضا کارانہ طور پر ہمارے شہر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

''یہ اچھی خبر نہیں ہے۔'' میں نے اپنے مسرت آمیز جذبات پر قابو رکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔'' تم جا رہے ہو تو تمہارا جانشین کون ہوگا۔''

''اس وقت ایمرجنسی ہے۔ ابھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ فی الحال ٹام تم سے رابطہ رکھے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اس سے بھی تعاون کرتے رہو گے۔ تمہاری ذات سے ہم لوگوں نے بہت امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے اوپر جبر کر کے تمہیں فون کیا ہے۔ میں یہاں سے جانے سے پہلے اس واقعے کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔''

جواب

اسکول میں جمی نے کمال سے پوچھا''فرض کرو۔ ایک بہت بڑا دریا ہے۔ دریا کے کنارے پر ہری ہری گھاس کا ایک گٹھا پڑا ہے۔ دوسرے کنارے پر ایک گدھا کھڑا ہے۔ دریا بہت گہرا ہے۔ گدھا تیر کر دوسری طرف نہیں جا سکتا۔ وہاں کوئی کشتی وغیرہ بھی نہیں ہے۔ بتاؤ گدھا گھاس تک کیسے پہنچے گا؟''

کمال نے کافی دیر تک سوچا اور آخر کار کہا''میں نے ہار مان لی۔''

''گدھے نے بھی یہی کہا تھا۔'' جمی اطمینان سے بولا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''تم نے میرے پیش کیے ہوئے ہر امکان کو رد کر دیا ہے اور اس کے لیے تمہارے پاس معقول دلائل بھی ہیں۔ ایسی صورت میں' میں اسے لوٹ مار کی ایک واردات سمجھنے پر مجبور ہوں۔ یہ اتفاق ہے کہ تم اس کا نشانہ بن گئے۔''

''یہ کیسی لوٹ مار تھی کہ وہ صرف میرا پرس لے کر بھاگ گئے۔'' وہ پریشان تھا۔ ''مجھے بے ہوش کرنے کے بعد وہ آرام سے میری جیبیں خالی کر سکتے تھے۔ میری رسٹ واچ بہت بیش قیمت ہے میری انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی تھی۔ جیب میں سونے کا سگریٹ کیس پڑا ہوا تھا۔ وہ کیسے لٹیرے تھے کہ انہوں نے گولی چلا کر مجھے زبردستی روکا اور صرف پرس پر قناعت کر کے بھاگ گئے' انہوں نے کسی اور چیز پر دھیان ہی نہیں دیا!''

''تم نے بتایا ہے کہ ان میں سے ایک لٹیرا اچھی خاصی انگریزی بول رہا تھا۔'' اس کے تحفظات سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد میں نے کہنا شروع کیا ''تم کو معلوم ہوگا کہ پاکستان میں بے روزگاری کی شرح بہت اونچی ہے۔ لڑکے دن رات محنت کر کے ڈگریاں حاصل کرتے ہیں' ماں باپ اپنا پیٹ کاٹ کر بہتر مستقبل کی امید میں اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلواتے ہیں لیکن جب وہ عملی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے سارے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ ڈگریاں انہیں روزگار نہیں دلاتیں۔ ان کا منہ چڑانے لگتی ہیں' ان میں سے کچھ نوجوان معاشرے سے بغاوت کر کے غلط راستوں پر نکل جاتے ہیں۔ اپنے گھروں کے چولہے روشن رکھنے کے لیے وہ دوسروں کی کمائی پر شب خون مارنے لگتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تم ایسے اناڑی لٹیروں کے ہتھے چڑھ گئے ہو۔ انہوں نے پوری واردات کامیابی سے مکمل کر لی لیکن تمہیں بے ہوش کرتے ہی ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں مردہ سمجھے ہوں اور گھبرا کر بھاگ گئے ہوں۔''

''تمہاری یہ بات دل کو لگتی ہے۔ ویسے وہ نوعمر لڑکے نہیں تھے لیکن عمر رسیدہ بھی نہیں تھے۔ دونوں درمیانی عمروں کے لگتے تھے۔ یہاں میں دیکھا ہے کہ تعلیم مکمل کرنے والوں کی اوسط عمریں کچھ زیادہ ہوتی ہیں' وہ نوعمر آموز لٹیرے ہی رہے ہوں گے۔''

''تم او مان سے کب تک واپس لوٹ آؤ گے؟'' میں نے اس کے زخم کو کریدا۔

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اس کی مایوسانہ آواز آئی۔ ''چلتی ہوئی مشین سے ایک بار کوئی پرزہ نکل جاتا ہے کہ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اسے دوبارہ کہاں استعمال کیا جائے گا۔ صحت یابی کے بعد کوئی فیصلہ ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کہیں اور بھیج دیا جائے۔''

''میں تمہاری صحت یابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔'' نے اداس دل سے کہا۔

''مجھے دکھ ہے کہ میں یہاں اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر جا ہوں۔ سوبھراج ہمارا مسئلہ ہے۔ اس نے غداری کی۔ اسے ہم خود سزا دیں گے لیکن ڈینی کو پکڑنے کے لیے میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ آجائے تو دیرا بھی زیادہ دنوں آزاد نہیں رہ سکے گی۔ مجھے امید ہے کہ میری جگہ کسی اور آنے تک تم ٹام سے پورا تعاون کرو گے۔ تم یقین کرو کہ دن یہ معرکہ سر ہو گیا تم عزت اور دولت سے مالا مال ہو گے۔''

''میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ تم کو زیادہ بو کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے جبڑوں کا درم خراب ہو جا گا۔ مجھے دکھ ہے کہ میرے ملک سے تم اتنی خراب حالت جا رہے ہو۔ پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔ پسلیاں مجر ہیں' جبڑے سوجے ہوئے ہیں اور ہاتھ پر گولی کا زخم ہے۔ مہمان نواز لوگ ہیں آنے والوں کو پوری عزت د ہیں.....''

''بس!'' اس نے تلملائی ہوئی آواز میں میری با کاٹ دی۔ ''اب اتنے نوحے نہ پڑھو کہ مجھے اپنے مقدر خرابی پر سوگ منانا پڑ جائے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا' ہمیں آئ کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔''

میں گفتگو ختم کر کے ان تینوں کی طرف متوجہ ہوا تو کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔

''خس کم جہاں پاک!'' ویرا امریکی انداز میں ا دائیں ہاتھ کا انگوٹھا فضا میں بلند کر کے بولی۔ ''وہ چل کر آیا اور اب اسٹریچر پر لے جایا جائے گا۔ ان لوگوں کی اس بہتر مہمان نوازی کیا ہو سکتی تھی!''

''وہ تابوت میں جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔'' سلطان نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا ''لیکن یہ انجام بھی برا نہیں ہے۔ کئی دنوں تک برے برے خواب آتے رہیں گے۔''

عارضی طور پر ہمارا ایک حریف کم ہو چکا تھا لیکن اس جگہ لینے کے لیے راکے دو ایجنٹ پہلے سے کراچی میں ہو چکے تھے اور اگلا معرکہ ان سے ہونے والا تھا!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کی باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شمی کے چنگل میں پھنس گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کی کاشت پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شمی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کے ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو انگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شمی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارزنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کی پے در پے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈینیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوہو براج تھا۔ ویرا نے کافی تیاریوں کے ساتھ سوہو براج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوہو براج کو فون کیا تو اس نے مخالفت کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوہو براج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوہو براج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دوہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک باروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوہو براج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک باروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیٹی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوہو براج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوہو براج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوہو براج نے کرایا تھا۔ ناہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوہو براج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوہو براج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا پتا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیٹی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس نے مبنی طاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چیز آمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے یقیناً کریٹی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیٹی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوہو براج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امرایل تھا جو سوہو براج کا ذاتی محافظ تھا۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوہو براج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوہو براج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوہو براج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے زخم اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے تک کوتاہی کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ نوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیٹی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوہو براج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ سمجھلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیٹی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوہو براج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوہو براج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوہو براج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوہو براج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوہو براج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوہو براج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اس نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوہو براج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا دھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا پھر نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوہو براج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوہو براج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سنمی اور جہانگیر کی

Downloaded From Https://Paksociety.com

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف تک کی موت کو ڈبی کے گھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل دلاور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سہیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سہیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے انٹیشن فورے لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے پتا چلا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف سینٹن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سہیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران انٹیشن فورس کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ پاکستان سے رخصت ہو رہا تھا اور اسے افسوس تھا کہ وہ اس مشن پر یہاں آیا تھا وہ مکمل نہیں ہو سکا۔ یہ خوشی کی بات تھی مگر اس کے ساتھ ہمیں علم تھا کہ را کے دو ایجنٹ ہمارے شہر میں موجود تھے اور ان سے بہت جلد ہمارا ٹکراؤ ہونے والا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 236 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

''ابھی تک یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ کراچی میں دو بلیک کیٹس کی بدترین ناکامی کے بعد راوالوں نے اپنے دو ایجنٹ یہاں کیوں بھیجے ہیں۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے پرخیال آواز میں کہا۔

''تم کسی نکمے سرکاری افسر کے انداز میں سوچتے رہو گے تو کبھی کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکو گے۔ وہ دونوں اپنا کام کر گزریں گے'' ویرا بولی۔

''تم مجھے نکمے سرکاری افسر کا طعنہ کیوں دے رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''تم اخباروں میں آئے دن پڑھتے رہتے ہو گے کہ قتل جیسی سنگین واردات کے بعد پولیس افسر تھانے کی حدود کے بارے میں ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں۔ حدود کے بارے میں لڑتے ہوئے وہ قتل کی واردات کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ ایک تھانہ کہتا ہے کہ مقتول کا دھڑ سڑک پر پایا گیا تھا اس لیے واردات اس کی حد سے باہر ہوئی ہے۔ دوسرا تھانہ کہتا ہے مقتول کی ٹانگیں سڑک سے نیچے تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے قتل کے وقت وہ دوسرے تھانے کی حد میں پیدل چل رہا تھا۔ قتل کی تفتیش دوسرے تھانے والوں کی ذمے داری ہے۔ کوئی اس حقیقت کا ادراک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ وہ واردات فوری کارروائی کی متقاضی ہے تاکہ ضابطے کی تکمیل کے بعد مقتول کے ورثا لاش کی تدفین کر سکیں۔''

''یہ آئے دن ہوتا رہتا ہے'' سلطان شاہ نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر اعتراف کیا۔ ''لیکن ایسے واقعات کا میری سوچ سے کیا تعلق ہے؟''

''سرکاری افسر ہی راوالوں کے مقصد کے بارے میں سوچ سکتا ہے'' ویرا بولی ''اس بے چارے کو یہ تعین کرنا ہوتا ہے کہ وہ مقاصد اس کے دائرۂ کار میں آتے ہیں یا ان لوگوں سے نمٹنا کسی اور محکمے کی ذمے داری ہے۔ اس کی ساری سوچ بچار ذمے داری سے بچنے کے لیے ہوتی ہے۔ کسی حرام خور اہل کار کے سر پر بھاری ذمے داری آ جائے تو اسے نانی یاد آ جاتی ہے۔''

''سلطان شاہ نے کبھی کسی ذمے داری سے بچنے کی کوشش نہیں کی'' غزالہ نے اس کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

''پھر راوالوں کے بارے میں کچھ سوچنا بے کار ہے۔'' ویرا بے پروائی سے بولی ''وہ دس جنم لینے بعد بھی تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ ان کے رہنماؤں نے یہ بات ان کے دل و دماغ میں بٹھا دی ہے کہ ان کے ملک کے ٹکڑے کر کے پاکستان بنایا گیا تھا۔ اس پر راج کرنا ہندوؤں کا پیدائشی حق ہے۔ تمہارے لیے ان کی سوچ اچھی نہیں ہو سکتی۔ وہ جب بھی یہاں آتے ہیں' بری نیت اور ارادے سے آتے ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ سوچنا سمجھنا بے کار ہے۔ وہ یہاں آئے ہیں۔ تم کو بے دھڑک پیش قدمی کر کے ان کا سر کچل دینا چاہیے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''اس سمت میں کوششیں ہو رہی ہیں'' اس وقت سلطان شاہ اور ویرا کے درمیان مفاہمانہ انداز میں مذاکرات چل رہے تھے اس لیے میں نے دخل اندازی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے بعد بھی ہم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ یہاں کس مشن پر آئے ہیں۔''

''ویری گڈ! تمہاری اس بات سے مجھے پورا اتفاق ہے۔''

''اور مجھے خوشی ہے کہ ایک طویل عرصے کی باہمی محاذ آرائی کے بعد آج تم دونوں دوستانہ انداز میں باتیں کر رہے ہو'' غزالہ نے میرے دل کی بات کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔

''یہی مجھ سے لڑتا رہتا ہے۔ میں اس کی ہر درست بات کو تسلیم کر لیتی ہوں'' ویرا بولی۔

''بلاوجہ مجھے الزام نہ دو!'' سلطان شاہ کی آواز یکایک تیز ہوگئی ''ہمیشہ پہل تمہاری طرف سے ہوتی ہے۔ ہر وقت کسی نہ کسی سے بھڑ جانے پر تلی رہتی ہو۔''

''کیا میرا دماغ خراب ہے جو میں بلاوجہ ہر ایک سے لڑنے پر آمادہ رہتی ہوں؟'' ویرا جارحانہ انداز میں غرائی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ معائنے کے بعد دماغی امراض کا کوئی ماہر ہی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے۔'' سلطان شاہ نے معصومانہ بے بسی سے کہا۔

ویرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ سلطان شاہ کے چراغ پا کر دینے والے جواب نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔ ان دونوں کی مفاہمت کو غزالہ کی نظر لگ گئی تھی۔ اس کے چند تعریفی کلمات نے ان دونوں کے درمیان مفت کے جھگڑے کی فضا پیدا کر دی تھی۔ اس سے پہلے کہ فضا ناخوشگوار ہوتی' میں نے جلدی سے کہا ''ان کے مقصد کے بارے میں ایک اشارہ مل چکا ہے۔''

''تم بات مت ٹالو'' ویرا نے خشک لہجے میں مجھ سے کہا ''اس سے یہ پوچھو کہ اس نے یہ بات کیسے کہی..... میں اس کا دماغ درست کر دوں گی۔''

''کیوں..... میں نے کیا کہہ دیا؟'' میرے کچھ پوچھنے سے پہلے سلطان شاہ نے سادگی سے سوال کیا۔

''ڈاکٹر کس بات کی تصدیق کرے گا؟ کیا کہا ہے تم نے؟'' ویرا نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ تمہارے شبہے کی بات تھی۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہ تصدیق ہی کرے گا' تردید نہیں کر سکتا؟''

''ڈاکٹر اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے' میں اس معاملے میں اناڑی ہوں۔ میں اپنی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

''تم پھر بہک رہے ہو۔ مجھے اپنے بارے میں تمہاری رائے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ویرا چیخ کر بولی ''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے صرف تصدیق کی بات کیوں کی؟''

''غلطی ہوگئی!'' سلطان شاہ نے خلاف توقع انتہائی تحمل سے کام لیتے ہوئے جواب دیا ''دراصل میں پٹھان آدمی ہوں' جو کچھ دل و دماغ میں آتا ہے' پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بے دھڑک کہہ ڈالتا ہوں۔ بعد میں سوچنا پڑ جاتا ہے کہ میں کیا کہہ گیا ہوں۔ اس وقت بھی یہی ہوا ہے۔ مجھے تم بالکل ٹھیک ٹھاک لگتی ہو۔ اپنی دماغی حالت کے بارے میں تمہیں کسی ماہر سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں۔ آج کل ہر طرف ہوس اور خود غرضی کا دور دورہ ہے۔ یہ لوگ اچھے بھلے آدمی میں بھی گھما پھرا کر کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتے ہیں اور پھر مہینوں تک اپنی فیس سیدھی کرتے رہتے ہیں۔''

سلطان شاہ کے ان فقروں میں بھی ویرا کے لیے قدرے توہین آمیز اور اشتعال آور مواد موجود تھا لیکن اس کے نرم لب و لہجے کی وجہ سے ویرا نے خاموشی اختیار کر لی۔

ان دونوں کے بارے میں یہ سمجھنا بہت دشوار تھا کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں کب نیک نیتی سے بات کر رہے ہیں اور کب ان کے ارادوں میں فتور آ چکا ہے۔

''آپ کسی اشارے کی بات کر رہے تھے'' وہ جھگڑا نمٹ جانے پر غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

''شاید تم دور مار رائفلوں والی بات کو لیے بیٹھے ہو؟'' ویرا نے قیاس آرائی کی۔

''کیا تمہیں اس نکتے کی اہمیت میں شک ہے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''شک نہیں ہے لیکن میں اسے بہت زیادہ اہم بھی نہیں سمجھتی۔ دہشت گردی کے لیے ہتھیار ضروری ہوتے ہیں۔''

''پاکستان کے کسی عام شہری کو ہلاک کر کے دہشت پھیلانے کے لیے ایسی رائفل ضروری نہیں ہے۔ خنجر دل میں اتار کر یا محض ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر وہ دونوں کسی کو بھی ہلاک کرنے کے اہل ہیں'' میں نے کہا۔ ''مخصوص بناوٹ کی رائفل کے ذریعے وہ کسی خاص شخصیت کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کا متوقع شکار کوئی عام آدمی نہیں ہو سکتا۔''

''وہ کوئی معروف سیاست داں بھی ہو سکتا ہے'' سلطان

Downloaded from https://paksociety.com

شاہ نے رائے زنی کی۔

''سوبھراج بے نقاب ہونے سے پہلے ایک اہم لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ ایسے لوگ زندگی کے ہر شعبے کے لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے معاشرے سے غداری پر تل جائیں تو ان کے لیے ہر قسم کی معلومات کا حصول بہت آسان ثابت ہوتا ہے'' میں نے کہا۔

''تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو؟'' ویرا نے الجھے الجھے انداز میں سوال کیا۔

''صاف ظاہر ہے کہ سوبھراج کی صورت میں بھارت والے یہاں اپنا اہم ترین مہرہ کھو بیٹھے ہیں'' سلطان شاہ نے اس کی بات کا جواب دیا۔

''یہ پرانی بات ہو چکی' کوئی نئی بات بتاؤ۔'' ویرا بے رخی سے بولی۔

''وہ غافل نہیں ہیں۔ پوری صورتِ حال کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہے ہوں گے' اس بار میں نے ویرا کی بات کا جواب دیا'' ایسا مقام ایک دو روز میں نہیں مل جاتا۔ سوبھراج کئی عشروں کی محنت کے بعد یہاں تک پہنچا تھا۔ اس کا متبادل تلاش کرنے کے لیے یہاں کوئی بحران پیدا ہونا ضروری ہے۔ بحرانی حالات میں ہر شخص اپنی وفاداریاں بدلنے پر کمربستہ رہتا ہے۔ وہ صحیح وقت پر کسی صحیح آدمی کو دانہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کے سارے دلدّر دور ہو جائیں گے۔''

''کیا تمہارا خیال ہے کہ را کے وہ دو ایجنٹ جو آج چوہوں کی طرح چھپتے پھر رہے ہیں' یہاں کسی قسم کا بحران پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟'' ویرا نے بے یقینی سے پوچھا۔

''مجھے ان کے یہی عزائم نظر آتے ہیں' آگے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''مجھے بھی کچھ بتاؤ' تم نے اتنا اہم نتیجہ کیسے اخذ کر لیا؟'' ویرا نے مطالبہ کیا۔

''آج کل سیاسی فضا بہت گرم ہے۔ جب تک سوبھراج آزاد ہے' اس ماحول میں اعتدال آنے کی امید نہیں ہے'' میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا ''سوبھراج کے حامی دبکے ہوئے ہیں۔ اس کے مخالفین روز بیان داغ رہے ہیں۔ ایجنسیوں کی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے' مخالف اسے پھانسی پر لٹکانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس پس منظر میں اگر سوبھراج کا کوئی سرکردہ مخالف اچانک مارا جاتا ہے تو تم خود اندازہ لگا سکتی ہو کہ کیا ہو گا؟''

''یہ بات دوسروں کو سمجھانی چاہیے تاکہ وہ حفاظتی انتظامات سخت کر سکیں'' ویرا پر تشویش لہجے میں بولی ''انتظامی کوششوں سے ایسے حادثے کو ٹالا جا سکتا ہے۔''

''میں اس موضوع پر بات کروں گا لیکن متعدد شخصیات کے لیے حفاظتی بندوبست کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ پولیس والے پہلے ہی نفری کی کمی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ وہ ایک وقت میں کس کس کو گارڈ مہیا کریں گے۔''

''یہ اتنا مشکل کام ثابت نہیں ہونا چاہیے'' غزالہ نے پورے اعتماد سے کہا ''آپ ان واقعات میں جذباتی طور پر ملوث ہیں۔ میں ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اخبارات پڑھتی ہوں۔ اگر آپ کا نظریہ درست ہے تو اس وقت تین میں سے کوئی ایک شخص ان کا ہدف ہو سکتا ہے۔ ابتدا سے آج تک صرف وہی تین افراد سوبھراج کے خلاف بڑھ چڑھ کر بول رہے ہیں۔''

''بعض نام واقعی بار بار سامنے آ رہے ہیں لیکن تم نے اتنی آسانی کے ساتھ تین نام کیسے چن لیے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

غزالہ نے مسکراتے ہوئے وہ تینوں نام دہرا دیے۔ میں نے اپنے ذہن میں چند روز کی اخباری سرخیوں کو تازہ کیا اور کسی بحث کے بغیر قائل ہو گیا کہ غزالہ کا تجزیہ بڑی حد تک درست تھا۔

''اب ہمیں ذرا جلدی روانہ ہونا پڑے گا'' میں نے سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر کہا'' کچھ دیر کے لیے اول خان کے پاس رکنا پڑے گا۔''

''اسے فون کیوں نہیں کر لیتے'' ویرا نے مشورہ دیا۔

''بہت سی باتیں روبرو ہی بہتر ہوتی ہیں۔ اس کی گاڑی چھوڑنے کے لیے ہمیں وہاں جانا ہے۔ چند منٹ کے لیے رک گئے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

ویرا خاموش ہو گئی مگر میں نے کریڈل سے ریسیور اٹھایا تو وہ چونک پڑی اور بولی ''اب تم کسے فون کر رہے ہو؟''

''اول خان کو!''

''میں نے کہا تھا تو صاف انکار کر دیا۔ اب اسے کیوں فون کر رہے ہو؟'' اس نے چڑ کر پوچھا۔

''مقصد دوسرا ہے' وہ مصروف اور سیلانی آدمی ہے میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس کے گھر پہنچوں تو وہ وہاں موجود ہو۔''

''میں بالکل تیار ہوں۔ تم چاہو تو ہم ابھی روانہ ہو سکتے ہیں'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

''تیاری کیسی؟ تمہیں کون سا لام پر جانا ہے۔ مزے سے

Downloaded from https://paksociety.com

گاڑی میں بیٹھ کر تماش بینی کرتے رہو گے۔ کچھ کرنا پڑا تو تم سے پہلے دوسرے موجود ہیں۔'' ویرا نے اسے چڑایا ''تم ڈینی کو چھوڑ کر آجاؤ گے۔''

''تماش بینی نہیں کروں گا' دشمن کو تماشا بنادوں گا'' سلطان شاہ نے اسے جواب دیا ''تم کو معلوم ہونا چاہیے' اس وقت پورے شہر میں ڈینی کے علاوہ صرف میں نے راک ایک آدمی کو دیکھا ہوا ہے۔ اسے پہچاننا بہت بڑا کام ہوگا۔ آخر کار مجھے بھی میدان میں آنا پڑے گا۔''

''واقعی بڑا کام ہوگا'' ویرا نے اپنا سر ہلا کر استہزائی انداز میں کہا ''مینڈ کی کا ایک بچہ گلاب کے پودے کی ننھی سی شاخ پر چڑھ کر اسی فخر کے ساتھ اپنی ماں سے کہہ رہا تھا کہ وہ اتنا بڑا ہوگیا ہے کہ اس کے بوجھ سے درختوں کی شاخیں جھولنے لگتی ہیں۔''

''ضرور کہہ رہا ہوگا لیکن میں تمہارے کسی بچے کے وجود سے لاعلم ہوں۔ کل کتنے ہیں.....؟'' وہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گیا کیونکہ ویرا اس کے ترکی بہ ترکی جواب پر پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے مارنے کو دوڑی تھی۔

''یہ بہت خبیث ہوگیا ہے'' ویرا خفت آمیز انداز میں اپنے دانت پیستے ہوئے بولی ''ہر بات کا منفی پہلو فوراً اس کی کھوپڑی میں اجاگر ہوجاتا ہے۔''

''تم بلاوجہ اس کے منہ لگتی ہو۔ بھلا اس وقت مینڈ کی اور اس کے بچے کا ذکر نکالنے کی کیا تک تھی؟'' غزالہ نے نرمی سے اسے سمجھایا ''سلطان شاہ بہت ذہین ہے۔ اس سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔''

''میرا بس چلے تو میں اس سے بات ہی نہ کروں لیکن کیا کروں' ہم ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں۔ بات کرنی ہی پڑتی ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اپنا سب کچھ چھن جانے کے بعد میں زبردستی تمہارے سروں پر مسلط ہوگئی ہوں۔ ایک ڈینی کی ذات کا مضبوط سہارا تھا۔ اس نے شراب نوشی ترک کر کے مجھے بالکل تنہا کردیا ہے۔''

''یہ اب پتا چلا کہ تمہاری دوستی انسانوں سے نہیں' شراب نوشوں سے ہوتی ہے.....''

''تو کیا شراب نوش انسان نہیں ہوتے؟'' ویرا نے میری بات کاٹ کر سوال کیا ''مغرب میں ساٹھ فیصد بالغ آبادی شراب پیتی ہے۔''

''وہ بھی انسان ہی ہوتے ہیں لیکن تمہاری دوستی کے لیے شاید اتنا کافی نہیں۔ تم شراب نوش انسانوں میں رہنا پسند کرتی ہو؟'' غزالہ بولی۔

''بات کہیں اور نکل گئی۔ میں یہ بتا رہی تھی کہ حالات ذرا سازگار ہوئے تو میں کسی ہوٹل میں منتقل ہوجاؤں گی'' ویرا یکا یک کچھ اداس ہوگئی۔

''کیا سلطان شاہ کی باتوں نے تمہیں بہت زیادہ آزردہ کردیا ہے؟'' میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی ''ارے' وہ تو میرا کھلونا ہے۔ جب اس کی چابی ذرا سا گھما دیتی ہوں' وہ چل پڑتا ہے ورنہ پرسکون رہتا ہے۔ اس کی بس زبان چلتی ہے۔ وہ دل کا صاف ہے' ایسے سادہ لوح آدمی میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔''

''نیو خان ہوٹل کے مالک سے ہوتے والی اس کی گفتگو سن کر بھی تم اسے سادہ لوح سمجھتی ہو!'' میں نے اسے مزید ٹٹولنے کی نیت سے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میں نے تمہیں اس گفتگو کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا لیکن تم یقین کرو کہ اس کی ان آوارہ اور بے لگام باتوں میں بدمعاشی نہیں' ایک معصومانہ مسرت پنہاں تھی۔''

''اور تم ایسے انوکھے انسان کو چھوڑ کر ہوٹل میں رہنے کے منصوبے بنا رہی ہو۔''

''یہ ناگزیر ہوتا جارہا ہے۔ اب ہمیں ایک دوسرے کے غیر ضروری تسلط سے آزاد ہوجانا چاہیے۔ ہم چاہیں گے تو الگ رہ کر بھی روز ملتے رہیں گے۔''

''لوگ کہتے ہیں کہ دور رہنے سے آپس میں پیار بڑھتا ہے'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ''سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر میاں بیوی کیوں زندگی بھر ایک ساتھ رہتے ہیں۔''

''کہاں رہتے ہیں؟'' ویرا نے برجستہ کہا ''مغرب میں میاں بیوی لڑتے ہیں تو میاں اپنی گرل فرینڈ کے پاس چلا جاتا ہے۔ بیوی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ نکل جاتی ہے۔ تمہارے رواج مختلف ہیں۔ جب دونوں ایک دوسرے سے بیزار ہونے لگتے ہیں تو بیوی کچھ دنوں کے لیے اپنے میکے چلی جاتی ہے' واپسی پر شوہر اسے ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے۔''

غزالہ کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا۔ شاید لڑکیوں کی میکے کے ذکر نے اس کے دبے ہوئے زخم کرید دیے تھے۔ کرنل زوارزیدی' شمع زیدی اور کامران..... وہ پورا گھرانا ملک عدم کو سدھار چکا تھا۔ ماں' باپ اور بھائی کی شفقت سے محروم ہوکر وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

''کچھ لڑکیاں میکے کی نعمت سے محروم ہوتی ہیں'' غزالہ سے رہا نہ گیا اور وہ بوجھل آواز میں بول پڑی ''انہیں ساری عمر' مسلسل اپنے مجازی خدا کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ مجھے ایک اچھا شوہر ملا ہے اور مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

بھول کر بھی اپنے بچھڑے ہوئے میکے کا خیال نہیں آیا۔ یہ ان کی شرافت اور نیک نفسی ہے۔''

''بلاوجہ ڈینی کی خوشامد مت کرو'' ویرا نے ترشی سے کہا ''میکے کے نہ ہونے کے خوف سے اس کی زیادتیاں مت برداشت کیا کرو۔ تمہارے لیے سب گھر کھلے ہیں۔ جہانگیر تمہیں خوش آمدید کہے گا۔ سلطان شاہ تمہارا منہ بولا اور بہت سعادت مند بھائی ہے۔ میں ہوٹل میں چلی گئی تو بڑی بہن کی طرح تمہیں اپنے پاس رہنے کے لیے بلایا کروں گی۔ تم کو ڈینی سے بلاوجہ دبنے یا ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''تمہارے مشوروں کا شکریہ!'' غزالہ نے ایک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ ویرا کو جواب دیا۔ ''میں ان کا بہت احترام کرتی ہوں۔ انہوں نے صرف مجھے نہیں' میرے ماں باپ اور بھائی کو بھی وہ عزت اور محبت دی جسے میں مرتے دم تک فراموش نہیں کرسکوں گی۔ کبھی یہ کسی کے ورغلانے میں آگئے تو بھی میں ان سے شکوہ نہیں کروں گی۔''

وہ شاید کوئی ناموزوں ساعت تھی جو سنجیدہ گفتگو کے لیے مناسب نہیں تھی۔ پہلے ویرا پر اداسی کا مختصر سا دورہ پڑا۔ وہ سنبھلی تو غزالہ نے بقراط جیسی باتیں شروع کردیں۔ میں کپڑے جھاڑ کر صوفے سے اٹھ گیا۔

''تم دونوں اس دنیا اور ازدواجی رشتے کی بے ثباتی پر اپنا غور جاری رکھو'' میں نے استہزائی انداز میں کہا ''میں اول خان کی طرف جارہا ہوں؟''

سلطان شاہ میری ایک آواز پر آموجود ہوا۔

غزالہ نے اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے ورغلائے جانے کا تذکرہ کرکے ویرا پر خاصی گہری چوٹ کی تھی۔ اس نے ویرا کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا لیکن اس کے الفاظ میں گہرا مفہوم پنہاں تھا جسے سمجھ کر ویرا کو چپ سی لگ گئی تھی۔

ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر میں نے کمرے سے جوتے پہنے اور پھر سلطان شاہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ نے نئی خریدی ہوئی کرولا کی چابی مجھے دینی چاہی' اس کا خیال تھا کہ مجھے اس گاڑی کا آزمائشی تجربہ کرلینا چاہیے لیکن میں نے اول خان کی گاڑی چلانے کو ترجیح دی۔ وہ گاڑی اس نے مجھے دی تھی۔ اخلاق کا تقاضا تھا کہ میں اسے خود ہی چلا کر اسے واپس اس کے گھر تک پہنچاتا۔

حسن اسکوائر سے جمشید روڈ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم دونوں آگے پیچھے' اول خان کے گھر پہنچ گئے۔

میں کسی کے دروازے پر ہارن بجا کر اسے باہر بلانے کو بدتمیزی گردانتا ہوں۔ سڑک یا گلی سے گزرنے والی دسیوں گاڑیاں ہارن بجاتی ہوئی گزرتی ہیں۔ آنے والے کا فرض ہے کہ وہ اپنی گاڑی سے اتر کر ڈور بیل بجائے یا دروازے پر دستک دے کر اہلِ خانہ کو اپنی آمد سے باخبر کرے تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔

میں انجن بند کرنے بھی نہ پایا تھا کہ اول خان دروازے پر اپنی گاڑی کے انجن کی آواز پہچان کر باہر آگیا۔ میں اسے فون پر اپنی آمد کی اطلاع دے چکا تھا اس لیے وہ پہلے سے میرا انتظار کررہا تھا۔

اس سے مصافحہ کرنے کے بعد میں نے گاڑی کی چابی اسے پیش کی تو اس نے بے پروائی سے کہا ''اسے رکھو۔ گاڑی نہ ہونے سے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہورہی۔ کل تمہارے لیے کوئی اچھی سی مگر پرانی گاڑی خرید لی جائے گی۔ جنرل نے تمہارے نقصانات کے ازالے کے لیے تین لاکھ کا بیرر چیک دیا ہے۔''

''گاڑی آگئی!'' میں نے مسکراتے ہوئے مڑ کر سفید کرولا کی طرف اشارہ کیا ''یہ ویرا اور غزالہ کی پسند ہے۔''

''میرے ایما پر اول خان نے گاڑی کے ساتھ سلطان شاہ کو بھی دیکھا اور بڑھ کر تپاک سے اس سے ملا۔ وہ صرف دو تین قدم کا فاصلہ تھا۔ وہ دونوں میرے قریب آئے تو اول خان اس سے یہ معلوم کرچکا تھا کہ سفید کرولا پونے چار لاکھ میں خریدی گئی تھی۔ اس وقت تک میں نے گاڑی کی قیمت جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''فی الحال پچھتر ہزار کا خسارہ ہے۔'' اول خان نے وہیں کھڑے کھڑے' اپنی قمیص کی جیب سے مڑا ہوا چیک نکال کر میری طرف بڑھا دیا ''مجھے یقین ہے کہ چند روز میں جنرل سے یہ رقم بھی مل جائے گی۔''

میں نے چیک لینے سے صاف انکار کردیا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ جنرل کی خواہش ہے۔ میں جنرل کے ایما پر اس سے ملنے کے لیے اسٹیشن فور پہنچا تھا اور وہیں میری گاڑی تباہ ہوئی تھی۔ اس کی ذمے داری ایس ٹی ایف پر عائد ہوتی تھی۔

اسی تکرار کے دوران میں وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوگیا۔

وہ ہم میں سے کسی کا ذاتی معاملہ نہیں تھا۔ رقم کسی شخص کی جیب سے نہیں جارہی تھی' ایک قومی مقصد کے حصول کی جدوجہد میں گاڑیاں تباہی سے دوچار ہوئی تھیں۔ جنرل نے اپنے صوابدیدی اختیار کے تحت قومی وسائل سے وہ رقم دے کر ہمارے نقصان کے ازالے کی کوشش کی تھی۔ اول خان نے

Downloaded from https://paksociety.com